قیسی رامپوری
ناول
رضیہ سلطانہ
رضیہ سلطانہ

دربار خاص سلطان رضیہ

سلطان شمس الدین التمش

خدا تمھاری عمر میں برکت دے اور تمھارے قلم کی عمر دراز کرے۔

(خواجہ حسن نظامی)

قیسی صف اوّل کا مصنف ہے۔

(نیاز فتح پوری)

قیسی کو کس قدر تخیل ملا ہے اور اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ہے۔

(سیّد وقار عظیم)

قیسی اپنے رنگ تحریر میں منفرد ہے۔

(علی عباس حسینی)

تم اپنے عہد ہی نہیں آئندہ زمانے کے بھی ایک بڑے ناول نگار ہو۔

(تاج الدین احمد)

بہت بڑا افسانہ نگار اور نہایت منجھا ہوا افسانہ نویس۔ میں قیسی کو معمار حیات کہتا ہوں۔

(ایڈیٹر رسالہ ادیب، دہلی)

بڑا اچھا لکھتے ہیں اور ان کے خیالات بے حد منجھے ہوئے ہیں۔

(ایڈیٹر ریاست، دہلی)

قیسی رامپوری (پیدائش: 20 جون 1908ء — وفات: 10 فروری 1974ء)، اُردو زبان کے معروف مصنف، ناول نگار، ڈراما نویس، مترجم اور افسانہ نگار تھے۔ وہ صاحبِ اسلوب ادیب، تذکرہ نگار اور سفرنامہ نگار ملا واحدی دہلوی کے داماد تھے۔ قیسی کی جائے پیدائش رامپور ٹھہری۔ پہلے قیسی اجمیری کے نام سے بھی لکھتے رہے۔ اصل نام حامد الدین خلیل الزماں خان، والد بزرگوار کا نام محمد زمان خان، سلسلہ نسب چھتیسویں پشت میں حضرت قیس عبدالرشید سے جا کر ملتا تھا جن کا مزار کابل میں ہے۔ پردادا کابل سے نوشہرہ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ والد نے رختِ سفر باندھا اور ریاست کوٹہ آ کر آباد ہو گئے۔ اپنے قیسی ہونے کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں، "قیسی نہ تو میرا تخلص ہے نہ جناب قیس عامری کی لیلیٰ پرست ذات سے میرا کوئی تعلق ہے۔" فکرِ معاش سے آزاد ہو کر ادیب فاضل کا امتحان دیا، اس کے بعد منشی فاضل کا اور آخر میں انٹر کا۔ ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز اجمیر سے ہوا۔ رسالہ کیف میں پہلا افسانہ "اضطرابِ مجسم" کے نام سے شائع ہوا۔ وہاں ان کی ملاقات رئیس اجمیری سے ہوئی۔ کچھ عرصہ خواجہ حسن نظامی کے ہاں دلی میں بھی قیام کیا۔ ادب میں انھوں نے ناول نگاری کے حوالے سے اپنی الگ پہچان بنائی۔ معاشرتی، سماجی اور تاریخی موضوعات پر لاتعداد ناول تحریر کیے جس کا سلسلہ تقسیمِ ہند کے بعد ان کی وفات تک جاری رہا۔ ان کے ناولوں کی تعداد 100 سے زائد ہے جن میں رضیہ سلطانہ، چاند بی بی، ٹیپو شہید، آخری فیصلہ، خیانت، نکہت، اچھے دن، ممو، انجم، ایاز، برہنہ، بے آبرو، چور، اپاہج، دل کی آواز، فرزانہ، خورو، اطلس، اجالا، تیسرا راستہ، فردوس، کلیم وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ تقسیمِ ہند سے پہلے اور بعد کے کچھ ادبی جرائد کی ادارت بھی کی۔ ایک تخلیق کار، مترجم اور ادیب کے طور پر قیسی نے بھرپور زندگی گزاری۔ انھوں نے اپنی تخلیقی قوت، زورِ تخیل، فنی ہنرمندی اور اندازِ بیان کی سادگی و جاذبیت کے ذریعے بیسویں صدی کی دو تین دہائیوں میں اردو کے افسانوی ادب کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے تاریخ کے موضوع پر ایک کتاب "دوسری جنگِ عظیم کے ہولناک واقعات" بھی تحریر کی۔ ناولوں کے تراجم بھی کیے، جن میں ولا کیدر کے ناول "My antonia" کا ترجمہ "ویران ہے دل" خاصا مقبول ہوا۔ تھامس ہارڈی کے مشہور ناول "Jude the obscure" کا ترجمہ کیا تو اس کا عنوان سیماب اکبر آبادی نے "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" تجویز کیا۔ پاکستان آنے کے بعد بھی قیسی کا قلم نہیں رکا بلکہ بے شمار ناول لکھتے رہے، وہ اپنے وقت میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے ناول نگار مانے جاتے تھے۔ قیسی رام پوری 10 فروری 1974ء کو بعارضۂ قلب کراچی میں انتقال کر گئے۔

Raziya Sultana
by Qaisi Rampuri
Jhelum: Book Corner. 2022
296p.
1. Novel - History
ISBN: 978-969-662-408-0

1954ء میں ناول پہلی مرتبہ "کتب خانہ دینی و دنیا، شاہی بازار، حیدرآباد، سندھ" سے شائع ہوا۔
جنوری 2022ء میں جہلم (پاکستان) سے "بک کارنر" نے نستعلیق کمپوزنگ کروا کر تعارف و تاثرات کے اضافوں کے ساتھ جدید ایڈیشن شائع کیا۔

بانی مہتمم اعلیٰ: شاہد حمید
ناشرین: گگن شاہد * امرشاہد

کتاب: رضیہ سلطانہ (ناول)
مصنف: قیسی رامپوری
تعارف: عقیل عباس جعفری
لفظ خوانی: عادل حسن
سرورق: ایمامہ
تزئین و زیبائش: زہادیہ
خطاطی: احمد علی بھٹہ
کمپوزنگ و صفحہ سازی: عمر فاروقی
کتابت: نوری نستعلیق، علوی نستعلیق
مطبع: مکتبہ جدید پریس، لاہور
ناشر: بک کارنر
ویب سائٹ: www.bookcorner.com.pk

بک سٹور: بک کارنر شوروم، بالمقابل اقبال لائبریری، اقبال لائبریری روڈ، جہلم، پاکستان 49600
00 92 544 278051, 00 92 544 614977 · 00 92 314 4440882, 00 92 321 5440882
bookcornerjlm · /bookcornershowroom · /bookcorner
bookcornerjhelum · info@bookcorner.com.pk

انیس ناگی

سب کہاں؟ کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

پیش لفظ

اس ناول کو آپ عام تاریخی ناولوں کی روش سے مختلف پائیں گے اور یہی اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ میں دراصل اپنے اس ناول کو تاریخی ناول نہیں کہتا اور نہ اس سے پہلے کے ناول "چاند بی بی" کے بارے میں یہ میرا ادّعا ہے۔

میرے خیال میں تاریخی ناول لکھنے سے بہتر تو یہ ہے کہ انسان تاریخ ہی لکھے۔ کیونکہ تاریخ اپنی جگہ ایک مکمل صنف ہے جس نے ناول کا رنگ قبول کرنے کا خراج کم پایا ہے۔ ویسے ہر موضوع کو آپ ناول کے قالب میں ڈھالنے کو آزاد ہیں۔

اس ناول میں صرف اتنا کیا گیا ہے کہ تاریخ کی ایک تاجدار نسوانی شخصیت کی اینٹ پر میں نے محل تعمیر کر دیا ہے۔ بے شک اس ضمن میں بعض تاریخی حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ فعل گویا دوبارہ ہسٹری لکھنے کے مترادف تھا ورنہ پوری کتاب خدا کے دیئے ہوئے اور بندے کے لیے ہوئے تخیل سے بھری ہوئی ہے۔

آپ سے اسی سلسلہ میں بہت سی باتیں کرنی تھیں۔ خیر پھر کبھی سہی لیکن آپ نے اگر مجھے جلد ہی چھیڑ دیا تو وہ بھی شاید فوراً زبان پر آ جائیں ورنہ بدیر۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ تلخ ہوں یا شیریں۔

قیسی رامپوری

کراچی

9 ستمبر 1953ء

قیسی رامپوری کا ناول "رضیہ سلطانہ"

یہ بحث اب خاصی پرانی ہو چکی ہے کہ تاریخ اور تاریخی ناول میں کیا فرق ہے؟

تاریخ کسی بھی عہد کے واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ صحیح تاریخ کی ایک خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ اس دور کے سماجی شعور اور رجحانات کا احاطہ کیا جائے، جبکہ تاریخی ناول میں مصنف تاریخ کو ایک قصے کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس میں مصنف کا ذہن رسا بھی شامل ہوتا ہے اور اس کے جذبات بھی۔ تاریخ ایک خشک انداز میں تحریر کی جاتی ہے جبکہ تاریخی ناول میں عبارت کی دل آویزی اور بیان کی دل کشی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس سبب سے ایک عام قاری کے لیے تاریخ کی بہ نسبت تاریخی ناول پڑھنا زیادہ دلچسپ عمل ہوتا ہے۔

اُردو میں تاریخی ناول نگاری کا آغاز عبدالحلیم شررؔ سے ہوا۔ شررؔ نے ابتدا میں سلیس تاریخ نگاری کی مگر جب انھیں احساس ہوا کہ ان کا قاری اس تاریخ میں ان واقعات کا جواز بھی ڈھونڈنا چاہتا ہے تو وہ تاریخی ناول نگاری کی طرف مائل ہوئے۔ شررؔ کا اسلوب اُردو میں نیا تھا اس لیے شروع شروع میں ان پر تنقید بھی ہوئی، مگر جلد ہی ان کا انداز اُردو داں طبقے

میں مقبول ہو گیا۔ شرر کی غیر معمولی کامیابی نے دوسرے ناول نگاروں کو بھی تاریخی ناول لکھنے کی طرف متوجہ کیا، جن میں محمد علی طبیب، سلطان حیدر جوش، علی عباس حسینی، مرزا مظفر علی بیگ، عباس حسین ہوش اور علامہ راشد الخیری کے نام سرفہرست ہیں۔

ان ادیبوں کے فوراً بعد جس ناول نگار نے شہرت حاصل کی اس کا نام صادق حسین صدیقی سردھنوی تھا۔ انھوں نے تاریخِ اسلام کے ہر واقعے کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ ان کے لکھے ہوئے ناولوں کی تعداد 50 سے زیادہ ہے۔ 1947ء میں ہندوستان کی تقسیم ایک اہم واقعہ تھا، اُردو کے بہت سے ادیب اس واقعے کے چشم دید گواہ تھے، چنانچہ انھوں نے اس واقعے سے تعلق رکھنے والے بہت سے موضوعات کو اپنے ناولوں کا محور بنایا۔ اس کے ساتھ ہی تاریخ کے بہت سے واقعات بھی ناول نگاری کا موضوع بنتے چلے گئے اور ان کی مقبولیت کے باعث بہت سے ناول نگار منظرِ عام پر آئے، جن میں آرزو چودھری، احسان بی اے، الطاف پرواز، الیاس سیتاپوری، عشرت رحمانی، مائل ملیح آبادی، نسیم حجازی، ماہر القادری، خواجہ محمد شفیع دہلوی، احسن فاروقی، ایم اسلم، اسلم راہی، خان محبوب طرزی، رئیس احمد جعفری، عنایت اللہ، قمر تسکین، وحشی محمود آبادی اور احمد شجاع پاشا شامل تھے۔ انھی ناول نگاروں میں ایک اہم نام قیسی رامپوری کا تھا۔

قیسی رامپوری 20 جون 1908ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ناول نگاری کا آغاز 1927ء کے لگ بھگ ہوا۔ انھوں نے لاتعداد رومانی اور معاشرتی ناول تحریر کیے، جن میں طلسمی فوارہ، برہنہ، چوراہا، نکہت، شیطان، آخری فیصلہ، خطا، دل کی آواز، تسنیم، دھوپ، سزا، دوشیشے، ضیافت، گرد پوش، اپاہج، رونق اور رضوان شامل تھے۔ طلسمی فوارہ کا ایک نسخہ رضا لائبریری رامپور میں آج بھی محفوظ ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد انھوں نے چند تاریخی ناول بھی تحریر کیے جن میں ٹیپو شہید، چاند بی بی، خون، بے آبرو، فردوس، سلمیٰ، دوسری جنگ عظیم کے ہولناک واقعات اور

زیر نظر ناول رضیہ سلطانہ شامل ہیں۔ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''اردو میں تاریخی ناول'' میں قیسی رامپوری کے بارے میں لکھا ہے کہ...

''ان کے ناولوں میں تاریخ کم اور افسانہ زیادہ ہے، انھوں نے تاریخی مواد کو سلیقے سے استعمال نہیں کیا ہے، تاہم ان کے ناولوں کے پلاٹ اپنی بوقلمونی کے باعث زیادہ دلچسپ اور جاذب نظر ہیں۔ان کے ہر ناول کا پلاٹ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ناول کے واقعات مربوط ہوتے ہیں۔ہر واقعہ دوسرے واقعے سے باہم پیوست ہوتا ہے،لیکن تاریخی ناولوں کے پلاٹ اس قدر منظم اور مربوط نہیں ہوتے۔ناول کے تخیلی واقعات تاریخی واقعات سے علیحدہ بیان ہوتے ہیں۔اس طرح پلاٹ دوہرا ہوجاتا ہے اور یہ کوئی عیب نہیں۔''

رضیہ سلطانہ کے بارے میں خود قیسی رامپوری کی اپنی رائے یہ تھی کہ...

''اس ناول کو آپ عام تاریخی ناولوں کی روش سے مختلف پائیں گے اور یہی اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ میں دراصل اس ناول کو تاریخی ناول نہیں کہتا ورنہ اس سے پہلے کے (ناول) چاند بی بی کے بارے میں میرا یہ دعویٰ ہے کہ میرے خیال میں تاریخی ناول لکھنے سے بہتر تو یہی ہے کہ انسان تاریخ ہی لکھے کیونکہ تاریخ اپنی جگہ ایک مکمل صنف ہے جس نے ناول کا رنگ قبول کرنے کا خراج کم پایا ہے۔ ویسے ہر موضوع کو آپ ناول کے قالب میں ڈھالنے کو آزاد ہیں۔''

ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ نے ''رضیہ سلطانہ'' کے بارے میں لکھا ہے کہ...

''رضیہ سلطانہ قیسی رامپوری کا ایک ایسا ناول ہے جس میں ہندوستان کی تاریخ کے پس منظر میں واقعات ابھرتے ہیں، واقعات کا آغاز شمس الدین التمش کی مشکلات کے ذکر سے کیا ہے۔رضیہ سلطانہ کا کردار آہستہ آہستہ ابھرتا ہے۔اس کا بھائی رکن الدین نااہل ہے،رضیہ کا اپنی فوج کے ایک سالار التونیہ سے عشق کا واقعہ ذرا پھیلا کر لکھا گیا

ہے، محض واقعے کے طور پر اختتام اور عادلہ کے عشق کی داستان سنائی گئی ہے۔ پورے
ناول میں تاریخی عہد کے طور پر التمش کی حکومت کے واقعات زیادہ ہیں اور رضیہ سلطانہ
کی حکومت واقتدار کا ذکر صرف آخری چند صفحات میں آیا ہے۔"

"رضیہ سلطانہ" ایک طویل عرصے سے ناپید تھا۔ خود قیسی رامپوری کے انتقال
(10 فروری 1974ء) کو بھی نصف صدی گزرنے والی ہے۔ قیسی رامپوری کے قارئین ان
کے ناولوں کو شدت سے ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ میں بک کارنر جہلم کے امر شاہد اور گگن شاہد
کو مبارک باد پیش کرتا ہوں جو ایک طویل عرصے کے بعد "رضیہ سلطانہ" کو قارئین کی
خدمت میں دوبارہ پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے ان کی یہ کاوش ان کے ادارے کی
دیگر مطبوعات کی طرح پسند کی جائے گی اور قیسی رامپوری کے دیگر ناولوں کی اشاعت
کا حرفِ آغاز ثابت ہوگی۔

عقیل عباس جعفری

کراچی
یکم دسمبر 2021ء

التتمش

I

شمس الدین التتمش جس کو التمش بھی کہتے ہیں خاندانِ غلاماں کا بڑا صاحب صولت و بیدار مغز بادشاہ گزرا ہے۔ وہ جب 1211ء میں دہلی کے تخت پر قابض ہوا تو اس کے پیشرو اور آقا قطب الدین کی وفات کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت تقریباً پارہ پارہ ہو گئی تھی اور سیاسی اتحاد منتشر ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس امیر کے قبضہ میں وسائل اور طاقت تھی اس نے علیحدہ علیحدہ اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ چنانچہ اس وقت دہلی کی سلطنت ٹوٹ کر چار مسلمان حکومتیں قائم ہو گئی تھیں۔ سندھ پر ناصر الدین قباچہ قابض تھا۔ بنگال خلجیوں کے زیر نگیں آ گیا تھا۔ لاہور اور غزنی پر تاج الدین ایلدوز نے تسلط جما لیا تھا اور دہلی کی حکومت التتمش کے پاس تھی۔

سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی التتمش کو پہلا خیال یہی آیا کہ اپنے ان زبردست حریفوں سے نبرد آزما ہو کر ان کا زور توڑ دے اور ہند میں مسلمانوں کی وحدت پر مشتمل ایک حکومت قائم کرے مگر چونکہ اس نے ابھی دہلی کا نظم و نسق سنبھالا ہی تھا اور امرا جن کے غرور و سرکشی کا یہ عالم تھا کہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے تھے ابھی التتمش سے مرعوب نہیں ہوئے تھے اور نہ حکمرانی میں وہ ابھی التتمش سے تعاون کر رہے تھے، اس لیے یہ زیرک بادشاہ موقع کا انتظار کر رہا تھا۔

التمش کو قوت استعمال کرنے کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ امرا وہی نے خود قبل از وقت اپنی سرکوبی کی دعوت دے دی۔ چونکہ التمش سلطنت کا جائز حقدار نہ تھا بلکہ قطب الدین کا بیٹا آرام شاہ وارث تخت وتاج تھا جس کو شکست دے کر التمش نے دہلی پر قبضہ کر لیا تھا۔ لہٰذا یہی وجہ تھی کہ چند ہی روز بعد امرا اور تخت کے دوسرے دعوے داروں نے دہلی اور آس پاس کے علاقوں میں ہنگامے برپا کرنے شروع کر دیے تھے مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ ان کا واسطہ ایک بے حد مدبر و حوصلہ مند شخص سے ہے۔ التمش پوری قوت سے اٹھا اور اپنے قرب وجوار کے حریفوں کا اس نے خاتمہ کر دیا۔

مگر ابھی التمش کے سامنے سندھ، بنجاب اور پنجاب کے حریف روساسے عہدہ برآ ہونے کا مسئلہ تھا اور اس سے بھی زیادہ کٹھن منزل راجپوتانہ کے معزز راجپوت راجاؤں کی تسخیر تھی لیکن التمش نے مناسب نہ سمجھا کہ ایک دم چو طرفہ محاذ کھول کر مصیبت مول لے۔ اس لیے راجپوتانہ کی تسخیر کے معاملہ کو برائے چندے التوا میں ڈال دیا۔

التمش جہاں ایک نہایت قابل اور اولوالعزم بادشاہ تھا وہاں بہت پرہیزگار دین دار تھا۔ اوّل تو ہندوستان میں ابھی اسلامی تہذیب نے جنم لینا شروع ہی نہیں کیا تھا۔ دوم سلطان محمد غوری کے بعد بھی مسلمان تاجداروں کی کوئی حکومت قائم نہ ہو سکی تھی اسی لیے التمش کی سب سے پہلی اور دلی خواہش یہ تھی کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالے اور یہاں مسلمانوں کی سلطنت ایسی مضبوطی سے قائم ہو جائے کہ صدیوں کے طوفان بھی اس کو نہ اکھیڑ سکیں۔

ایک شب کو التمش بعد نماز عشا اپنی سادہ جانماز پر مصروف ورد تھا۔ اس کا لباس بھی بہت سادہ تھا اور باوجود گرمی کے اس کی قبا کے بند کسے ہوئے تھے کیونکہ وہ مؤدبانہ خدا کے دربار میں حاضری دے رہا تھا۔ اس کا قوی اور خوبصورت بدن تنگ لباس میں بھی کسرتی نظر آ رہا تھا۔ اُس کے بارعب چہرے پر نور تھا اور اس کی ولولہ انگیز آنکھیں یادِ حق میں اس وقت

نہایت انکسار سے بند تھیں کہ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے دل میں کسی باطنی قوت نے بولنا شروع کیا۔

جب وہ وظیفہ و مراقبہ سے فارغ ہوا تو اس کو صرف یہ یاد رہا کہ کسی نے عبادت کے دوران میں اس کو یہ ہدایت کی ہے کہ خبردار ہمیشہ حق و انصاف کا ساتھ دینا، مظلوموں اور اپنی غریب رعایا، کسانوں اور محتاجوں کی ہمیشہ داد رسی کرنا۔ تجھے ہندوستان میں اسلام کی پہلی باقاعدہ سلطنت قائم کرنی ہے۔

''میں ان شاء اللہ ہمیشہ حق و صداقت کا ساتھ دوں گا۔'' التمش نے آنکھیں کھولیں اور پسینا صاف کیا۔ اس کے بعد اس کی نظر اپنے بوڑھے غلام عبید اللہ پر پڑی۔ عبید اللہ صرف نام کا غلام تھا ورنہ وہ التمش کا مصاحب خاص اور سچا رفیق تھا۔ سلطان محمد غوری کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھا۔ کئی معرکے مارے تھے اور رموزِ حکومت و فنِ سپاہ گری کا ماہر تھا۔

''آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا تھا سلطان؟'' عبید اللہ نے التمش کو اپنی جانب متوجہ پاکر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''نہیں بلکہ اپنے مالک سے، عبید اللہ تم مجھے سلطان نہ کہا کرو۔ صرف شمس الدین سے مخاطب کیا کرو۔'' سلطان نے کہا۔ اس کے چہرے پر اب تک ریاضت کا تقدس تھا۔

''نہیں آقا۔ خدا نے آپ کو بادشاہت عطا کی ہے پھر میں آپ کو سلطان کیوں نہ کہوں۔'' عبید اللہ نے جواب دیا۔

''بادشاہت بہت تکبر خیز چیز ہے عبید اللہ۔ میں تو صرف مخلوق خدا کا خادم ہوں۔''

''آپ خادم ہوں یا مخدوم، آپ کو سب سے پہلا کام یہ کرنا ہے کہ ہندوستان میں خدا کی عظمت کا بول بالا کریں۔ افسوس غازی محمد غوری کو اس کی مہلت نہیں ملی۔''

''میں انتہائی کوشش کروں گا۔ ہندوستان بہت بڑا ملک ہے عبید اللہ اور یہاں صدہا قومیں بستی ہیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ ہندوستان ایک بڑا اعظم ہے جو کئی ملکوں میں تقسیم ہے۔

اس میں کئی پرانی اور نئی سلطنتیں ہیں۔ بہت سے مذاہب ہیں اور بے شمار زبانیں۔ مگر اس برِاعظم کی سیاسیات واقوام کو متحد کر کے یہاں ایک اتحادی سلطنت قائم کی جائے تو شاید یہ سلطنت دُنیا کی سب سے بڑی سلطنت ہوگی۔" سلطان نے کہا اور کسی گہری سوچ میں چلا گیا۔ عبیداللہ نے ذرا توقف کیا پھر اپنے آقا سے مخاطب ہوا:

"دُنیا میں اور کتنی سلطنتیں ہیں۔ سلطان اور دوسری کون کون قومیں آباد ہیں۔"

التمش اس سوال کو سن کر خاموش ہو گیا۔ کیونکہ وہ خود جغرافیہ عالم سے بے خبر تھا نہ صرف وہ بلکہ یورپ والے بھی اس سے نابلد تھے۔ اورنگ زیب اور اس کے بعد کے مغلیہ سلاطین بھی اچھی طرح واقف نہ تھے کہ دُنیا میں اور کتنے ملک ہیں، کتنی سلطنتیں ہیں، کیا کیا قومیں آباد ہیں، ان کے کیا کیا طور طریقے اور رسم و رواج ہیں، ان کی کتنی فوجی طاقت ہے اور کیا طریقہ حرب ہے۔ یہ سولھویں صدی تک ہندوستان کے سلاطین اور حکمرانوں کو معلوم نہ تھا۔

"میں فقط اتنا جانتا ہوں ___" آخر سلطان نے توقف کے بعد کہا۔ "کہ تمام زمین بلکہ پوری کائنات خدا کی ہے اور تمام انسان اس کی مخلوق۔ یہی اس کی مخلوق کہیں حاکم ہے کہیں محکوم لیکن کوئی حاکم اگر کہیں ناانصافی وظلم کرتا ہے تو وہ اپنے معبود کا باغی ہے۔" التمش اتنا کہہ کر پھر خاموش ہو گیا اور عبا اُتار کر عبیداللہ کے حوالے کی۔ اب اس کا مضبوط وطاقت ور جسم کُرتے میں سے صاف نظر آ رہا تھا۔

التمش کا دربار اتنا پُرشکوہ نہ تھا جتنا شاہانِ مغلیہ کا صدیوں بعد نظر آتا تھا بلکہ خاندانِ غلاماں کے سلاطین شان و شوکت سے بے نیاز تھے۔ التمش تو سادگی پسند تھا۔ اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ناصرالدین محمود جو رضیہ سلطانہ کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا، بے حد سادگی پسند، فقیر منش اور متقی گزرا ہے۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ التمش کا دربار کوئی دربار نہ تھا۔ باوجود سادگی و مساوات کے دربار میں کوئی شخص نہ تو ہنس سکتا تھا نہ بادشاہ کے ایما کے بغیر کوئی بات کر سکتا تھا۔ ہر شخص

ساکت وصامت مؤدبانہ کھڑا رہتا تھا۔ تمام درباریوں کی نظریں نیچی رہتی تھیں۔ بادشاہ اگر کسی سے مخاطب ہوتا تو وہ شخص نیچی نگاہیں کیے ہی جواب دیتا اور کوئی غیر ضروری بات منہ سے نہ نکالتا۔

پھر اس سادگی وخوش مزاجی کے باوجود التمش کی ہیبت کا تو یہ عالم تھا کہ اگر وہ کسی شخص سے معمولی لہجے میں بھی بات کرتا تھا تو مخاطب کانپنے لگتا تھا۔ اس میں امرا اور سپاہی کی تخصیص نہ تھی بلکہ شہزادے بھی اپنے سلطان باپ کی آواز سن کر حواس باختہ ہوجایا کرتے تھے۔ سوائے سلطان کی لاڈلی حسین ومہ جبین بیٹی رضیہ کے ہر شخص پر سلطان کا رعب چھایا ہوا تھا۔ سلطان بھی اپنی چہیتی بیٹی کو دیکھ کر باغ باغ ہوجاتا تھا اور اس کا حُسنِ عالم افروز باپ کے دل سے سلطنت کے تمام تفکرات دُور کردیتا تھا۔

۲

التمش جہاں عفو پرور اور خوش خلق تھا، وہاں وہ سیاست میں انتہا درجہ کا سخت بھی تھا۔ منافقت، بغاوت اور سرکشی وغیرہ کو وہ معاف کرنا نہیں جانتا تھا مگر انتہائی غصّے کی حالت میں عدل وصداقت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے پہلے دربار کے امرا کو اپنے تادیبانہ رویے سے مطیع کیا تھا پھر قرب وجوار کے روسا کے مزاج درست کردیئے تھے اور وہ سب بہت جلد اس کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔

پُرانی دِلّی کے تنگ بازار اور گلی کوچے شاید صدیوں سے ایک ہی حالت میں چلے آ رہے ہیں اور آج بھی ان کی وہی حالت ہے۔ فصیل سے اُس طرف جہاں اب ترکمان دروازہ ہے پہلے بازار لگا کرتے تھے جو محمد غوری کے حملوں کے بعد سے چوپٹ ہوگئے تھے مگر اس کے بعد خاندانِ غلاماں کے سب سے پہلے بادشاہ قطب الدین کے عہد میں پھر کسی قدر سجنے لگے تھے اور التمش کے زمانہ میں تو ان میں خاصی چہل پہل اور گہما گہمی رہنے لگی

تھی۔ جیسی کچھ بھی تجارت تھی اس وقت بھی اس پر تمام تر ہندوؤں ہی کا قبضہ تھا۔ مسلمان یا تو فوج میں تھے یا شاہی ملازمت میں یا متوسلین میں۔

ان بازاروں میں سونے اور چاندی کے انبار لگے رہتے تھے۔ حالانکہ مشہور یہ کیا جاتا تھا کہ محمد غوری ہندوستان میں لوٹ مار کے سلسلے میں جھاڑو سی پھیر گیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نے پبلک کی جان و مال سے مطلق تعرض نہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ التمش کے زمانے صرافہ کے اندر سچے موتیوں اور جواہرات کی بے شمار دکانیں تھیں جن میں بیش قیمت جواہرات کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ یہی کیفیت اجناس کی تھی۔ ان سے منڈیاں اٹی پڑی تھیں۔

رضیہ ہر چند اپنے فرمانبردار باپ کی سادگی کی دلدادہ تھی مگر چونکہ وہ چار پانچ شہزادوں میں ایک ہی شہزادی تھی۔ پھر حسن و فراست میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی، اس لیے اپنے والد کی آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی۔ وہ اکثر جوہری بازار میں کبھی کبھار قیمتی پتھر خریدنے چلی جایا کرتی تھی مگر اس کے جلو میں نہ تو باڈی گارڈ کی بٹالین چلتی تھی نہ آگے پیچھے خدام دوڑتے تھے بلکہ اس کے ہمراہ اس کا معتمد حبشی غلام یاقوت ہوتا تھا یا تین چار کنیزیں۔

اب کے شہزادی رضیہ اس بازار میں دو ڈھائی ماہ بعد آئی تھی اور چونکہ وہ بے نقاب آتی تھی اس لیے وہاں کی ایک ایک دکان اس کی نظر میں تھی۔ اس دفعہ آئی تو اس نے وہاں ایک اور چھوٹی سی نئی دکان دیکھی جس پر ایک خوش رو ترک بچہ چھوٹے سچے موتی اور کوڑیوں کے مالائیں لیے بیٹھا تھا۔ یاقوت اور کنیزیں تو اس حقیر دکان پر حقارت کی نظریں ڈالتیں ہوئی چل دیں مگر شہزادی رضیہ سلطانہ مسکراتی ہوئی گزری۔

یوں بھی جوہری بازار کا ہر چھوٹا بڑا جوہری اس نسوانی آفتاب عالم تاب کو دیکھ کر چاہتا تھا کہ اپنے تمام جواہرات اس جوہر بے بہا کے قدموں میں نچھاور کر دے۔ جب وہ کسی خوش نصیب جوہری کی دکان پر کچھ خریدنے رک جاتی تھی تو وہ قیمتی سے قیمتی پتھر اپنی حسین

شہزادی کو نذر کرنے کی کوشش کرتا تھا مگر رضیہ نذر و نیاز قبول کرنے کی عادی نہ تھی۔ نہ تو بصورتِ نقد و زر نہ بشکلِ نقدِ دل۔

عید کے لیے شہزادی نے چند جواہرات خریدے۔ واپسی میں وہ پھر اسی حقیر دُکان کے سامنے سے نکلی۔ اس کو دیکھ کر وجیہ نوجوان ترک دُکان دار فرطِ مسرت و ادب سے اُٹھ کر کھڑا ہوا اور جب اس نے دیکھا کہ شہزادی بغیر توجہ فرمائے گزری جا رہی ہے تو اس کا منہ اُتر گیا۔ زیرک شہزادی نے شاید اس کی مایوسی تاڑ لی تھی چنانچہ اس ترک نوجوان کی محض عزت افزائی کے طور پر وہ ایک سیکنڈ کے لیے رُک کر دُکان کی کم مایہ چیزوں کو دیکھنے لگی۔

تُرک بچّہ اس عزت افزائی سے پھولا نہ سمایا۔ چنانچہ اس نے فوراً بڑھ کر تیزی سے مونگوں کی ایک خوبصورت سی مالا جس کی اس زمانہ میں بمشکل چار آنے قیمت ہوگی، شہزادی کے گلے میں ڈال دی مگر یاقوت حبشی اس کو اپنی شہزادی کی ہتک سمجھا اور اس نے جلدی سے پیش قبض نکال کر چاہا کہ ترک نوجوان کے سینے میں پیوست کر دے، مگر وہ بجلی کی طرح اس کی طرف بڑھا اور یاقوت کی فو۔دکلائی مروڑ کر خنجر اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور شہزادی کے قدموں میں ڈال دیا۔ اس کے بعد تفاخر کے لہجہ میں بولا:

''ترکی خون تنہا شہزادی ہی کی رگوں میں نہیں ہے بلکہ میں نے بھی وراثت میں پایا ہے۔'' رضیہ پہلے تو اس واقعہ سے ذرا سراسیمہ ہوئی پھر غنچہ کی طرح مسکرا دی، جس سے یہ طرح دار نوجوان بسمل ہوگیا۔ پھر بولی:

''ہم تمھاری مالا قبول کرتے ہیں۔'' اس کے بعد چل دی۔ نوجوان دیوانہ وار اس کی طرف دیکھتا رہا اور یاقوت آتشیں نظروں سے اس کو دیکھتا ہوا اپنی ماہ پارہ مخدومہ کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔

''یاقوت تمھیں یہ لازم نہ تھا'' اپنے محافظ کے پاس پہنچ کر شہزادی نے یاقوت سے کہا۔

''مگر جانِ عالم شہزادی صاحبہ اس مردود کی گستاخی اس کی سزاوار تھی۔'' یاقوت نے

جواب دیا۔

"حیرت ہے کہ یہ شخص یہاں ایسی حقیر سی دُکان لگائے بیٹھا ہے۔ اگر یہ کوشش کرے تو ہماری فوج میں قبلہ ابا اس کو اچھا عہدہ عطا کر سکتے ہیں کیونکہ بہادر نوجوان معلوم ہوتا ہے۔" رضیہ نے تُرک نوجوان کی تعریف کرتے ہوئے کہا جس سے یاقوت جل کر کباب ہو گیا۔ آخر بولا:

"نہیں حضور شہزادی صاحبہ۔ وہ کوئی بزدل ہے، جب ہی تو فوج میں بھرتی ہونے سے ڈرتا ہے، یا ممکن ہے ہمارے کسی دُشمن کا جاسوس ہو جو ایسی بے ہودہ سی دُکان کی آڑ میں مخبری کر رہا ہو۔"

"تم بھی بدگمانی کی حد کرتے ہو یاقوت۔ اگر وہ کوئی جاسوس ہوتا تو قیمتی جواہرات کی دُکان لے کر بیٹھتا تاکہ اس پر کوئی شبہ کیا ہی نہ جا سکے۔" فہیم شہزادی نے کہا۔

"حضور نے ملاحظہ فرمایا ہوگا وہ جوہری بچہ کتنا خوش رو تھا۔" شہزادی کی ایک منہ چڑھی کنیز نے اپنی مخدومہ سے کہا۔

"چپ رہو۔ میں کسی مرد کی تعریف سننے کی عادی نہیں۔" رضیہ نے اس کو ڈانٹ کر کہا۔

"پھر حضور وہ جوہری بچہ کب ہے، وہ تو تُرک سپاہی زادہ ہے۔" دوسری کنیز نے پہلی کنیز کی اصلاحِ خیالی کی غرض سے کہا مگر چونکہ اس میں بھی اُس نوجوان کی تعریف کا پہلو نکلتا تھا اس لیے رضیہ نے اس کی طرف بھی تیز نظروں سے دیکھا۔ پھر اس کو اپنی کنیزوں کی بے ساختگی پر خفیف سی ہنسی آ گئی جس سے بے چاری کنیزوں کی جان میں جان آئی۔

"حضور رُخِ تاباں پر نقاب ڈال کر باہر نکلا کریں۔ دیکھیے ہر آتا جاتا کس طرح دیوانہ وار حضور کی طرف دیکھنے لگتا ہے۔" پہلی والی منہ چڑھی کنیز نے شہزادی کی مزید خوشنودی جیتنے کی غرض سے کہا۔

"دیوانے ہی جو ٹھہرے۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"شہزادی صاحبہ! کیا خریدے ہوئے جواہرات کی ڈبیا حضور کے پاس ہے؟"
یاقوت نے اپنی جیب و گریباں کی تلاشی لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو۔ خریدتے ہی ڈبیا میں نے تمھارے سپرد کر دی تھی۔" رضیہ نے کہا۔

"حیرت ہے کہاں گئی۔ میرے پاس تو نہیں ہے۔" یاقوت نے پریشان ہو کر کہا اور
پھر سراسیمگی میں اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"جائے گی کہاں۔ تم لڑائی جھگڑے میں اس نوجوان جوہری کی دکان پر گرا آئے ہو
گے۔" کنیز نے یاقوت سے کہا۔

"شاید یہی ہوا ہے۔ اب کیا کروں۔" یاقوت نے پریشان ہو کر کہا۔

"جاؤ اور لے کر آؤ۔" معتمد کنیز نے کہا۔

"نہیں اب یاقوت کا جانا وہاں مناسب نہیں۔ یہ اس سے لڑ کر آئے ہیں، ممکن ہے
پھر لڑنے لگیں۔ اگر وہ ایماندار آدمی ہے تو خود پہنچا دے گا۔" رضیہ نے کہا۔

"نہیں حضور قیمتی جواہرات یوں ضائع نہیں کرنا چاہئیں۔ دیکھیے وہ سامنے گشت کا سپاہی
کھڑا ہے، اس کو بھیجتا ہوں۔" یاقوت نے کہا اور کھڑے ہوئے سپاہی کی طرف روانہ ہوا۔

یاقوت کے جاتے ہی فصیل کے عقب سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ پھر
فصیل کے دروازے سے دوڑتا ہوا کوئی شخص نکلا اور ذرا رُک رک اس نے اِدھر اُدھر نظر
دوڑائی۔ سامنے رضیہ کے محافہ پر نظر پڑتے ہی وہ لپکا اور قریب آیا۔ وہی تُرک نوجوان تھا۔

۳

رضیہ کی بھی اس پر نظر پڑی مگر وہ باندازِ استغنا محافہ کے اندر بیٹھی رہی۔ تُرک بچہ کافی
فاصلے سے دوڑتا ہوا چلا آ رہا تھا، اس لیے اس کا دم ذرا پھولا ہوا تھا اور دھوپ میں بھاگتے

سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ جس پر سہ پہر کے آفتاب نے کافی پسینا نمایاں کر دیا تھا۔ رضیہ کو دیکھ کر اس کی خوبصورت آنکھوں میں مسرت موجیں مارنے لگی تھی اور چہرے سے کچھ ایسی ہی نشاطی کیفیات عیاں ہو رہی تھیں گویا اس کو اپنی زندگی کا مقصود حاصل ہو گیا ہو۔

"آپ محافہ کے قریب کہاں آ رہے ہیں۔ ادب سے یہیں رُک جایئے۔" کنیزوں نے اس کا راستہ روک کر کہا۔

"یہ اپنے جواہرات کی ڈبیا شہزادی صاحبہ میری دُکان پر چھوڑ آئی تھیں۔ اس کو خدمت بابرکت عالیہ میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔" نوجوان نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"لاؤ ہمیں دے دو۔ ہم حضور میں پہنچا دیں۔" کنیزوں نے کہا۔

"مگر جواہرات کی کمی و بیشی کا ذمے دار کون ہوگا۔ یہ تو مجھ ہی کو سنبھالنے چاہئیں۔" نوجوان نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ رضیہ اس کو دیکھ چکی تھی اور باتیں بھی سن چکی تھی مگر تغافل کی شان سے دوسری طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ جب اس نے نوجوان کو اصرار کناں پایا تو ایک کنیز سے اشارہ سے کہا کہ آ جانے دو۔ اجازت پا کر نوجوان آگے بڑھا اور ادب سے ڈبیا پیش کرتا ہوا بولا:

"یہ اپنے جوہرات کی ڈبیا حضور میری حقیر دُکان پر گرا آئی تھیں۔ حاضر ہے، جواہرات سنبھال لیں۔" نوجوان نے مؤدبانہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

رضیہ نے ڈبیا لے لی اور بغیر کھولے ہوئے رکھ لی۔

"حضور سنبھال تو لیں۔" اس نے پھر کہا۔ یہ حقیقت ہے کہ رضیہ کے تابناک چہرے کی طرف کسی کی نگاہیں نہیں اُٹھ سکتی تھیں مگر نوجوان بالکمال اشتیاق بلکہ دیوانہ وار اس کو دیکھ رہا تھا۔ رضیہ نے جب نظریں اُٹھائیں تو آخر نوجوان کی آنکھیں رُعب حُسن سے جھک گئیں۔

"جب تم یہاں تک ہمارے کھوئے ہوئے جواہرات دینے خود آ سکتے ہو تو ان کو

سنبھالنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمیں تمھاری دیانت پر اعتماد ہے۔"

رضیہ نے کہا۔ اس کی آواز بھی اس قدر مترنم اور رسیلی تھی کہ اس کو سن کر آدمی بے خود ہو جاتا تھا۔

"یہ حضور کی عزت افزائی ہے۔" نوجوان نے سرخوشی میں لکنت سے کہا۔

"کیا نام ہے تمھارا؟" رضیہ نے ایک نظر اس کو دیکھ کر دریافت کیا۔

"غلام کو التونیہ کہتے ہیں۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"التونیہ! کیا تم بھی الباری تُرک قبیلہ سے ہو؟" رضیہ نے قدرے حیرت سے کہا کیونکہ اس کا والد سلطان التمش خود اسی قبیلے سے تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ یہ نوجوان اپنے ہی قبیلے کا آدمی نکلا۔

"جی شہزادی صاحبہ۔" نوجوان نے فخر سے کہا۔

"ہمیں سن کر خوشی ہوئی۔ کبھی ابا حضور کی خدمت میں حاضر ہونا۔ لو۔" شہزادی نے سونے کی تاروں سے بنا ہوا اپنا بٹوا اور جو کچھ اس میں تھا، انعام کے طور پر التونیہ کو دیا مگر اس نے نہایت ادب سے انکار کرتے ہوئے کہا:

"غلام ابھی خود کو کسی انعام کا مستحق نہیں سمجھتا۔ جب حضور کی یا حضرت بادشاہ کی خدمت کا موقع ملے گا، اس وقت ناچیز کو کچھ قبول کرنے کا عذر نہ ہو گا۔" نوجوان نے خودداری سے کہا۔ رضیہ مسکرا کر چپ ہو گئی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

جب نوجوان بعد تسلیمات کے چلا گیا تو ذرا توقف کے بعد رضیہ نے اس راہ کی طرف یونہی دیکھ لیا جس طرف سے وہ گیا تھا۔ یہ اس نوجوان کی انتہائی خوش نصیبی تھی کہ کسی مرد کو رضیہ نے چند کلمات سے نوازا تھا ورنہ وہ کسی سے بات نہ کرتی تھی۔ اس کی وجہ غرور یا تکبر نہیں بلکہ وہ بہت خاموش پسند واقع ہوئی تھی اور کسی غیر مرد سے بات کرنا تو کجا اس کی طرف دیکھنے تک کی عادی نہ تھی مگر التونیہ ایک مختلف قسم کا انسان تھا۔ ایک تو وہ اسی کے قبیلے

کا آدمی نکلا، دوسرے مفلسی میں بھی اس قدر خوددار و دیانت دار تھا کہ کھوئے جواہرات میں سے کسی قیمتی پتھر کو بیتا تو کجا اسے انعام کے طور پر بھی کچھ قبول کرنا گوارا نہیں تھا۔ رضیہ اپنے قبیلہ پر فخر کرنے لگی۔

یاقوت کو واپس آ کر معلوم ہوا کہ وہ نوجوان خود آ کر جواہرات شہزادی کو دے گیا تو اس کو ماننا پڑا کہ مفلس دہلی میں اب بھی ایماندار لوگ بستے ہیں مگر پھر بھی نوجوان اس کے باب میں دل کی کدورت اس کی زبان پر آئے بغیر نہیں رہی۔ چنانچہ بولا:

"یہ اس بزدل چھوکرے کی ایمانداری کا ثبوت نہیں ہے حضور شہزادی بلکہ شرعی سزا پانے کا خوف تھا کہ وہ آپ کے گم شدہ جواہرات آ کر دے گیا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم انسان فہمی کا مادہ ضائع کرتے جا رہے ہو۔ حضور ابا تمھیں داروغہ اصطبل بنانا چاہتے ہیں اس وقت تو شاید تمھارے اندر جانوروں کی سی خو بو پیدا ہو جائے گی۔" اس کے لہجے میں خفگی نہیں تھی مگر لہجہ کی شیرینی کم ہو گئی تھی۔

"دراصل تم نہیں سمجھتے۔" اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "ایک تم ہی نہیں بہت سے لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ کسی اچھے کام کرنے والے کو اس کے کارہائے نمایاں کی داد نہ دینا کتنی بری بات ہے۔ ہزاروں ذہین اور ہوشیار منشی و اہلِ فکر داد نہ پا کر اپنی فطری صلاحیت کھو دیتے ہیں۔ بہت سے سفید پوش صرف اس لیے نکمے ہو جاتے ہیں کہ ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ قابل آدمی اور محنتی انسانوں کی ضرور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تا کہ ان کے دل بڑھے رہیں۔"

رضیہ یاقوت کی کوئی رو رعایت نہیں کرتی تھی بلکہ اس کو اپنے وفادار غلام سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتی تھی۔ یہ اس عفیف و پاک دامن شہزادی اور بعد کو ملکہ پر صریح بہتان ہے کہ اپنے حبشی غلام یاقوت پر بے حد مہربان تھی۔ یاقوت چونکہ کتے سے زیادہ وفادار اور اپنے آقا کے پسینے کی جگہ خون چھڑکنے والا غلام تھا چنانچہ رضیہ اس کی اس وفاداری کی قدر کرتی

تھی۔ چنانچہ منجملہ کنیزوں اور دوسرے وفاپرست غلاموں کے یاقوت بھی داد کا مستحق تھا۔

محل میں آ کر رضیہ نے غسل کیا اور بے خیالی میں وہی مونگے کی مالا جو فرطِ شوق سے نوجوان التونیہ نے اس کی حسین گردن میں ڈال دی تھی، پہنے ہوئے غسل خانہ کے اندر چلی گئی تھی مگر کپڑے اتارتے وقت اس پر نظر پڑی تو اُتار کر ایک طرف ڈال دی۔ "التونیہ کا تحفہ میری خلوت تک میں میرے ساتھ چلا آیا۔" اس نے دل میں کہا اور اس کے دلکش لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پھر کنیز کو بلا کر مالا اس کو دے دی کہ غسل خانے کے باہر اس کو لے جائے۔ اس کے حجاب کا یہ عالم تھا۔

مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر رضیہ اپنے خریدے ہوئے جواہرات کو پرکھ رہی تھی کہ اس کا بڑا بھائی رکن الدین داخل ہوا اور رضیہ کی ہتھیلی پر قیمتی پتھر للچائی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا:

"کیا خرید لائیں رضیہ۔ اوہو جواہرات!" رکن الدین نہایت کاہل اور انتہا درجہ عیش پسند تھا اور انتہائی نالائق۔ دن بھر یا تو کنیزوں سے مشغلہ رکھتا تھا یا سیر و شکار سے۔

"جی ہاں۔ آپ کو پسند ہے ان میں سے کوئی پتھر؟" رضیہ نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"ہمیں تو سب پسند ہیں۔" رکن الدین نے حریصانہ کہا۔

"ایک دو لے لیجیے، میں سب تو آپ کو نہیں دوں گی۔" رضیہ نے کہا۔

"اچھا تو یہ نیلم دے دو اور دوسرا یہ پارۂ زمرد۔" رکن الدین نے دو سب سے قیمتی پتھر چنتے ہوئے کہا۔

"نیلم لے لیجیے مگر زمرد نہیں دوں گی۔ یہ مجھے بہت پسند ہے۔"

"اچھا تو وہ ہیرا دے دو۔" رکن الدین نے زمرد کی جگہ ہیرا اٹھا کر کہا۔

"مگر آپ کو کچھ دینے سے کیا فائدہ۔ کسی کو دے دیں گے یہ پتھر آپ۔" رضیہ نے کہا۔ اس کا اشارہ رکن الدین کی محبوب کنیزوں کی طرف تھا۔

"مگر تم بھی تو یہ سب یاقوت کو دے دو گی۔" رکن الدین نے بے حیائی سے کہا۔ رضیہ آگ بگولا ہی تو ہو گئی۔ طیش سے بولی:

"اچھا آج ہی ابا حضور سے آپ کی شکایت نہیں کی تو میرا نام رضیہ نہیں۔" رکن الدین ہنستا ہوا چلا گیا۔

۴

اپنے جاہل بڑے بھائی کے دل آزارانہ و توہین آمیز کلمات سے رضیہ بہت دیر تک متفکر رہی۔ اس کے کیا معنی کہ میں اچھوں کے ساتھ اچھا سلوک، نیکوں کے ساتھ نیکی اور وفاداروں کی قدر ہی نہ کروں۔ پھر بھائی صاحب میری کنیزوں حتیٰ کہ میری معتمد عادلہ تک سے جلتے ہیں۔ عادلہ سے تو وہ صرف اس لیے جلتے ہیں کہ وہ عفیف لڑکی ان کی ناپاک نظروں کو ہمیشہ ٹھکراتی رہتی ہے۔ اس کی شکایت کروں گی ابا جان سے۔

رضیہ بہت دیر تک دل میں کھولتی رہی۔ حالانکہ وہ حساس و زود رنج مطلق نہیں تھی مگر جب وہ کلمات سنتی کہ اُس نے فلاں امیر کو اپنے باپ سے کہہ کر جاگیر دلوائی، فلاں شریف رئیس کی قدردانی کی، فلاں غلام کو داد و دہش کی تو اس کو حیرت ہوتی تھی کہ لوگوں کے ذہن ان چیزوں کو دیکھ کر اچھائی کی طرف کیوں نہیں رجوع ہوتے، وہ ہمیشہ گندے خیالات اور بدگمانی ہی سے کیوں کام لیتے ہیں۔

آخر تھوڑی دیر بعد رضیہ اپنی اصلی موڈ میں آ گئی اور تفسیر قرآن کا مطالعہ کرنے لگی۔ ڈرتے ڈرتے کنیزیں آتی تھیں اور مداخلت کے خوف سے چپ چاپ چلی جاتی تھیں۔

مئی کا مہینا تھا۔ دلی کی گرمی پورے شباب پر تھی مگر اس زمانے میں دریائے جمنا دلی سے بہت قریب بہتا تھا۔ اس لیے رات کو بھی آج کل کی طرح گرم ہوا نہیں چلا کرتی تھی بلکہ اس وقت ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے اور فرحت ناک جھونکے دریچوں میں سے چلے آ

رہے تھے۔ رضیہ ایک خوبصورت چوکی پر بیٹھی تھی، جس پر پچی کاری کا کام تھا اور جس کے پائے صندل کے تھے۔ پورے کمرے میں دبیز ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے اور چونکہ اس زمانہ میں دیبا بُننا شروع نہیں ہوا تھا اس لیے چین کے رنگین ریشم کے بھاری پردے اِدھر اُدھر ہوا سے شوخیاں کر رہے تھے اور جب بھی ہوا کے شوخ چشم جھونکے شہزادی کے ریشمی و معطر گیسوؤں کو اس کے رُخِ روشن پر بکھیرتے گزرتے تھے تو دُور دُور تک موئے مشکین سے فضا میں مہک پیدا ہو جاتی تھی۔

محل سرا کے باہر دہلی کی چاندنی سے محروم رات پھیلی ہوئی تھی اور جب فضائے آسمانی میں مغرب کی طرف اَبر کے بڑے بڑے ٹکڑے مل کر آسمان پر چادر سی تان دیتے تھے تو رات اور بھی سیاہ ہو جاتی تھی۔ اس وقت ہوا بھی کچھ وقفہ کے لیے بند ہو جاتی تھی جس سے شہزادی کے گلابی رخساروں اور کافوری پیشانی پر معطر پسینے کی نمی پیدا ہو جاتی تھی جس کو وہ آہستہ آہستہ رومال ہلا کر فرو کرنے لگتی۔ وہ تنہائی پسند واقع ہوئی تھی اور ہر دم کنیزوں کے جھرمٹ میں گھرا رہنا پسند نہیں کرتی، اس لیے اس وقت بھی کوئی کنیز اس کے سر پر مورچھل ہلاتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

ہوا بند ہو جانے سے بارش کی خبر دینے والے پروانے جو اندھیری رات میں نامعلوم کہاں کہاں بھٹکتے پھر رہے تھے، شہزادی کے کمرے کی روشنی کو دیکھ کر کمرے میں کھنچے آئے مگر یہاں انھوں نے شمع سے زیادہ روشن شمع رخساروں کو پایا تو کمتر روشنی کو چھوڑ کر زیادہ تابناک جوت کا طواف کرنے لگے۔ اب شہزادی ان کی یورش و گستاخی سے گھبرا گئی اور دوپٹے کے پلّو کے ذریعہ ان سے نجات پانے کی کوشش کرنے لگی۔ عین اس حالت میں عادلہ کمرے میں داخل ہوئی۔

عادلہ شہزادی سے تین چار سال عمر میں کم ایک آہو چشم حسینہ تھی۔ اس کا والد قطب الدین کے زمانے میں ایک بڑا امیر تھا مگر وہ چھوٹی سی بچی تھی کہ ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

چنانچہ التمش نے اس کو بیٹی کی طرح پالا اور اس سے اتنی ہی محبت کرنے لگا جتنی رضیہ سے کرتا تھا۔ رضیہ بھی عادلہ کو چاہتی تھی لیکن عادلہ کو تو رضیہ سے عشق تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ ہر دم رضیہ سے لپٹی رہے مگر اس کی تنہائی پسندی کا عادلہ کو لحاظ کرنا پڑتا تھا۔

پھر بھی رضیہ و عادلہ بہت سا وقت ساتھ گزارتی تھی اور رضیہ اگر دل کھول کر کبھی کسی سے بات چیت کرتی تھی تو وہ عادلہ تھی۔ یوں بارہا ایسا بھی ہوتا کہ رضیہ گھنٹوں کسی سے کوئی بات نہیں کرتی۔ اس کی کم سخنی کا ہر شخص پاس کرتا تھا لیکن عادلہ اس عالم میں بھی اسے آ چھیڑتی اور چھوٹی بہن کی طرح لاڈلی سی بن جاتی۔ بعض اوقات رضیہ اس کو بھی ڈانٹ کر بھگا دیتی اور کبھی خود اس کو پکڑ کر اپنے کمرہ میں لے آتی۔

عادلہ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوگی۔ بھبوکا رنگ اور چڑھتی جوانی۔ اس کا بدن بڑا گداز اور گٹھی ہوئی کاٹھی تھی۔ رضیہ کا قد لانبا تھا۔ سرو کی مانند، لیکن نہایت ہی متناسب الاعضا۔ عادلہ کا قد بوٹا سا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ قیامتیں تو پنہاں نہ تھیں جو رضیہ کی چشم سحر پرست میں آسودہ تھیں۔ پھر بھی وہ اپنی جگہ بے حد فتنہ ساماں تھی۔

عادلہ زندہ دل اور ہنس مکھ تھی۔ رضیہ سنجیدہ اور وقیع۔ اس کے چہرے سے شاہزادگی بلکہ شانِ حاکمیت ٹپکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ دلیر اور وجیہ نوجوان شرفا رضیہ کی طرف دیکھنے کی تاب نہ لاتے تھے۔ اس سے دل ہارنا تو کجا، وہ تو ایک جوان التونیہ ہی ایسا شوریدہ سر نکلا کہ جس نے نہ صرف قریب سے رضیہ کو دیکھنے کی مسرت پائی تھی بلکہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ شرفِ ہمکلامی بھی حاصل کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی رضیہ کی شاہانہ تمکنت و تجمر کے پردے پر اپنی شخصیت کے چند ارت بھی چھوڑ گیا تھا۔

شہنشاہ شمس الدین التمش نے عادلہ کی بھی تعلیم و تربیت شہزادیوں کی طرح کی تھی اور جس ماہرِ فنونِ حرب سے رضیہ نے تعلیم پائی تھی، اسی سے عادلہ نے بھی تربیت حاصل کی تھی۔ چنانچہ وہ بھی رضیہ کی طرح شمشیر زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی میں طاق تھی اور اسی کی مانند

نڈر اور جری بھی۔

خوش دل عادلہ اس وقت بھی حسب عادت مسکرتی ہوئی داخل ہوئی اور شہزادی پر پروانوں کی یورش دیکھ کر محبت سے اس پر رومال ہلانے لگی پھر کتاب اس کے ہاتھ سے چھینتی ہوئی بولی:

"اندیشہ ہے کہ اگر یہ درخشاں چہرہ اسی طرح یہاں دمکتا رہا تو دُنیا کے تمام پروانے جل کر خاک ہو جائیں گے۔"

"اوں ہوں۔ صحیفۂ آسمانی ہے۔ بے ادبی نہ کرو اس کی۔" رضیہ نے عادلہ کے ہاتھ سے تفسیر قرآن واپس لیتے ہوئے کہا۔ پھر اس کو بوسہ دے کر کہا:

"اچھا۔ اب اُٹھیے۔ ابا حضور کئی کنیزیں آپ کو بلانے کے لیے بھیج چکے ہیں مگر ان بے چاریوں کی ہمت نہیں ہوئی، حضور میں آنے کی۔" عادلہ نے مسکرا کر کہا۔

"اس لیے اب تم بے چاری خود آئی ہو۔" رضیہ نے تبسم سے کہا۔

"اس کی داد تو میری رسائی کو دیجیے۔" عادلہ نے کہا۔

"جس کو میں چشم زدن میں درہم برہم کر سکتی ہوں۔" شہزادی نے اسی طرح تبسم کناں کہا۔

"جی نہیں۔ میری پشت بہت مضبوط ہے۔ ابا حضور سے شکایت کر دوں گی۔" عادلہ نے مسکرا کر کہا۔

"کیا شکایت کرو گی؟"

"یہ کہ شہزادی باجی اب مجھ سے بھی اکڑنے لگی ہیں۔"

"میں اور کس سے اکڑتی ہوں؟"

"کس سے اکڑتی ہوں یا نہیں اکڑتی ہوں، لیکن مجھ سے آپ کی اکڑ نہیں چلے گی۔"

"اچھا تو ابا حضور نے اب تمھیں اتنا سر چڑھا دیا ہے۔" رضیہ نے اسے جھڑکنے کی

غرض سے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔"

"اچھا عادلہ تمہیں جواہرات سے کچھ دلچسپی ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔ آپ نے کیوں دریافت کیا؟"

"ویسے ہی۔ بات یہ ہے کہ آج میں بازار سے چند پتھر خرید کر لائی تھی مگر اب وہ میرے دل سے اتر گئے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"کیوں؟" عادلہ نے دریافت کیا۔

"پھر بتاؤں گی۔ چلو اب چل کر کھانا کھائیں۔" رضیہ نے کہا اور دونوں روانہ ہو گئیں۔

٥

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ التمش کے دربار، محل اور اس خاندان میں وہ شان و شوکت نظر نہیں آتی تھی جیسی کہ چند صدیوں بعد شاہانِ مغلیہ کے ہاں پائی جاتی تھی۔ یہاں نہ وہ شاہانہ کروفر تھا جو مغلوں کے دربار میں پایا جاتا تھا نہ وہ عجمی شکوہ بلکہ التمش اور اس کے خاندان میں خدا پرستی اور مذہبی سادگی کی شوکت جلوہ گر تھی۔

اس وقت بھی التمش کھانے پر ایک اونچی سی چوکی کے آگے بیٹھا ہوا تھا، جس پر سادہ دسترخوان تھا اور اتنا ہی سادہ کھانا۔ یہاں نہ تو مَنچے بات بات پر دوڑے پھر رہے تھے نہ رومال و چلمچی پاک لیے دسترخوان کے قریب کنیزیں استادہ نظر آ رہی تھیں۔ صرف ایک حبشی غلام تمام دسترخوان کا انچارج تھا۔ وہی پانی پلاتا تھا، وہی ہاتھ دھلاتا تھا اور وہی دوسری ضروریات کا خبر گیر تھا۔

دسترخوان پر التمش اور اس کے تین لڑکے تھے۔ (ناصر الدین محمود یہاں نظر نہیں آ رہا

تھا۔ وہ سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ یہ وہی متقی و نیک دل بادشاہ تھا جو خطاطی وغیرہ فروخت کر کے گزارہ کرتا تھا اور شاہی خزانہ سے ایک پیسہ خرچ نہ کرتا تھا بلکہ اس کو پبلک کی امانت سمجھتا تھا۔ اس مذہبی و متقی بادشاہ کی اتنی ہی نیک وتقویٰ پرست بیگم کا ایک روز روٹی پکانے سے ہاتھ جل گیا تھا تو اس غریب نے ڈرتے ڈرتے اپنے فرماں روا شوہر سے فرمائش کی تھی کہ اگر روٹی پکانے کے لیے کسی ماما کو رکھ لیا جائے تو اچھا ہو مگر اس کو بھی یہی جواب ملا تھا کہ خزانے پر میرا حق نہیں اور خطاطی سے اتنی آمدنی نہیں کہ ماما رکھی جا سکے۔ اس کے بعد فرض شناس و صابر بیوی نے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی۔) تینوں لڑکوں کے علاوہ رضیہ و عادلہ بھی موجود تھیں۔ بیگم رحلت کر چکی تھیں، ورایک دو بھانجے بھتیجے تھے اور بس۔

''بڑی دیر لگا دی تم نے رضیہ بیٹی، کھانا ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ آؤ یہاں میرے قریب بیٹھو۔'' بادشاہ نے اپنی پیاری بیٹی سے کہا۔ رضیہ ادب سے باپ کے پاس آ بیٹھی، جس سے رکن الدین جل گیا اور بولا:

''ابا جان وہ جگہ میری ہے۔''

''میری زندگی میں تم لوگ اپنی اپنی جگہ کی تخصیص نہ کرو۔ اس کے علاوہ اپنا مقام پیدا کرنے کے لیے آدمی کو اپنی صلاحیت ثابت کرنا پڑتی ہے۔'' باپ نے نصیحت کے طور پر کہا۔

''ابا حضور آخر رضیہ نے اب تک کس اہلیت کا ثبوت دیا ہے۔'' رکن الدین نے شکایتاً کہا۔

''کہنا شروع کرو۔ رزق کے سامنے کسی کا گلہ شکوہ کرنا اچھی بات نہیں۔ ارے محمود نہیں آیا۔ کیا اس کو بلانے کوئی نہیں گیا؟'' التمش نے اپنے چھوٹے بیٹے کو دستر خوان پر نہ پا کر کہا۔

''انھیں اپنی ریاضت، عبادت سے فرصت کہاں کہ کھانے پر آتے۔'' منجھلے بھائی

نے کہا۔

"مطلب یہ ہوا کہ وہ کھانے پر عبادت کو ترجیح کیوں دیتا ہے۔" التمش نے کہا۔ اس کے لہجے میں سرزنش تھی۔

"میں بلا لاؤں انھیں ابا جان؟" رضیہ نے کہا۔

"نہیں۔ وہ کسی کے کہنے پر بڑی نعمت کو چھوٹی نعمت پر قربان نہیں کرے گا۔" التمش نے کہا۔ اس کے بعد بادشاہ نے پہلا لقمہ لیا۔ پھر سب نے اس کی تقلید کی۔

"آج عادلہ کیوں خاموش ہیں۔" بادشاہ نے مسکراتے ہوئے اپنی منہ بولی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابا جان کیا یہ صحیح ہے کہ یہ آپ کی بہت چہیتی ہوگئی ہیں۔ آج یہ مجھ پر اپنا تفوق جتا رہی تھیں، کہہ رہی تھیں کہ میری پشت بہت مضبوط ہے کیونکہ ان کی پشت پناہی پر حضور ہیں۔" رضیہ نے عادلہ کو چھیڑنے کے لیے اُس کے کہے ہوئے کلمات دُہراتے ہوئے کہا۔

"اس کا دعویٰ صحیح ہے۔" بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔ عادلہ نے فتح مندانہ نظروں سے رضیہ کو دیکھا اور دونوں مسکرا دیں۔

رکن الدین کو عادلہ سے دعویٰ عشق تھا مگر اپنے بارعب و پُرجلال باپ کے سامنے اس کی مجال نہ تھی کہ عادلہ کی جانب نظر اُٹھا کر دیکھ لیتا۔

"رکن الدین! تم کل ناصر الدین قباچہ کو جواب لکھ دینا کہ ہمیں ان کے لڑکے کے لیے اپنی عادلہ کا رشتہ منظور نہیں۔" بادشاہ نے رکن الدین سے کہا۔

"بہت اچھا ابا جان۔" رکن الدین نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"پھر حضور کہاں رشتہ کر رہے ہیں عادلہ کا؟" رضیہ نے اپنے باپ سے پوچھا۔ اس سوال کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا مگر رضیہ کے ٹھاٹ ہی دوسرے تھے۔ اپنی شادی کا قصہ چھڑنے سے عادلہ شرم کے مارے دُہری ہوگئی اور آنچل میں منہ چھپاتے ہوئے مؤدبانہ

دسترخوان کے سامنے سے ایک طرف ہٹ گئی۔

''عادلہ بیٹی.... رزق پر سے بھوکا نہیں اُٹھتے ہیں۔ یہ کفرانِ نعمت ہے، کھانا کھاؤ۔ اچھا اب کوئی عادلہ کی شادی کا قصہ نہ چھیڑے۔'' بادشاہ نے کہا۔

''حضور ہی نے تو چھیڑا تھا یہ قصہ۔ ہمیں تو خبر بھی نہیں تھی.'' لاڈلی رضیہ نے اپنے باپ سے کہا۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں عادلہ کو پھر دسترخوان پر آنا پڑا مگر فرطِ حیا سے اس سے کچھ کھایا نہ گیا۔

التمش جہاں اس قدر بارعب، سخت اور مدبر بادشاہ تھا، وہاں اس کی طبیعت میں لطافت و خوش مزاجی بھی تھی مگر یہ کیفیت اس پر کم ہی طاری ہوتی تھی۔ اس وقت عادلہ کے شرمانے لجانے سے اس پر خوش طبعی طاری ہو گئی چنانچہ مسکراتا ہوا بولا:

''دیکھو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی دونوں بیٹیوں کی خوشی کب دکھاتا ہے۔'' ان کلمات سے اب رضیہ بھی شرمانے لگیں۔ کس میں تاب تھی کہ بادشاہ کی خوش طبعی کا ساتھ دیتا۔ سب خاموش بیٹھے رہے۔

''رکن الدین! یہاں سے راجپوتانہ کی سرحد کتنی دُور ہو گی؟'' آخر التمش نے امورِ ریاست کی طرف آتے ہوئے رکن الدین سے دریافت کیا۔ اس سوال سے اس کو اپنے بیٹے کا امتحان لینا مقصود نہ تھا مگر پھر بھی وہ جاننا چاہتا تھا کہ رکن الدین سیاست میں دلچسپی لیتا ہے یا نہیں مگر وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا تو بولا:

''کل وزیرِ سلطنت سے دریافت کر کے عرض کروں گا جہاں پناہ۔''

''کیا وزیر سے ہم دریافت نہیں کر سکتے تھے؟''

''میں عرض کروں ابا حضور؟'' رضیہ نے مؤدبانہ پوچھا۔

''بتاؤ۔'' بادشاہ نے کہا۔

''دہلی سے تقریباً تین سو فرسنگ کے بعد راجپوتانہ کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں مگر

وہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں کیونکہ راجپوتانہ کے راجے اکثر ایک دوسرے پر تاخت کر کے ایک دوسرے کے علاقے چھینتے رہتے ہیں۔" رضیہ نے صحیح اطلاعات بیان کرتے ہوئے کہا۔

"ہم بہت خوش ہوئے رضیہ کہ تم ملکی حالات سے بھی اتنی باخبر ہو۔" التمش نے اپنی دانشور بیٹی کو داد دیتے ہوئے کہا۔ رکن الدین جز بز ہو کر رہ گیا اور اس کے دونوں منجھلے بیٹے بھی خجل ہو گئے۔

"کیا راجپوتانہ سے کوئی خاص خبر آئی ہے قبلہ حضور؟" آخر منجھلے بیٹے نے خفت مٹانے کے طور پر کہا۔

"جب تم وہاں کے حالات ہی سے ناواقف ہو تو کیوں دریافت کرتے ہو، میری دلی تمنا ہے کہ تم لوگ ریاست کے معاملات میں دلچسپی لو اور امور سلطنت میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔" بادشاہ نے کہا۔ تینوں بیٹے ادب سے چپ ہو گئے۔

"خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ ہم آپ کی خدمت میں اپنی جانوں تک سے دریغ نہ کریں گے۔" آخر عادل نے کہا۔

"مجھے تم سب سے یہی توقع ہے۔ تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ہر طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ خیر راجپوتانہ تو دور ہے لیکن ہمارے قرب و جوار کے امرا تک آمادۂ بغاوت نظر آتے ہیں۔" التمش نے کہا اور وہ اپنے خیالات میں کھو گیا۔

کھانے سے سب فارغ ہو چکے تھے اس لیے اور لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ صرف بادشاہ، رضیہ، رکن الدین اور عادل رہ گئے۔

۲

کھانا کھانے کے بعد التمش کسی گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ اس وقت اس کو آس پاس اور دور دراز کے امرا کا خیال آ رہا تھا جو نہ صرف آمادۂ بغاوت تھے بلکہ شورش برپا کرنے کی

فکر میں بھی لگے ہوئے تھے۔ اسی طرح التمش کو راجپوتانہ کی تسخیر کی فکر بھی دامن گیر تھی کیونکہ جب تک راجپوتانہ کا سقوط نہ ہوگا اس کو دہلی کے تخت پر چین سے حکومت کرنا نصیب نہ ہو گا۔ اس کو خاموش پا کر سب لوگ احتراماً چپ تھے۔ چاہتے تھے کہ وہی کسی موضوع کی ابتدا کرے، تو وہ بھی لب کشائی کی جرأت کریں۔ آخر کافی دیر بعد رضیہ ہی نے خاموشی کو توڑنے کی ہمت کی۔

''ابا حضور آپ کو کیا فکر دامن گیر ہے؟ مجھے بھی تو بتایئے میں آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔'' اس کی شیریں آواز سے التمش چونکا پھر سنجیدہ تبسم سے بولا۔

''کوئی خاص فکر نہیں۔ یوں ہزاروں پریشانیاں لاحق ہیں۔''

''اگر اجازت ہو تو میں اطلاعاً کچھ عرض کروں۔'' رضیہ نے کہا۔ التمش نے اجازت دے دی۔

''مجھے صحیح خبر ملی ہے کہ تاج الدین ایلدوز حاکم پنجاب و غزنی حضور کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور آمادۂ فساد ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

''اچھا!'' التمش کے منہ سے نکلا۔ اس کے لہجہ میں کسی قدر حیرت تھی۔

''حالانکہ مجھے اس سے رفاقت کی توقع تھی کیونکہ وہ میرے خسر کا خسر ہے۔'' التمش نے کہا۔

''مگر ابا جان یہ سیاست ہے، حکومت کی خاطر اولاد باپ سے منحرف ہو جاتی ہے۔'' رضیہ نے کہا اور ترچھی نظر سے اپنے بھائی رکن الدین کی طرف دیکھا۔ رضیہ کی یہ خاص ادا تھی جس سے وہ ذرا خفا ہوتی تھی۔ اس کی جانب بھی ترچھی نظروں سے دیکھنے لگتی تھی، مگر یہ بھی اتنا حسین عالم ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ اس کی ترچھی نظروں کے تیر سے گھائل ہو جاتے تھے۔ رکن الدین میں جرأتِ انحراف تو نہ تھی مگر حکومت کی آرزو دل میں بے حد رکھتا تھا۔

"ٹھیک کہتی ہو سلطانہ۔ اچھا، کیا تمھاری اس اطلاع کو مصدقہ سمجھا جائے۔ افواہیں میرے کانوں تک بھی پہنچیں تھیں کہ تاج الدین ایلدوز کے تیور اور ڈھنگ ٹھیک نہیں ہیں، اسی وجہ سے میں اس سے غافل نہیں ہوں مگر میرا خیال تھا کہ وہ ابھی سر اٹھانے کے قابل نہیں۔" التتمش نے کہا۔

"وہ نہ صرف بغاوت کے لیے مکمل تیار ہو چکا ہے بلکہ اس نے ہمارے علاقے کے چند گاؤں پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"اگر بیٹی یہ تمھاری اطلاعات درست ہیں تو ہم تمھاری خبر رسانی کی داد دیتے ہیں اور امور سلطنت سے تمھارا اس قدر باخبر رہنا مبارک باد کے لائق ہے۔ رکن الدین کیا تمھیں اب بھی اعتراف نہیں کہ کہ تمھاری چھوٹی بہن تم سے کہیں زیادہ سلطنت کے کاموں میں حصہ لیتی ہے۔ اس تقابل سے میں تمھارے حوصلے نہیں بجھانا چاہتا بلکہ میری خواہش ہے کہ جو کام تمھاری بہن کرتی ہے تم بھی ان کو انجام کو پہنچا کر ہوشیاری کا ثبوت دو۔" التتمش نے اپنے بڑے بیٹے سے کہا۔ رکن الدین خاموش ہو گیا پھر ذرا توقف کے بعد بولا:

"مگر ابا جان اس خبر کی تصدیق ہونی چاہیے۔ ممکن ہے رضیہ کو غلط اطلاع ملی ہو۔"

"اوّل تو جتنی اطلاعات مجھے رضیہ کے ذریعے ملی ہیں ان میں سے ایک بھی آج تک غلط نہیں نکلی۔ دوم اگر تصدیق میں وقت ضائع کر کے دشمن کو مزید کارروائی کا موقع ہی دینا چاہتے ہو تو تم خفیہ طور پر ایک دستہ لے کر چھان بین کر آؤ۔" التتمش نے کہا۔ رکن الدین چپ ہو گیا۔ وہ نہ تو مرد میدان تھا نہ اس نے سپاہی منش باپ کے سپاہیانہ جوہر پائے تھے۔ اس کو خاموش پا کر التتمش کو رنج ہوا، مگر برا بھلا کہنا بے سود تھا اس لیے وہ بھی چپ ہو گیا لیکن اپنے باپ کو دل گیر دیکھ کر رضیہ نے فوراً خود کو اس مہم کے لیے والنٹیئر کے طور پر پیش کیا اور بولی:

"اگر آپ حکم دیں تو میں چلی جاؤں قبلہ عالم؟"

"نہیں میں تمھیں باقاعدہ فوج کے ساتھ ایلدوز کی مکمل سرکوبی کے لیے بھیجوں گا۔ ابھی تو میں پوشیدہ طور پر ایک دستہ کے ساتھ کسی کو بھیجنا چاہتا ہوں تا کہ معلوم ہو کہ ایلدوز کس طرف کا رُخ پہلے کرنا چاہتا ہے۔" بادشاہ نے کہا۔

"تو اس خدمت کے لیے بصد اشتیاق میں خود کو پیش کرتی ہوں بادشاہ ابا۔" عادلہ نے ادب سے عرض کیا۔ اس کی آمادگی سے التمش خوش ہوا اور بولا:

"ہمیں تمھاری سپاہیانہ جرأت سے بڑی خوشی ہوئی عادلہ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ تم اس مہم کے لیے موزوں نہیں مگر چونکہ تمھارے سامنے کوئی بنا بنایا نظامِ عمل نہیں اس لیے ہمیں اندیشہ ہے کہ اس مہم کو سر کرنے میں تم کو دشواری پیش آئے گی۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں۔ رہا نظامِ عمل تو وہ میں نے ابھی بنا لیا ہے، اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔" عادلہ نے کہا۔ التمش نے سر کی ہلکی جنبش سے اجازت دے دی چنانچہ عادلہ نے اپنا جنگی پلان پیش کرتے ہوئے عرض کیا:

"میں اپنے دستے کو دن کے بجائے راتوں کو سفر کروں گی پھر اپنے چند آدمیوں کو دیہاتیوں کے بھیس بدلوا کر پنجاب کی سرحد کو عبور کروں گی۔ اگر وہاں دشمن کی فوج کثیر فوج پائی تو لڑنے کے بجائے چپکے سے وہاں کے حالات کی تفتیش پر اکتفا کروں گی اور اگر میں نے دشمنوں کی کم جمعیت دیکھی تو اُن پر شب خون مار کر سب کا خاتمہ کر دوں گی اور پھر بھاگم بھاگ یہاں آجاؤں گی۔"

التمش عادلہ کے پروگرام کو سن کر بہت خوش ہوا اور اس کی خوب داد دی۔ پھر بولا:

"تمھارے پروگرام میں ہم کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں کرتے صرف اتنا کام کرنا کہ ایک کے بجائے دو دستے لیتی جانا۔ دوسرے دستے کو سرحد کے ذرا قریب پیچھے چھوڑ دینا تا کہ اگر ہنگامی حالات پیدا ہو جائیں تو وہ تمھارے لیے کمک کا کام کریں۔"

"بہت مبارک۔" عادلہ نے آداب بجا لاتے ہوئے کہا۔

''اگر ہماری سلطنت کے افراد خواہ وہ مرد ہوں یا عورت ایسے ہی مستعد کار رہے تو ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ ہم مسلمانوں کی با قاعدہ مضبوط حکومت کر دیں گے۔'' التمش نے کہا۔

''عادلہ کو اپنے دستے لے کر کب تک روانہ ہو جانا چاہیے اور مجھے ایلدوز پر لشکر کشی کرنے کی کب اجازت ملے گی؟'' رضیہ نے دریافت کیا۔

''ظاہر ہے کہ عادلہ کی واپسی کے بعد ہی تم اپنی فوج کو حرکت میں لاسکو گی۔ رہیں عادلہ تو انھیں جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہیے۔'' التمش نے کہا۔

''میں کل یا پرسوں ہی روانہ ہو جاؤں گی مگر حضور میری نقل و حرکت کسی کے علم میں نہیں آنی چاہیے بلکہ اس کو انتہائی راز میں رکھا جائے۔'' عادلہ نے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا۔ رکن الدین! خبردار تم اپنے کسی قریبی مصاحب تک سے ذکر نہ کرنا۔ یاد رکھو اگر تمھارے ذریعہ کسی کو معلوم ہو گیا تو وہی سزا دی جائے گی جو ایک غدار وطن کو دی جاتی ہے۔'' التمش نے رکن الدین کی فہمائش کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں قبلہ حضور میں کسی سے نہیں کہوں گا البتہ اب تو میں عادلہ کے ساتھ اس مہم پر جانے کو تیار ہوں۔'' رکن الدین نے کہا۔

''اچھا خوب۔'' التمش نے کہا۔ شاید وہ اس کو اجازت دینے ہی والا تھا کہ رضیہ نے اشارۂ ابرو سے اپنے والد کو روک دیا۔ ممکن ہے اب زیرک التمش بھی سمجھ گیا ہو کہ رکن الدین کی یہ ایکا ایکی آمادگی صرف حسن کی معیت کی خاطر ہے ورنہ کہاں مہم اور کہاں رکن الدین۔

''نہیں تمھیں دوسری خدمت سپرد کریں گے۔'' آخر التمش نے اپنا فیصلہ سنا کر رکن الدین کی حسرتوں کا خون کر دیا۔

''عادلہ ہم تمھیں کوئی خاص ہدایت دینا نہیں چاہتے اور اس کا بھی افسوس ہے کہ تمھارے سپاہیانہ جوہر ابھی ہمارے علم میں نہیں آئے ہیں۔ اس لیے اگر جنگ ناگزیر ہو

جائے تو مدافعانہ لڑنا کیونکہ تم اپنی سرحد سے کافی دُور ہوگی۔ نشۂ شجاعت میں بے باکانہ دشمن کی حدود میں بڑھتی نہ چلی جانا۔" التمش نے عادلہ سے کہا۔

"حضور کوان شاءاللہ میرے محتاطانہ اقدامات سے مایوسی نہ ہوگی۔" عادلہ نے کہا۔

"اگر عادلہ اس مہم میں کامیاب ہو کر لوٹیں تو یہ تو اور بھی آپ کے سر چڑھ جائیں گی ابا جان۔" رضیہ نے مسکرا کر اپنے باپ سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں تمھارے لیے اس سے بھی بڑی مہم تیار ہے۔" التمش نے مسکرا کر جواب دیا۔

۷

عادلہ تو دوسرے ہی روز روانہ ہونا چاہتی تھی مگر التمش نے مصلحتاً اس کی روانگی کو طول دیا۔ وہ دراصل اپنی سرحد پر سے بھی کسی اطلاع کا منتظر تھا لیکن چونکہ ابھی التمش کی سلطنت میں پورا نظم و نسق قائم نہیں ہوا تھا اس لیے دُور افتادہ علاقوں کی خیر و خبر عرصہ تک معلوم نہیں ہوتی تھی، پھر سڑکیں تو کجا کچے اور ہموار راستوں تک کا وجود نہ تھا۔ چو طرف لق و دق جنگل کھڑے تھے۔ جنگل دشوار گزار جھاڑیوں اور درختوں کے گھنے جھنڈ میں سے کوئی نہیں گزر سکتا تھا۔

میلوں تک گھنے جنگل کھڑے تھے ان کے اندر چھپنے سے چور اور راہزن تک ڈرتے تھے۔ وہاں جنگلی جانور اور درندے اس قدر کثرت سے تھے کہ وہاں انہی کی حکومت تھی۔ ہندوستان میں دراصل باقاعدہ سڑکوں کا کسی بادشاہ کو خیال ہی نہیں آیا۔ حالانکہ غلاموں، خلجیوں، پٹھانوں اور مغلوں کی ہندوستان میں کافی مضبوط و دیرپا سلطنتیں رہیں مگر اس طرف کسی بادشاہ نے اچھی طرح توجہ نہیں کی۔ اس باب میں تنہا داد کا مستحق شیر شاہ سوری ہے کہ جس نے کلکتہ سے پشاور تک ایسی شاہراہ عظیم بنا ڈالی کہ جو آج تک ہندو پاکستان کی سب

سے طویل اور اچھی سڑک ہے۔ اس کے علاوہ شیر شاہ سوری نے اور بھی کئی موقع کی اور عمدہ عمدہ سڑکیں بنوائیں۔

جب التمش کو ایک ہفتہ تک ایلدوز کے مزید دھاوے کی کوئی اطلاعات نہیں پہنچیں تو عادلہ کو بادل نخواستہ روانہ کردینے کا ارادہ کر لیا۔ اس کی جھجک کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس مہم پر کسی آزمودہ کار افسر کو روانہ کرنے کی ضرورت تھی۔ عادلہ نہ صرف ایک نوعمر لڑکی تھی بلکہ اس نے اب تک سوائے معمولی ہنگاموں کے کسی سنجیدہ مہم میں حصہ نہیں لیا تھا کہ جہاں اس کے جوہر کا ثبوت ملتا۔ ویسے التمش اس کی جرأت و دلاوری اور فن سپاہ گری کا معترف تھا۔

التمش کے پاس جنرل تو کجا تجربہ کار افسر تک نہ تھے۔ اپنے پاس کے دشمنوں کو بھی خود اسی نے جا کر زیر کیا تھا اور اب تک چھوٹے پیمانہ پر جتنی فوج کشی کی تھی اس کی تمام سرکردگی اسی کو کرنی پڑی تھی۔ آخر التمش نے پانچ سو بھروسے کے آدمیوں کا دستہ عادلہ کے ساتھ کر دیا۔ اس میں سے دو سو نفر کو کمک کے طور پر ذرا پیچھے چھوڑنا تھا۔ یہ گویا محفوظ فوج ہوگی اور تین سو آدمیوں کا عملی دستہ لے کر عادلہ کو تاج الدین ایلدوز کے سواروں کی سرکوبی کو آگے بڑھنا تھا۔

چلتے چلتے بھی التمش نے عادلہ کو ہدایت کردی تھی کہ اگر دشمنوں کی تعداد زیادہ ہو تو جم کر نہ لڑا جائے بلکہ لڑتے لڑتے آہستہ آہستہ پسپائی اختیار کی جائے۔

آخر عادلہ نے ہلکی اور نازک سی زرہ زیب تن کی۔ اسی طرح سر پر ہلکا آہنی خود رکھا، جس پر ہتھیار سجائے اور اس سج دھج سے پہلے بادشاہ کی قدم بوسی کو گئی، پھر وہاں سے رضیہ کے پاس آئی۔ اس وقت وہ ایک نوعمر خوشنما ترک بچہ نظر آرہی تھی۔ رضیہ اس کو دیکھ کر کھڑی ہوگئی اور بغل گیر ہوتی ہوئی بولی:

"اگر اس شان سے تم کسی شہر پر چڑھائی کے لیے جاتیں تو میں تمھیں نہیں جانے دیتی۔"

"کیوں؟" عادلہ نے سادگی سے دریافت کیا۔

"کیونکہ اندیشہ تھا کہ اس شہر کی تمام لڑکیاں تم پر عاشق ہو جاتیں۔" رضیہ نے تبسم سے کہا۔ عادلہ ہنسنے لگے۔

"لیکن آپ تو وہ ہیں کہ اگر جنگل میں سے بھی نکل جائیں تو آہوانِ صحرا آپ کو دیکھ کر چرنا بھول جائیں اور آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیں۔" عادلہ نے جواب دیا۔

"جی ہمارا بھی چاہتا ہے کہ تمھارے ساتھ چلیں مگر ابا جان اجازت نہیں دیں گے۔" رضیہ نے کہا۔

"فرما تو رہے تھے کہ وہ آپ کے سپرد کوئی بڑی مہم کریں گے۔ اگر آپ بھی میرے ساتھ ہوتیں شہزادی باجی تو لطف آ جاتا۔" عادلہ نے کہا۔

"اب تم مہم سر کرنے جا رہی ہو یا لطف لینے۔" رضیہ نے کہا۔

"سچ باجی آپ کے ساتھ جو لمحہ گزر جاتا ہے وہ حاصلِ عمر ہوتا ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"اب روانگی کے وقت ایسے کلمات ادا کرو کہ تمھارے چلے جانے کے بعد مجھے تمھاری پیاری پیاری باتیں یاد آتی رہیں۔" رضیہ نے محبت سے کہا۔

عادلہ لپک کر پیار سے رضیہ کے گلے لگ گئی۔ اس کے بعد اس سے جدا ہو کر رخصت ہوئی اور اپنے دستے سے آ ملی۔ پھر رات کی تاریکی میں یہ چھوٹی سی فوج روانہ ہو گئی۔ اپنے قرب و جوار کے دشمنوں کو زیر کرنے کے بعد یہ التتمش کی پہلی بعید یورش تھی، اس لیے وہ ایک دو روز ذرا متفکر سا رہا۔ آخر رضیہ نے اس کو سکون پذیر کر دیا۔

"اس مہم کے بعد ابا جان آپ کا کیا نظامِ عمل ہے؟" رضیہ نے اپنے والد سے دریافت کیا۔ اس وقت دونوں باپ بیٹی کے علاوہ یہاں اور کوئی نہ تھا۔

"تم بتاؤ اس کے بعد کیا کرنا چاہیے؟" التتمش نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ایلدوز کو شکست کامل دے کر پہلے پنجاب و غزنی پر قبضہ کرنا

چاہیے تاکہ کابل کی راہ کھل جائے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"صائب خیال ہے۔ اچھا اس کے بعد؟" التمش نے دریافت کیا۔

"اس کے بعد راجپوتانہ کے سرکش راجاؤں کی طرف توجہ کی جائے۔" رضیہ نے کہا۔

"اس سے مجھے اتفاق نہیں۔ پنجاب و غزنی پر قبضہ کرنے کے بعد سندھ کی تسخیر بہت ضروری ہو جاتی ہے۔ اس لیے سندھ کے امیر ناصر الدین قباچہ پر چڑھائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ دراصل اپنی سلطنت کی توسیع کے لیے پنجاب، سندھ اور راجپوتانہ کی تسخیر نہایت ضروری ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پنجاب و سندھ کے مرحلہ سے فرصت پا کر پوری قوت سے راجپوتانہ کی طرف متوجہ ہوں۔" التمش نے کہا۔ مدبر باپ کے الفاظ رضیہ کے دل کو لگے اور اس نے تائید کرتے ہوئے کہا:

"رائے بہت ہی مناسب ہے۔ آپ کو تیزی سے فوج بھرتی شروع کر دینی چاہیے اور اس مسئلہ میں آپ بہ نفس نفیس وقت صرف فرمائیں۔" ذرا وقفہ کے بعد پھر بولی:

"بڑی مشکل یہ ہے ابا جان کہ شہنشاہ قطب الدین کے عہد سے سلطنت کا یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ امرا کو جاگیریں دے کر انھی کو ریاست کا رکن سمجھ لیا جاتا ہے۔ اب یہ امرا اور جاگیردار اقتدار پاتے ہی باہمی رقابت و ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بادشاہِ وقت ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جاتا ہے اور اس کے اختیارات بہت محدود ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جو دراصل حکومت کی اصل قوت بازو ہیں، پسنے لگتے ہیں۔ جب عوام بدحالی و غیر مطمئن ہوں گے تو وہ کیوں فوج میں بھرتی ہو کر حکومت سے تعاون کرنے لگے۔" رضیہ نے کہا۔ التمش خاموشی سے سنتا رہا۔ اپنے باپ کو متاثر پا کر رضیہ نے پھر کہنا شروع کیا۔

"بات چھوٹی سی ہے مگر عوام کی پریشان حالی کی میں ایک مثال بیان کرتی ہوں۔ چند روز ہوئے میں بازار گئی تھی تو میں نے ایک ترک سپاہی بچے کو گزر اوقات کے لیے چھوٹے

پتھر پیٹتے ہوئے دیکھا تھا جن کو کوئی مشقت بھی قبول نہیں کر رہا تھا۔ اسی طرح اور نامعلوم کتنے کام کے آدمی پیٹ کی خاطر غلط کام سے لگے ہوئے ہوں گے۔"

"میں امرا کے ہاتھ میں اور جاگیرداروں کے پنجے میں کبھی عوام کی زندگی نہیں دوں گا۔ اس کا میں پہلے ہی ارادہ کر چکا ہوں۔ جاگیردار امرا دراصل وہاں زور پکڑتے ہیں جہاں حکمراں خود کمزور و نااہل ہوں۔ شکر ہے میں ان حکمرانوں میں سے نہیں ہوں۔ میرے پیش نظر ہمیشہ عوام کی بہبود اور کسانوں کی فلاح ہے۔ کیونکہ حقیقت میں حکومت صرف انھی کے بل بوتے سے قائم رہتی ہے بلکہ حکومت کی روح یہی لوگ ہیں۔" آخر التمش نے کہا۔

"معلوم نہیں باہر اور کون کون سے ملک ہیں اور ان میں کس قسم کا طریقہ حکومت ہے۔ میں صحیح حکومت اس کو کہتی ہوں جس میں عوام کی تمام تر نمائندگی ہو اور انھی میں سے بادشاہِ وقت کے مشیر بھی ہوں۔" رضیہ نے کہا۔

اس طرح سو سال قبل ایک ذکی و فہیم شہزادی نے ڈیموکریسی یا جمہوریت کا خاکہ پیش کیا تھا۔ یہ وہ تاریک دور تھا جب تمام دُنیا میں بادشاہ یا تو مطلق العنان و آمر کی حیثیت رکھتا تھا یا معبود کی مگر رضیہ کا قابل و دُور رَس دماغ آج کی مہذب حکومت کا خواب سات صدی پہلے دیکھ چکا تھا۔ حالانکہ نہ اس نے ارسطو کو پڑھا تھا نہ سیاست پر کوئی کتاب۔

۸

عادل کو روانہ ہوئے ایک ہفتہ کے قریب ہو چکا تھا مگر وہ اب تک اپنی سرحد بھی پار نہیں کر سکی تھی۔ سب سے بڑی دشواری تو سڑک یا کسی راستے کا نہ ہونا ہی تھا دوسرے راتوں کا سفر۔ اگرچہ راتیں اندھیری نہ تھیں مگر جنگل اتنے گھنے اور دشوار گزار تھے کہ ان میں فوج کئی بار راہ بھول گئی۔ رات بھر سفر کیا اور صبح ہونے سے پہلے دیکھا تو وہیں موجود جہاں سے چلے تھے۔ اگرچہ راہبر ساتھ تھے لیکن وہ بھی آخر انسان تھے۔ جنگلوں کی بھول بھلیاں،

دُور دُور تک کسی بستی کا فقدان، خونخوار درندوں سے مقابلہ، یہ ایسے مواقع تھے کہ راستے کے بہت سے آدمی بددل ہو گئے مگر عادلہ کی ہمت قابلِ داد تھی کہ اس کی ابرو پر بل نہ آیا۔

عادلہ نو عمر حسین لڑکی تھی اور موجودہ زمانہ کی لڑکیوں کے ارمانوں کے مطابق یہ اس کی جوانی کی راتیں اور امنگوں کے دن تھے مگر حسرت وارمان سے مبرہ اور عشق و عاشقی سے بے بہرہ یہ سپاہی صفت لڑکی شدائد برداشت کرتی ہوئی جنگلوں کی خاک چھانتے میں لطف محسوس کر رہی تھی کیونکہ مقصدِ عمر و مدعائے حیات شدائد کا مقابلہ کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

چاندنی رات، شب کا سکوت، جنگلی پودوں کی مہک اور شبنم کی خوشگواری کبھی عادلہ کو جگا دیا کرتی تھی اور جبکہ آگے آگے ہراول دستے کے سپاہی نیند سے ڈگمگاتے اور پیچھے سواروں کا دستہ پچھلی رات کی غنودگی میں ملفوف رواں ہوتا تو بھیانک اور خوشگوار جنگل کی مخلوط فضا عادلہ کے جسم و روح کو مکمل بیداری بخش دیتی، وہ ایسا محسوس کرتی گویا لق ودق صحرا اسے ماقبل تاریخ زمانہ کی کوئی کہانی سنا رہا ہے، جس میں شدائد و راحت، مرد و عورت، پھول اور پھل سب کچھ بلا روک ٹوک مل سکتے ہیں۔ ایسی راتوں کے سفر میں بعض اوقات وہ محسوس کرتی جیسے اس کے جلو میں خوبصورت انسانوں کے پتلے چلے آ رہے ہیں اور اس کے حُسن پر لوٹے جا رہے ہیں۔

ایسے عالم میں عادلہ کے سپاہیانہ تیور ڈھیلے پڑ جاتے۔ اس کا سینہ تن جاتا اور دل میں ایک ناچشیدہ لذت مچلنے لگتی۔ وہ حیران رہ جاتی کہ یہ کیسی خلش یا گدگدی تھی جو اس کے سینے میں گداز پیدا کر دیا کرتی تھی اور کیا یہ خلش ہر لڑکی کے جوان دل میں موجزن رہتی ہے۔

مگر جیسے جیسے جنگل تاریک اور بھیانک ہوتا جاتا اور درندوں کی گرج بڑھتی جاتی، عادلہ سپاہیانہ موڈ میں آتی جاتی اس کو پیار کرتی ہوئی ملائم ملائم عورت اس کے جسم پر سے اُتر جاتی اور وہ سخت طبیعت کی یک جنگجو ہستی رہ جاتی۔

آخر تقریباً گیارہ بارہ روز بعد راہبروں نے اس کو اطلاع دی کہ پنجاب کا مشرقی شمالی علاقہ شروع ہو گیا ہے اور بعید نہیں کہ کہیں قرب و جوار میں ایلدوز کی فوج بھی دہلی کی طرف رُخ کر کے خیمہ زن ہو۔ اس اطلاع کے بعد عادلہ نے حزم و احتیاط کے تقاضے پر آگے کا سفر برائے چندے روک دیا اور جاسوسوں کو حکم دیا کہ دشمن کی سن گن لیں۔ پھر اس نے ایک اور تاریک جنگل میں پڑاؤ ڈال دیا۔

دوسرے روز جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ تقریباً بیس میل کے فاصلے پر شرق و جنوب کی طرف دشمن دہلی کی سرحد میں داخل ہو کر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے۔

"کتنی جمعیت ہوگی دشمن کی؟" عادلہ نے سوال کیا۔

"اندازاً ایک ہزار سے زیادہ آدمی ہوں گے۔"

"کیا ایلدوز بھی ان کے ساتھ ہے؟" ایک معمر افسر نے دریافت کیا۔

"نہیں دشمن کی سپاہ کسی نوجوان افسر کی زیرِ کمان ہے۔" جاسوس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب ہمیں اُسی طرف روانہ ہونا چاہیے۔ سپاہ کو کوچ کا حکم دیا جائے۔" عادلہ نے افسر سے کہا۔

"مگر شہزادی صاحبہ ہمارے ساتھ صرف پانچ سو آدمی ہیں۔ ان میں سے ہم کو دو سو کے قریب پیچھے چھوڑنے ہیں۔ اِدھر دشمن کے پاس ایک ہزار سے زائد سپاہ ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا مقصد تمام تر جنگ کرنا نہیں ہے بلکہ دشمن کی صحیح نقل و حرکت معلوم کرنا ہے۔" معمر افسر نے کہا۔

"لیکن یہ بھی دیکھیے کہ دشمن ہماری سرحد میں گھس آیا ہے، یہ ہم کس طرح گوارہ کر سکتے ہیں، اس کو واپس دھکیلنا نہایت ضروری ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"ہم سب حکم کی تعمیل کو تیار ہیں۔" افسر نے کہا۔ اس کے بعد عادلہ نے ایک اور ماتحت افسر کو بلایا اور اس سے بولی:

"جنگ کے دو ہی پہلو ہیں فتح یا شکست۔ اگر خدانخواستہ ہمارا دستہ شکست کھا جائے یا کام آ جائے یا میں قتل کر دی جاؤں تو آپ ایسی حالت میں میدانِ جنگ میں کمک کے طور پر نمودار ہونے کی بجائے کمین گاہ میں چھپ چھپ کر وقفہ وقفہ سے دشمن کو پریشان کرتے رہیں (اس کا مقصد گوریلا جنگ سے تھا) میدان میں نکل کر مقابلہ نہ کریں کیونکہ آپ کی جمعیت بہت تھوڑی ہوگی۔" افسر نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد رات کی سیاہی میں سب پھر سفر کرنے لگے۔

جب دس میل سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تو عادلہ نے کمک کے دستے کو پیچھے چھوڑا اور تین سو سواروں سے کچھ زیادہ لے کر دشمن پر شب خون مارنے کو روانہ ہوئی۔ اب راتیں اندھیری ہو چکی تھیں کیونکہ چاند دیر سے نکلنے لگا تھا۔ اس کے علاوہ ابر بھی تھا اور ہوا بھی تیز چل رہی تھی۔ عادلہ نے اپنے دستے کو نصف دائرے کی شکل میں ترتیب دیا تا کہ دشمن کو غفلت میں گھیر کر ختم کر دیا جائے اور بڑی احتیاط سے روانہ ہوئی۔

عادلہ کو اس کی تو فکر نہ تھی کہ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور اس کے ساتھ صرف تین سو آدمی ہیں۔ صرف یہ خوف تھا کہ دشمن نے اگر بغرضِ احتیاط میدان میں ڈیرے ڈالنے کے بجائے کسی تنگ و ناہموار مقام پر پڑاؤ کر رکھا ہوگا تو حملہ میں دقت پیش آئے گی کیونکہ گڑھوں اور نشیب و فراز کی وجہ سے حملہ یک بارگی پوری قوت سے نہیں کیا جا سکے گا اور جبکہ حملہ مجموعی طور پر نہ ہوا تو دشمن کو بیدار ہو کر سنبھلنے کا موقع مل جائے گا اور یہ برا ہوگا۔

بہرصورت اب تو تن بہ تقدیر حملہ کرنا تھا۔ ایک بار عادلہ کو خیال آیا کہ التمش نے ناگزیر حالات پیدا ہونے بغیر جنگ کے لیے منع کر دیا تھا مگر کیا یہ حالت ناگزیر نہ تھی کہ دشمن سرحد میں گھس آیا تھا اور آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ عادلہ نے سوچا اور حملے کا جواز نکال لیا۔ ایک دو وجوہات یہ بھی تھیں کہ اس کو اپنی کارگزاری دکھانی تھی۔ دوسرے جوانی کا جوش و دلیری بھی جنگ کی محرک تھیں۔

آخر رات کے تین بجے سے پہلے عادلہ اپنے مختصر دستے کو لے کر غافل دشمن کے سر پر جا پہنچی مگر یہ دیکھ اس کو مایوسی ہوئی کہ حریف کے افسر نے اپنی سپاہ کو میدان کے بجائے ناہموار جگہ میں ٹھہرایا تھا۔ جس کے چوطرف گڑھے اور ٹیلے تھے۔ صرف ایک طرف کا رستہ ذرا کھلا ہوا تھا جس پر سے گھوڑے گزر سکتے تھے مگر وہ تنگ تھا۔

آخر عادلہ نے بڑی ہوشیاری سے سنبھل کر حملے کی تیاری کی۔ دشمن کے سپاہی نیند کی آغوش میں تھے اور چونکہ دہلی سے سیکڑوں میل دُور تھے اس لیے اطمینان سے سو رہے تھے۔ دشمن کا ڈر نہ تھا اسی وجہ سے رات کا پہرہ بھی یونہی سا تھا۔ آخر عادلہ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا، چنانچہ آناً فاناً کالے کالے گھوڑے موت کی طرح طوفان بن کر اُمنڈے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ان پر کوئی حملہ ممکن ہے۔ چنانچہ ایک ہی حملہ میں سیکڑوں سپاہی میٹھی نیند میں سوتے سوتے تلخ موت سے دوچار ہو گئے۔

عادلہ نے اس تیزی سے قتال کی گرم بازاری شروع کی کہ دشمن بیدار ہو کر بھی دفعتاً سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جو سو رہا تھا اس کو ابدی نیند سلا دیا گیا، جو اُٹھ بیٹھا تھا وہ تنہا ہونے کی وجہ سے وہیں قتل کر دیا گیا اور جس نے ہتھیار سنبھال لیے تھے وہ نظام و ترتیب نہ ہونے کے سبب ختم کر دیا گیا مگر تین سو آدمی کتنے سونے والوں کو قتل کر سکتے تھے۔ دشمن کے کافی ضائع ہو جانے کے بعد اس کی ابھی بڑی تعداد زندہ تھی۔ بیدار ہو گئی تھی اور ہتھیار سنبھال چکی تھی۔

لیکن عادلہ نے پے در پے اس قدر تیزی سے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا کہ دشمن کو سنبھلنے میں بہت دقت پیش آئی۔ یہاں عادلہ سے محاربانہ غلطی ہوئی۔ شب خون مار کر اور دشمن کے زیادہ سے زیادہ آدمی قتل کر کے اس کو راہ فرار اختیار کرنی چاہیے تھی مگر اس کے برعکس وہ جمی رہی اور سلسلہ قتال جاری رکھا۔ نشۂ شجاعت میں اسے یہ خیال نہ رہا کہ اس کے آدمیوں کی تعداد قلیل تھی اور دشمن اس سے چار گنا زیادہ۔ یہ ناممکن تھا کہ اس قیامت کے آ

جانے پر بھی گیارہ سو یا بارہ سو آدمی غفلت میں پڑے ہوئے قتل تو ہوتے رہیں مگر سنبھل کر بچاؤ کی تیاری نہ کریں۔

بے شک عادلہ کے ان شدید حملوں سے دشمن کو بہت نقصان پہنچا مگر وہ تیزی سے سنبھلے اور عجلت میں جو بھی ہتھیار مل سکے سنبھال کر شاہی فوج کا مقابلہ کرنے لگے۔ اس طرح آدھے گھنٹے کے بعد باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ اب عادلہ اور ان کے سواروں نے اپنے جوہر دکھانے شروع کیے۔ دشمن اب تک مرعوب تھا اس لیے جنگ مغلوبہ لڑ رہا تھا۔

لیکن دفعتاً عادلہ کی نظر ایک سوار پر پڑی جو عجلت میں ساز نہ کس سکا تھا اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار صرف ڈھال اور تلوار لیے بجلی کی طرح شاہی سپاہ کو درہم برہم کرتا پھر رہا تھا۔ وہ اس قدر پھرتیلا اور جری تھا کہ شاہی فوج کے درمیان میں تنہا گھس کر صفیں کی صفیں الٹ رہا تھا۔ کئی بار نرغے میں پھنسا مگر عادلہ کی فوج کو چیرتا ہوا اور کاٹتا ہوا نکل گیا۔

یہ دشمن کی فوج کا افسر تھا۔ اپنے سردار کو اس قدر پامردی سے لڑتے دیکھ کر ایلدوز کی سپاہ کے قدم جمنے لگے اور خطرہ تھا کہ اگر مقابلہ اسی قدر استقلال سے جاری رہا تو عادلہ کے چھوٹے سے دستے کو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ عادلہ نے بھی اس خطرے کا احساس کیا اور سب سے زیادہ خطرہ اس کو دشمن کے جیوٹ افسر سے ہونے لگا جو شاہی فوج کا صفایا کیے جا رہا تھا۔ اب عادلہ نے اپنے آدمیوں کے حوصلے بڑھائے اور خود بھی شدت سے دشمن پر پل پڑی۔

شاہی فوج میں عادلہ اور ایلدوز کے لشکر میں ان کا افسر قیامت مچاتا پھر رہا تھا۔ بے شک جرأت و حوصلے کے مقابلے میں فوج کی کثرت و قلت زیادہ قابل توجہ نہیں مگر بدقسمتی سے جس جگہ جنگ ہو رہی تھی وہ ٹیلوں اور گہرے گڑھوں کی وجہ سے بڑی غیر محفوظ تھی اور آگے بڑھ جانے کی وجہ سے شاہی فوج کے عقب میں گڑھے زیادہ آ گئے تھے جن میں کئی سوار گر کر ختم ہو چکے تھے۔

عادلہ واقعی بڑے ہی استقلال اور دلیری سے جنگ آزما رہی مگر ایلدرز کی فوج اور اس کا افسر بھی غضب کے بچے ہوئے تھے۔ شاہی فوج کی انتہائی پامردی کے باوجود تھوڑی دیر میں جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور دشمن کی کثیر تعداد نے عادلہ کی مختصر سپاہ کو گھیر لیا لیکن عادلہ نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس نے بڑھ کر دشمن کے جانباز او بہادر افسر کو قتل کرنا چاہا جس کے بل پر اس کی فوج اس قدر زبردست مقابلہ کر رہی تھی۔

چنانچہ عادلہ ہوا کی طرح اس کی طرف بڑھی اور اُسے جالیا۔ دونوں حریفوں نے پچھلی رات کی مدھم چاندنی میں ایک دوسرے کو دیکھا اور عادلہ نے بسرعتِ تمام افسر کے سر پر تلوار ماری، جس کو اس نے نہایت ہوشیاری و تیزی سے ڈھال پر لیا پھر اس نے اتنی ہی تیزی سے عادلہ پر تلوار کا ترچھا ہاتھ مارا۔ اگر وہ بجلی کی طرح اس ہاتھ کو خالی نہ دیتی تو اس کی نوعمری کی شجاعت کی داستان اسی لمحہ ختم ہو جاتی۔ اس وار کو خالی دے کر عادلہ نے اپنے حریف کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ جلدی سے نیزے کا ہاتھ مارا۔ وہ افسر بلا کا پھرتیلا واقع ہوا تھا، اس صفائی سے بچا کہ عادلہ حیران رہ گئی مگر پھر بھی نیزہ افسر کے گھوڑے کے لگا اور وہ مع اپنے سوار کے تڑپ کر گر پڑا۔

۹

اپنے افسر کو زمین پر پڑا دیکھ کر اس کے آدمی سمجھے کہ وہ قتل ہو گیا۔ قریب تھا کہ سپاہ کا جی چھوٹ جائے مگر افسر بسرعت گھوڑے کے نیچے سے نکلا۔ اسے زندہ پا کر فوج کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ ادھر افسر نے للکارا کہ کہاں بھاگتے ہو، میں زندہ ہوں اور لوٹ کر پیدل ہی شاہی فوج پر ٹوٹ پڑا۔

ادھر عادلہ اس دوران میں دشمنوں کے نرغے میں گھر گئی تھی مگر اس نے اس قدر تیزی سے تلوار چلائی کہ کوئی اس کو پکڑ نہ سکا۔ اب اس نے نکلنے کی کوشش کی لیکن چوطرف دشمنوں

کی تنگ اور دبیز دیوار حائل تھی۔ بدقسمتی سے عین اس ہنگامہ میں اس کا گھوڑا بھی کسی سپاہی کے نیزے سے شدید زخمی ہو کر گرا مگر عادلہ بجلی کی طرح اس پر سے کود کر پیدل جنگ کرنے لگی۔ اب ہر طرف اس پر یورش ہو رہی تھی۔ ایک جان اور بیسیوں دشمنوں سے مقابلہ! لیکن یہ شجاع لڑکی چٹان کی طرح اڑی رہی۔ اس نے شمشیر بکف مر جانا پسند کیا لیکن زندہ خود کو دشمنوں کے ہاتھوں میں دینا گوارا نہ کیا۔

"دیکھو اس کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ خبردار قتل نہ کرنا۔" افسر نے پھر نمودار ہو کر اپنے آدمیوں سے کہا۔ چنانچہ اب اس پر کمندیں چلنے لگیں۔ عادلہ کے ہتھیار دشمنوں کے حملے کی وجہ سے بےکار ہوئے جا رہے تھے۔ چنانچہ غزالِ رعنا ایک کمند میں پھنس گئی، پھر نکل نہ سکی۔

شاہی دستہ اپنی کمانڈر عادلہ کو نہ پا کر سمجھا کہ وہ قتل کر دی گئی۔ چنانچہ اس کا جی چھوٹ گیا اور بھگدڑ مچ گئی۔ بہت سے سپاہی قتل کر دیے گئے اور بقیۃ السیف نے ہتھیار ڈال دیے۔ افسوس التمش کی پہلی ہی باقاعدہ یورش کا یہ انجام ہوا۔ اس جنگ میں شاہی فوج کے ڈیڑھ سو کے قریب آدمی کام آئے۔ پچاس سے زیادہ زخمی ہوئے اور سو نے ہتھیار ڈال دیے۔ دشمن کے بھی پانچ چھ سو آدمی قتل ہوئے مگر وہ اتنی کثیر تعداد اور ناقابل مجادلہ میدان میں شاہی فوج کے گھیر لینے کی وجہ سے غالب آیا اور عادلہ کی چھوٹی سی رجمنٹ کو شکست ہوئی۔

یہ شکست قابلِ عزت تھی جس میں عادلہ کی شجاعت و دلاوری ہمیشہ سے زندہ رہے گی۔ عادلہ زرہ کی وجہ سے شدید طور پر زخمی ہونے سے تو بچ گئی مگر چونکہ زرہ ہلکی اور نازک تھی اس لیے کئی جگہ سے کٹ گئی اور اسی سبب سے عادلہ کے جسم پر کئی زخم آئے تھے جو زیادہ کاری نہ تھے صرف بائیں شانے کا زخم زیادہ گہرا تھا۔

شب کے سفر کی تکان، مسلسل دو ڈھائی گھنٹے کی جنگ، گرد و غبار، کٹی ہوئی زرہ اور

خوں آلود جسم نے اس کا عجیب حلیہ کر دیا تھا۔ یوں بھی وہ زرہ وغیرہ کی وجہ سے پہچانی نہیں جا رہی تھی کہ عورت ہے۔ اب اس حلیے نے اس کی اور بھی ہیئت بدل دی تھی مگر اس کے باوجود اس کے چہرے پر وقار تھا اور وہ افسرانہ شان سے اپنے دشمنوں کے درمیان قید ہو کر خیمے کی طرف جا رہی تھی۔ ہر چند زخم و تکان سے اس کے پیر نہیں اُٹھ رہے تھے لیکن اس کی چال سے کسی کمزوری کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

اسلحہ ضبط کر لینے کے بعد عادلہ کو ایک خیمہ میں لے جایا گیا جس میں ملائم گھاس کی دبیز توشک پر مخمل کی چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ خیمے کے چو طرف سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا گیا اور اندر بھی اس کو پانچ چھ آدمی گھیرے رہے جو فوج کے معمولی عہدے داروں میں سے تھے۔ ابھی فوج کا وہی نوجوان افسر اعلیٰ نہیں آیا تھا جس نے عادلہ سے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ ایک افسر نے اس خیال سے کہ شاہی معزز سردار پیاسا ہو گا اخلاق سے پیالے میں پانی بھر کر اس کو پیش کیا مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے میرے زخمی سپاہیوں کو سنبھالو اور انھیں پانی پلاؤ۔

"آپ آرام کریں سردار اور زرہ اُتار ڈالیں۔" اس کو مکلف دیکھ کر ایک سپاہی نے کہا۔

مگر عادلہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک اونچے سے تکیے پر جا کر ٹک گئی، جسم کو ذرا آرام ملا تو تمام جراحتیں جاگ اُٹھیں اور زخم درد کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہر گھاؤ میں خون اُمنڈ آیا۔ عادلہ سخت کرب میں مبتلا ہو گئی مگر ضبط کیے بیٹھی رہی۔

آخر تھوڑی دیر بعد فوج کا افسر بھی خیمے میں داخل ہوا۔ اس کے جسم پر بھی کئی خراشیں تھیں، زخم کوئی نہ تھا۔ کپڑوں پر یونہی خون چھلک آیا تھا۔ اس افسر کا رنگ صحت نے عنابی بنا دیا تھا۔ کڑیل جسم، گٹھے ہوئے عضلات سے بڑا طاقتور معلوم ہوتا تھا۔ تیز سیاہ آنکھیں، تنے ہوئے ابرو، کشادہ پیشانی، لمبی اور قدرے جھکی ہوئی ناک اور تنگ دہانے کے شگفتہ لبوں

سے وجیہہ بھی نظر آرہا تھا اور وقیع بھی۔ اس نے آتے ہی اپنے آدمیوں سے دریافت کیا:
"شاہی فوج کا وہ سردار کہاں ہے؟ اور تم لوگوں نے یہاں مجمع کیوں کر رکھا ہے؟"
"سردار وہ بیٹھے ہیں۔ ہم ان کی نگرانی کر رہے ہیں۔" ایک شخص نے کہا۔ سردار نے عادلہ کو بیٹھے دیکھا اور اس کے قریب آیا۔ ایک دو سیکنڈ تک اس کو دیکھتا رہا پھر بولا:
"میں آپ کی بہادری کی داد دیتا ہوں سردار۔ زرہ اُتار ڈالیے تاکہ آپ کے زخموں کی دیکھ بھال کی جا سکے۔" اس نے ملائم لہجہ میں کہا۔ اس کے بعد اپنے آدمیوں سے بولا:
"تم لوگ جاؤ اور جراح کو یہاں بھیج دو۔" عادلہ بدستور زخموں کی تکلیف ضبط کیے بیٹھی رہی۔ کچھ نہ بولی۔
"لیکن یہ آپ کی غلطی تھی کہ آپ نے ہمیں کمزور یا غافل سمجھ کر شب خون مارا۔" افسر نے پھر عادلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔
"ہم دشمن کو اپنی سرحد میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔" آخر عادلہ نے آواز پر قابو پا کر کہا۔ افسر اس آواز کو سن کر کسی قدر متعجب ہوا۔
"خیر اب ہمیں رزم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ کیا میں آپ کا نام معلوم کر سکتا ہوں، مجھے احتشام الدین کہتے ہیں۔" افسر نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔
"ہم اپنا نام ظاہر کرنا چنداں ضروری نہیں سمجھتے۔" عادلہ نے تلخی سے کہا۔
"اگر آپ شاہی فوج کے کوئی غیر معروف افسر ہیں تو خیر اور اگر معروف ہیں تو نام ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔" احتشام الدین نے مسکرا کر کہا۔
عادلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خون ضائع ہو رہا تھا اور شانہ وسینہ کے زخم سے وہ اب بے دم سی ہوئی جا رہی تھی اس لیے آنکھوں کے سامنے اندھیرا آئے چلا جا رہا تھا۔ پھر تکان نے علیحدہ ہی زور ڈالا تھا۔
"اگر آپ خود کو زرہ کھولنے میں تکلیف ہو تو لائیے میں علیحدہ کر دوں، جراح آتا ہی

ہوگا۔ ابھی مرہم پٹی کردے گا۔ آپ کافی زخمی ہو رہے ہیں۔" افسر نے اپنے مغلوب دشمن سے کہا۔

"یہ زخم تو ایک سپاہی کے جسم کی زینت ہیں۔" عادلہ نے کہا۔ اس کے حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔

"مجھے آپ سے صرف یہ شکایت ہے کہ آپ نے میرے رفیق گھوڑے کو مار ڈالا۔" احتشام الدین نے اپنے قیدی افسر کو باتوں سے نوازنے کی نیت سے کہا۔

"آپ خود ابھی کہہ چکے ہیں کہ اب رزم کی باتیں نہیں ہوں گی۔" عادلہ نے کہا اور شدت درد سے مجبور تکیہ کا سہارا ٹٹولا۔

"اچھا تو آپ کی زخم دوزی کے بعد بزم کی باتیں ہوں گی۔ شاہی دربار میں تو پری رویوں کا مجمع رہتا ہوگا اور ماشاءاللہ آپ شکیل واقع ہوئے ہیں۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایک مسلمان بادشاہ کا دربار ہے جہاں خدا اور اس کے رسول کی عظمت کی حکمرانی ہے۔" عادلہ نے جواب دیا۔ احتشام خاموش ہو گیا۔ اتنے میں جراح اندر داخل ہوا۔

"لیجیے جراح آ گیا۔ اب وہی آپ کی زرہ کھول دے گا۔" احتشام نے کہا۔ مگر عادلہ نیم غشی و نیم ہوش کی حالت میں تکیے سے لگی چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اصرار کے باوجود زخمی اپنے جسم سے زرہ جدا نہیں کر رہا تھا۔ اس سے احتشام یہ سمجھا کہ یہ افسر اپنے زخم دشمنوں کو دکھانا باعث ہتک سمجھتا ہے، چنانچہ اُٹھ کھڑا اور بولا:

"بے شک ایک سپاہی پسند نہیں کرتا کہ اپنے زخم کسی کو دکھائے مگر زخموں کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ اچھا میں برائے چندے باہر جاتا ہوں۔ مرہم پٹی کے بعد آ جاؤں گا۔" احتشام نے کہا اور چلا گیا مگر اب عادلہ جراحت و تکان سے مغلوب ہو کر بے ہوش ہو چکی تھی۔

"حضور سیدھے ہو جائیں، تو میں زرہ کی کڑیاں کھول ڈالوں۔" جراح نے عادلہ سے کہا۔ جواب نہ پا کر اس کی طرف دیکھا اور اس کو بے ہوش پایا۔ یہ اچھا ہوا۔ جراح نے دل میں کہا۔ اب اطمینان سے مرہم پٹی ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے تکیہ ہٹایا اور عادلہ کو آرام سے لٹا دیا۔

پہلے اس نے سینے کی کڑیاں کھولیں کیونکہ شانے کا زخم ہی زیادہ لہو اُگل رہا تھا۔ سینے پر سے ٹوٹی زرہ کی آہنی زنجیریں ہٹیں تو جراح ایک موزوں مقام پر گوشت کی غیر معمولی اُبھار کو دیکھ کر متعجب ہوا مگر اسے خیال آیا کہ ممکن ہے گرز سے کوئی شدید اندرونی چوٹ لگی ہو جو متورم ہو گئی ہے۔ چنانچہ احتیاط سے گریبان ہٹایا تا کہ متوقع کچلا ہوا گوشت نظر آ جائے لیکن بے کس جراح حیرت سے اُچھل پڑا اور اس کے ہاتھ سے پھایہ چھوٹ کر گر پڑا۔ بکمال حیرانی، اس نے زخمی کے چہرے پر نظر ڈالی پھر اسی استعجاب کے عالم میں گریبان کو واپس احتراماً برابر سے کر دیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ خود کو سینہ بند سے جدا کر کے علیحدہ کیا تو ملائم بھورے اور لمبے خوش نما بال کھل کر زخمی کی گردن اور فرش پر بکھر گئے۔ جراح نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور مسکراتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا مگر اب بھی وہ حیرت کے شدید دوروں میں مبتلا تھا۔ آخر بھاگا بھاگا خیمے کے باہر نکلا اور دیوانہ وار احتشام کو اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگا۔ احتشام خیمے کے قریب ہی کھڑا ہوا ایک دو آدمیوں سے باتیں کر رہا تھا اور جراح نے اسے جا لیا اور حیرت سے بوکھلاتا ہوا بولا:

"حضور آیئے..... جلد آیئے..... چلیے۔"

"کیا ہوا؟ کیا زخمی چل بسا؟" احتشام نے کہا اور جلدی سے خیمے کی طرف مڑا۔ اس کے پیچھے دو چار آدمی اور ہو لیے۔

"ان سب کو منع کر دیجیے۔ کوئی نہ آئے۔ صرف آپ چلیے۔" جراح نے کہا۔

"ہوا کیا آخر؟ منہ سے تو کہو۔" احتشام نے خفگی سے کہا۔

"میرے ساتھ آئیے۔" اب جراح نے قدرے رازدارانہ طور پر کہا "لیکن اور لوگوں کو منع کر دیجیے۔" آخر احتشام تنہا ہی جراح کے ساتھ خیمہ میں داخل ہوا۔ اسے وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی، صرف اس دفعہ زخمی گاؤ تکیے کے سہارے کے بجائے فرش پر دراز تھا۔ آخر قریب پہنچا تو دلکش نظارے نے اس کی روح کو پکڑ لیا۔ فرش پر اسے ایک نہایت حسین لڑکی دراز نظر آئی۔ حیرانی سے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر لڑکی پر نظر ڈالی اور انتہائی تعجب سے پھر گردن اُٹھا کر جراح سے بولا:

"یہ کون ہے اور وہ زخمی سردار کہاں غائب ہو گیا؟"

"ذرا غور سے دیکھیے۔" جراح نے مسکرا کر کہا۔ اب تو افسر ہمہ تن توجہ واستعجاب بن گیا کیونکہ اس نے پہچان لیا کہ یہ تو وہ نوجوان زخمی سردار ہے جس کو قید کر کے خیمہ میں لایا گیا تھا۔ فرطِ حیرت سے وہ چیخ اُٹھا اور گھٹنوں کے بل زخمی کے قریب بیٹھ کر اس کے دل ربا چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

"واللہ.... شدید حیرت ہے.... سخت تعجب ہے!!" اس کے منہ سے نکلا۔ اس کے بعد اس نے محراب ابرو، فتنہ ساماں بند آنکھیں، پپڑی جمے ہوئے مگر دلکش ہونٹ اور مسحور کن منتشر گیسوؤں کو دیکھا اور یک بارگی ایسا محسوس ہوا کہ ان نازک ہاتھوں سے جو تیر یا کہ نیزہ اس کے عزیز اسپِ تازی کے لگا تھا وہ اس کے خود کے سینے میں پیوست ہو کر دل کو چیرتا ہوا نکل گیا ہے اور اس سنان اندازی سے زخم خوردہ دل سے خون کے بجائے کوئی ایسی چیز تڑپ کر نکلی جس نے اس کی تمام سپاہیانہ زندگی کو ملفوف کر کے اس کے گلے میں کوئی ملائم مگر بھاری طوق ڈال دیا۔ کئی منٹ تک وہ مبہوت ہو کر اس نظارہ میں گم رہا۔ آخر اس کو ہوش آیا اور ایک زخمی و بے ہوش عورت کو اس طرح دیکھے جانا شرافت کے منافی تصور کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد حیرت زدگی کے عالم میں بولا:

"کیا یہ شہزادی رضیہ سلطانہ ہیں، سنا ہے کہ وہ بھی اعلیٰ درجہ کی ماہر حرب و بے انتہا

حسین ہیں۔"

"کہہ نہیں سکتا حضور۔ میں نے رضیہ سلطانہ کو آج تک نہیں دیکھا۔" جراح نے جواب دیا۔

"خیر یہ کوئی بھی ہوں۔ ہماری قید میں ہیں مگر دیکھو تم ان کی اچھی طرح مرہم پٹی کرو، افسوس ہمارے ساتھ کوئی عورت نہیں ہے۔ خیر میں بوڑھے نور علی کو ان کی خدمت کے لیے مامور کردوں گا۔ جب تم مرہم پٹی کر چکو تو ان کو آرام سے چادر اڑھا کر سرہانے تکیے رکھ دینا اور ہاں رومال گیلا کر کے اس کے چہرے سے پسینا اور گرد صاف کر دینا۔" احتشام نے کہا اور جانے لگا۔ اس کو اشتیاق تھا کہ اس رُخِ روشن سے گرد و غبار صاف ہو جائے تو اس کی تابناکی سے لطف اندوز ہو۔

"لیکن حضور یہ بے ہوش ہیں۔ اگر دیر تک ہوش میں نہ آئیں تو کیا کروں؟" جراح نے کہا۔

"سر دست کچھ ممکن نہیں ہے۔ تم اچھی طرح تمام زخموں کو صاف کر کے کوئی زود اثر مرہم لگاؤ، راحت و آرام پہنچنے سے ممکن ہے یہ صبح تک از خود ہوش میں آجائیں۔" احتشام نے کہا اور خیمہ سے نکل گیا۔ اس کے بعد اپنے اور شاہی فوج کے زخمیوں کی دیکھ بھال کو نکل گیا مگر اب اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ بار بار وہی ہوش رُبا لیکن معصوم حُسن اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کر رہا تھا۔ بہت سے کام پڑے ہوئے تھے مگر ہر بار قدم اسی مبارک حجرے کی طرف مڑ جاتے تھے۔

صبح صادق کے آثار پھیل چکے تھے۔ پچھلی رات کی تکان انگیز جنگ کے باوجود وہ تکان محسوس نہیں کر رہا تھا بلکہ ایک غیر متوقع دلکش نظارے کے بعد سے تو وہ اپنی رُوح میں عجیب تازگی سی پا رہا تھا۔ آخر چشمے پر جا کر اس نے غسل کیا اور اپنے خیمے میں آ کر نمازِ فجر ادا کی۔ اس سے فارغ ہو کر ذرا کمر سیدھی کرنے کو دراز ہو گیا مگر آسودگی پاتا تھا کہ نیند کے

بجائے ایک لطیف خیال نے اُسے آدبوچا اور وہ کیف و سرور کے عالم میں بہت دیر تک
چپ چاپ پڑا رہا۔

نیند نہیں آئی تو اُٹھ بیٹھا۔ "ممکن ہے اب وہ ہوش میں آگئی ہو۔ ذرا جا کر مزاج پرسی
کر آؤں۔" یہ سوچ کر اُٹھ بیٹھا۔ حسین قیدی کے خیمہ پر مستعد سپاہیوں کا پہرا تھا۔ احتشام
ان کا سلام لیتا ہوا خیمے میں داخل ہوا تو بوڑھا نور علی وہیں موجود تھا اور جراح بھی وہیں دو ماند
ہو گیا تھا۔

"کیا انھیں اب تک ہوش نہیں آیا؟" احتشام نے نور علی سے دریافت کیا۔

"کیا معلوم حضور! یہ تو جب سے میں یہاں آیا ہوں اسی طرح سو رہی ہیں۔" نور علی
نے مؤدبانہ جواب دیا۔

"خدا جانے سو رہی ہیں یا بے ہوش ہیں۔ بہر حال ہمیں ان کے آرام میں خلل انداز
نہیں ہونا چاہیے۔" احتشام نے کہا اور اس تر و تازہ چہرے کو دیکھنے لگا۔

۱۰

احتشام پھر اپنے خیمے میں چلا آیا مگر اسے نیند نہیں آئی۔ شب کی خونیں سیاہی ختم ہوتی
تھی۔ صبح کا آفتاب مسرور نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ یہ ناہموار میدان اور گڑھے انسانی لاشوں
سے اَٹے ہوئے تھے۔ رات کو مُردے اور مقتولین کو اُٹھا کر اِدھر اُدھر گڑھوں میں ڈال دیا
گیا تھا۔ صبح ان ہی گڑھوں کو آس پاس سے بہت سی مٹی کھود کر قبروں میں منتقل کیا جا رہا تھا۔
مانوس گھوڑے اپنے مقتول سواروں کی تلاش میں آوارہ پھر رہے تھے اور اپنے بے جان
سوار کو کہیں پڑا ہوا پا کر اس کے قریب آنے کے بعد ٹاپیں مار کر اس کو بیدار کرنے کی کوشش
کر رہے تھے۔

کئی زخمی جن کے شدید جراحت آئی تھیں، صبح نہ پکڑ سکے تھے۔ وطن سے دور جنگل

میں خاک وخون کے درمیان پڑے ہوئے دم توڑ چکے تھے۔ ایک سپاہی کا یہی مشن ہوتا ہے، فرض ادا کرو اور مر جاؤ مگر حق کے سپاہی کا مشن حق کے لیے مرنا اور حق کے لیے جینا ہے۔ دنیوی سلطنتوں کی جنگیں ملک گیری، دفاع، انتقام یا ذاتی نفع کے لیے لڑی جاتی ہیں جن کو ڈپلومیسی کی زبان میں حق کا نام دیا جاتا ہے۔

احتشام نے صبح آٹھ ساڑھے آٹھ بجے اپنے حسین قیدی کی خیریت دریافت کرنے کسی کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ وہ اب تک بیدار نہیں ہوئی ہے۔ کیا وہ اب تک بے ہوش ہیں۔ اس نے تشویش سے دل میں کہا۔ یہ تو عمر افسر اپنے نامعلوم شاہی قیدی کے لیے اب اتنا متفکر تھا جیسے وہ اسی کی فوج کا کوئی افسرِ اعلیٰ تھا۔ رات کو کس زور وشور سے جنگ کی تھی انھوں نے مجھ سے۔ وہ تو قسمت ہی سیدھی تھی ورنہ ظالم نے مجھے قتل ہی کر دیا ہوتا مگر کیسی مبارک شہادت ہوتی یہ۔ احتشام کاموں میں مصروف رہا مگر عادلہ کا حسین تصور ایک لمحہ کے لیے اس کے دل سے جدا نہ ہوا۔

دس بجے کے بعد پھر اس نے خیریت معلوم کی۔ اب اطلاع آئی کہ بدستور سو رہی تھیں۔ یہ نیند نہیں ہوسکتی وہ قطعی بے ہوش ہیں اور کہیں اسی عالم میں خدانخواستہ چل نہ بسیں۔ آخر اس نے عادلہ کی بے ہوشی سے پریشان ہو کر اپنے ایک تجربہ کار آدمی سے دریافت کیا جو کئی جنگوں میں حصہ لے چکا تھا۔

"اگر کوئی زخمی بے ہوش ہو جائے اور پانچ چھ گھنٹے تک نہ اُٹھے تو یہ اس کی بے ہوشی سمجھی جائے گی یا نیند؟"

"یہ چیز زخمی کے گھاؤ اور اس کی قوت برداشت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس صورت میں چار پانچ گھنٹے کا دماغی تعطل بے ہوشی اور نیند دونوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔" سپاہی نے جواب دیا لیکن احتشام مطمئن نہیں ہوا۔ اسی تشویش میں بارہ بج گئے اور جنگل کے گھنے درختوں کے باوجود فضا میں گرمی پیدا ہوگئی۔ آخر اس نے نورعلی اور جراح دونوں کو عادلہ کے خیمے میں بلایا

اور بولا:

''ان کا اتنی دیر تک ساکت وصامت پڑا رہنا خطرے کی بات ہے۔ تم انتہائی جتن کرو کہ اب وہ ہوش میں آجائیں۔ خوشبویات سنگھاؤ، ٹھنڈے پانی کے چھینٹے چہرے پر دو بلکہ ناک میں کوئی تنکا داخل کر کے گدگدی پیدا کرو۔ غرض قیدی کو کسی طرح ہوش میں لاؤ۔''

''ہمیں خود فکر ہے سردار۔ آپ پریشان نہ ہوں، دیکھیے کوئی تدبیر کرتے ہیں۔'' جراح نے کہا۔ اس کے بعد علی کو لے کر واپس عادلہ کے خیمہ میں آگیا۔ پھر دونوں اسے ہوش میں لانے کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے۔

عادلہ دراصل تکان، ضعف اور نیند تینوں چیزوں سے مغلوب ہو کر غافل پڑی ہوئی تھی۔ نیند پوری ہو چکی تھی اس کی وجہ سے تکان بھی رفع ہو گئی ہوگی اور ضعف رہ گیا تھا تو جوان جسم اور چڑھتا خون تھا اس کو بھی مٹ جانا چاہیے۔ چنانچہ دونوں تیمارداروں کی کافی دیر تک مسلسل کوششوں کے بعد آخر عادلہ کلبلائی اور چند سیکنڈ کے بعد اس نے پانی مانگا۔ نورعلی نے لپک کر اس کے حلق میں ٹھنڈا پانی ٹپکایا جس سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

کئی سیکنڈ تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں ہے۔ دو اجنبی آدمیوں کے چہرے، ہوا سے ہلتی ہوئی خیمہ کی ملگجی چھت، زمین کا فرش اور اس کے بعد کسی قدر اپنے زخموں کی سوزش نے آخر اسے جلد تمام ماحول اور پچھلے اندوہناک واقعات سے آگاہ کر دیا اور وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی پھر اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے متوحش ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''گھبرائیے نہیں شہزادی صاحبہ آپ ہمدرد نگرانی میں ہیں۔'' نورعلی نے آگے بڑھ کر مؤدبانہ کہا۔

''میں شہزادی نہیں ہوں۔ شاہی فوج کا مرد افسر ہوں۔ تم کیا بکتے ہو۔'' عادلہ نے چادر اپنے جسم کے گرد کرتے ہوئے کہا مگر اس کے دلکش طویل بال گردن اور رخساروں پر مچلنے لگے۔ جراح اور نورعلی اس کے کلمات سن کر ادب سے مسکراتے ہوئے چلے گئے۔ عادلہ

کو بھی دھیان آیا کہ اتنی طویل غفلت کے دوران میں اس کا راز برملا ہو چکا تھا۔

"تمہارا افسر کہاں ہے۔ میں اپنے آدمیوں کی خیریت کے لیے سخت مضطرب ہوں۔" آخر اس نے اپنا وقار قائم رکھنے کے طور پر کہا۔

"وہ رات سے اب تک آپ کی خیریت کئی بار دریافت کر چکے ہیں۔"

"کیا وہ خود یہاں آئے تھے؟" عادلہ نے نورعلی کی بات کاٹ کر دریافت کیا۔ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ آیا اس کا عورت ہونا افسر کے علم میں بھی آچکا ہے۔

"وہ رات کو صرف ایک بار آئے مگر حضور کو غفلت میں پا کر چلے گئے۔" جراح نے کہا۔

اچھا تو اس کو بھی بھید معلوم ہو گیا ہے۔ عادلہ نے دل میں کہا۔ پہلے ذرا پریشان ہوئی پھر اس نے فخریہ سوچا کہ اس افسر کو بتایا جائے گا کہ شہنشاہ التمش کی فوج میں جنگ آزما عورتیں بھی افسر کی حیثیت سے موجود ہیں۔ اس نے کسی قسم کی بے چارگی یا ہزیمت خوردگی کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ اگرچہ خون بہنے سے وہ نقیہ ہو رہی تھی، اس پر زخموں کی تکلیف علیحدہ تھی پھر بھوک اور تکان اپنی جگہ الگ ستا رہی تھی لیکن اس سپاہیانہ وجاہت مردانہ رکھنے والی لڑکی سے کسی قسم کی کمزوری ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔ وہی رکھ رکھاؤ اور وہی شان جو ایک جواں مرد افسر کا حصہ ہے عادلہ بھی ان کا مجسمہ نظر آ رہی تھی۔

اب چونکہ اپنے عورت ہونے کے بھید کو چھپانا تو بعد از وقت کی چیز تھی اس لیے اس نے کمر سے اپنا باریک پٹکا کھول کر سر پر ڈال لیا اور چادر سے جسم کو چھپا کر گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھ گئی۔ اس کا سرخ و سفید رنگ نقاہت کی وجہ سے زرد ہو رہا تھا اور اب بھی ہلکے ہلکے چکر آئے جا رہے تھے۔ جراح اپنا فرض انجام دے کر چلا گیا تھا۔ صرف نورعلی اس کی خدمت کے لیے موجود تھا۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر عرض کیا:

"شہزادی صاحبہ آپ بہت کمزور ہو گئی ہیں۔ میں ناشتا حاضر کرتا ہوں۔ اس کے بعد

آرام فرمالیں۔"

"آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں شہزادی نہیں ہوں۔ اس لیے آیندہ مجھے اس طرح مخاطب نہ کیا جائے۔ رہا آرام تو میں کافی سو چکی ہوں۔ معلوم نہیں میرے سپاہیوں کی کیا حالت ہے۔" عادلہ نے کہا اور اپنے رفیق دستہ کی تباہی کا خیال کر کے رنجیدہ ہو گئی۔

"وہ سب آرام سے ہوں گے۔ ہمارے افسر احتشام صاحب جس قدر جنگ میں سخت ہیں اتنے ہی قیدیوں اور زخمیوں کے حق میں رحیم ہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔ اچھا میں آفتابہ دسلفچی (سلفچی مغلوں کی ایجاد ہے۔ التمش کے زمانہ میں اس کا قائم مقام کوئی اور برتن ہوگا) حاضر کرتا ہوں۔ منہ ہاتھ دھو ڈالیں۔ پھر ناشتا فرمالیں۔ مجھے اپنا خادم سمجھیے اس لیے کسی قسم کا تکلف نہ فرمائیے۔" نور علی نے کہا اور باہر چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے نوجوان آقا کو مطلع کیا کہ شہزادی بیدار ہو گئی ہے۔ چنانچہ فوراً ناشتا بھجوا دیں۔

احتشام نے مناسب نہ سمجھا کہ عادلہ کو اس کی موجودہ زبوں حالی میں جا کر دیکھے، اس سے وہ خفت سبکی محسوس کرے گی۔ چنانچہ جب وہ ناشتا وغیرہ سے فارغ ہو کر ذرا تازہ دم ہو جائے گی تو چند لمحات کے لیے جا کر اس حسنِ عالم افروز کے نظارہ سے لطف اندوز ہو آوے گا۔ وہ اب تک یہی سمجھے ہوئے تھا کہ یہ زخمی حسین قیدی شہزادی رضیہ ہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ نور علی کے پیچھے پیچھے ناشتا لیے عادلہ کے خیمے میں داخل ہوا۔ بادام کا گرم گرم حریرہ تھا اور بہت سا خشک میوہ۔ عادلہ نے سوچا کہ یہ قید نامعلوم کتنی طویل ہو گی، اگر تکلف یا غم کی وجہ سے کچھ نہ کھایا تو کب تک یہ معاملہ چل سکے گا۔ مجبوراً ناشتا کیا۔ اس کے بعد نور علی سے بولی:

"اب مجھے اپنی زرہ پہنا دو تا کہ میں باہر جا کر اپنے زخمیوں کو دیکھ آؤں۔ میرا بایاں ہاتھ افسوس زیادہ کام نہیں کرتا ورنہ میں تم کو تکلیف نہ دیتی۔"

"مجھے حضور کے ارشاد کی تعمیل میں کوئی عذر نہیں مگر گستاخی معاف، میں نوکر ہوں اور

اپنے اصلی ولی نعمت کی اجازت کے بغیر حضور کے جسم پر زرہ سجانے سے قاصر ہوں۔ حضور غور فرمائیں گی تو میرے بیان کو درست پائیں گی۔" نور علی نے سوز بانہ کہا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ عادلہ نے سوچا اور خاموش ہو گئی۔ نور علی برتن وغیرہ لے کر باہر چلا گیا اور اپنے آقا کو اس نے عادلہ کے ارادہ سے آگاہ کیا۔

نور علی کے چلے جانے کے بعد عادلہ کو خیال ہوا کہ ممکن ہے اب کی دفعہ خود وہ افسر آ جائے، اس لیے اٹھی اور سرہانے لٹکی ہوئی زرہ وغیرہ کو درست کرنے لگی تا کہ احتشام کے آنے سے پہلے اسے پہن لے۔

عین اسی عالم میں احتشام داخل ہوا۔ شاید اس نے اپنے قیدی کے خیمے میں داخل ہونے سے پہلے اذن حاصل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس نے آ کر دیکھا ایک بوٹا سا قد، پتلی کمر، سینہ تنا ہوا، کھلے بال زرہ سے کشمکش کر رہا ہے تو مسکراتا ہو بولا:

"کہاں کی تیاری ہو رہی ہے شہزادی صاحبہ!"

اس آواز پر عادلہ ایک دم مڑی۔ اس کے حسین چہرے پر غصہ عیاں تھا اور آنکھوں کے لال ڈورے زیادہ سرخ ہو گئے مگر آواز پر قابو پا کر بولی:

"اگر میں آپ کی قیدی ہوں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ ایک معمولی سے شعائر اسلامی کو ٹھکرا کر بلا اجازت یہاں چلے آئیں۔" ان کلمات کو سن کر احتشام مرعوب سا ہو گیا اور اس کا سر ندامت سے جھک گیا، پھر معذرت کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ عادلہ اس کی شرافت سے متاثر ہوئی، اس کے بعد اس کو اپنے الفاظ پر بھی تھوڑا سا افسوس ہوا جس کو مسکراہٹ نے زائل کر دیا۔

زرہ پہننا دشوار تھا۔ ایک تو زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں دوسرے بایاں ہاتھ اچھی طرح کام نہیں کر رہا تھا۔ آخر عادلہ کو نور علی کی مدد لینی پڑی جس نے بخوشی خود کو پیش کیا اور زرہ پہنا دی۔ اس کے بعد اس نے نور علی سے کہا:

"اب اپنے سردار صاحب کو بلا لو۔" نورعلی نے جا کر عادلہ کا پیغام افسر کو پہنچایا تو وہ بھی آخر خوددار مرد تھا، نہیں آیا۔ اس کے بجائے کہلوا دیا کہ کاموں میں مصروف ہے۔

"اچھا تو ان سے جا کر کہہ دو کہ میں اپنے زخمی سپاہیوں کو دیکھنا چاہتی ہوں اور باہر نکلنے کی اجازت کی خواہاں ہوں۔" عادلہ نے کہا۔ نورعلی جا کر اجازت لے آیا تو عادلہ تمکنت کے ساتھ باہر نکلی۔ اس کے عقب میں نورعلی اور ایک دو افسر روانہ ہوئے۔ عادلہ نے مڑ کر دیکھا اور دل میں تمنا کی کہ زیادہ اچھا ہوتا کہ اس کے ہم رکاب اس وقت احتشام بھی ہوتا۔

۱۱

عادلہ کو زخموں کی وجہ سے چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی مگر وہ کسی کمزوری کا اظہار اپنی سپاہیانہ شان کے خلاف سمجھتی تھی، اس لیے بغیر سہارے کے آہستہ آہستہ اپنی فوج کے زخمی اور قیدی سپاہ کی طرف چلی جا رہی تھی۔ نورعلی نے چاہا کہ اس کو کچھ سہارا دے مگر وہ دشمنوں کے درمیان سے لنگڑاتی یا لہراتی گزرنا ہی چاہتی تھی۔

اس کے جسم پر زرہ بھی ڈھیلی رکھی گئی تھی تا کہ اندر کے زخموں کو گزند نہ پہنچے چونکہ میدانِ جنگ میں نہیں جا رہی تھی اس لیے اس نے خود کی ضرورت نہیں سمجھی۔ سر پر وہی اپنا پٹکا ڈال لیا تھا پھر بھی اس کے حسین بال منتشر ہو کر شانوں اور رخساروں کی بلائیں لے رہے تھے۔ خون ضائع ہو جانے سے اگرچہ چہرے پر پہلی جیسی سرخی و رونق نہیں رہی تھی مگر پھر بھی وہ آس پاس کے بہت سے خوش نما جنگلی پھولوں کے مقابلہ میں زیادہ شاداب نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں کی دلکشی پر اپنی گرفتاری اور اپنے دستے کی تباہی کا صدمہ چھایا ہوا تھا۔ تاہم ان کا سحر اپنی جگہ مسلم تھا۔

جب وہ اپنے زخمی آدمیوں کے قریب پہنچی تو انھوں نے اپنی مخدومہ کو زندہ و سلامت دیکھ کر نعرۂ مسرت بلند کیا۔ وہاں احتشام پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس نے عادلہ کو دیکھا اور

اس کے چہرے پر آثار مسرت دوڑ گئے۔ پھر وہ اس کے استقبال کو آگے بڑھا اور اس کو شاہی فوج کے قیدیوں کے درمیان لے گیا۔

قیدیوں میں وہ معمر افسر بھی تھا۔ عادلہ کو زندہ دیکھ کر وہ بھی بہت خوش ہوا اور بولا:

"خدا کا شکر ہے شہزادی صاحبہ کہ آپ زندہ و سلامت ہیں۔" شہزادی کا لفظ سن کر احتشام نے مسکرا کر عادلہ کی طرف دیکھا۔

"آپ زخمی تو نہیں ہوئے؟" عادلہ نے دریافت کیا۔

"کاش میں اپنے بادشاہ پر نثار ہو جاتا" افسر نے جواب دیا۔ اب احتشام کا شبہ یقین سے بدل گیا کہ یہ حسینہ شہزادی رضیہ ہی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے کانوں سے یہ لفظ شاہی فوج کے آدمی کی زبان سے سن لیا تھا۔

احتشام کے ہمدردو شریفانہ طرز عمل سے عادلہ بہت خوش ہوئی کیونکہ اس نے شاہی فوج کے تمام زخمیوں کی اپنی نگرانی میں اچھی طرح مرہم پٹی کرا دی تھی اور مقتولین دفن کر دیئے گئے تھے۔ اسی طرح قیدیوں کے ساتھ بھی اُس نے مہربانی کا سلوک کیا۔ پھر عادلہ کی خاطر و مدارات میں تو اس نے کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ یہ اخلاق سے بڑھ کر خالص اس کے دل کا تقاضا تھا اور جب یہ کمبخت دل جو ہمیشہ نشیب و فراز زیر غور کیے بغیر کسی پر آ جانے کا عادی ہے، اپنے اندر گداز پانے لگا تو تین چار روز بعد ہی سے احتشام تمنا کرنے لگا کہ کاش عادلہ کے تنِ نازک کے زخم منتقل ہو کر اس کے جسم پر آ جمیں۔

"کیا اب بھی آپ مجھے فریب دے سکتی ہیں کہ آپ شہزادی رضیہ نہیں ہیں؟" دوسرے روز دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد احتشام نے مسکرا کر عادلہ سے کہا۔

"کیا اس دوران میں آپ کو کوئی الہام ہو گیا؟" عادلہ نے حسب دستور طنزیہ کہا۔

"جی ہاں الہام ہی سمجھیے۔ اس روز آپ کے ایک افسر نے آپ کو شہزادی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔" احتشام نے کہا۔ عادلہ کو اس کے مغالطہ پر ہنسی آ گئی۔ احتشام اپنا فوجی وقار بھول

کر اس دلکش فنی سے شہید ہو گیا۔

"حضور یہ سمجھی ہوں گی کہ میں انسان فہم نہیں ہوں۔ آپ کی شجاعت اور پھر حُسن کو دیکھ کر میں تو سمجھ گیا تھا کہ یہ ہو نہ ہو شہزادی رضیہ ہی ہیں۔ کیونکہ ان کے حُسن و شجاعت کا دُور دُور تک شہرہ پھیلا ہوا ہے۔" احتشام اپنے لطیف مغالطہ پر جما رہا۔

"آپ ایک افسوس ناک مغالطہ کا شکار ہو رہے ہیں۔ ذرا جا کر اس ہمارے افسر سے دریافت تو کر آیئے کہ میں کون ہوں۔" عادلہ نے کہا۔

"وہ کیوں مجھے آپ کی حقیقت سے آگاہ کرنے لگا۔ کیا اسے یہی شہزادی کا پاس مقصود نہیں۔" احتشام نے کہا۔

"ضرور ہے۔ اسی لیے وہ آپ سے حقیقت نہیں چھپائے گا۔ آپ کو شاید اب بھی یقین نہیں آ رہا ہو گا کیونکہ انسان اپنے خیال کو جلد بدل ڈالنا پسند نہیں کرتا بالخصوص گمراہی کو۔" عادلہ نے طنزیہ کہا۔ "اس لیے اسی افسر کو یہاں بلا کر دریافت کر لیجیے کہ میں کون ہوں۔ آپ خود سوچیے اگر میں شہزادی ہوتی تو کیا اس طرح چھوٹا سا دستہ لے کر چھوٹے موٹے دھاوے کرتی پھرتی۔ شہزادی کے جلوس میں تو ایک لشکرِ عظیم ہوتا جو آپ کے ایلدوز صاحب کو ایسا سبق دیتا کہ وہ تمام بغاوت بھول جاتے۔"

احتشام چپ ہو گیا۔ اب اس کی سمجھ میں عادلہ کے الفاظ کی صداقت آنے لگی۔ اس نے عادلہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی پسندیدگی تھی بلکہ ان میں اب امید کا شائبہ زیادہ نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ وہ جب تک عادلہ کو شہزادی سمجھتا رہا اس پر ایک قسم کی مایوسی طاری رہی کہ کہاں ایک سلطنت کی پُر وقار شہزادی اور کہاں ایک فوج کا معمولی افسر۔

"پھر آپ کون ہیں؟" آخر اس نے عادلہ سے دریافت کیا۔

"اس کا معلوم کرنا آپ کے لیے ضروری نہیں۔ اپنے خدا ترس اور مومن بادشاہ کی رعیت ہوں اور اسلام کی فدائی۔" عادلہ نے جواب دیا۔ احتشام خاموش ہو گیا۔ عادلہ کی

حکمت اور جس طرح اس کی سپاہ اس سے محبت کرتی تھی اس کو دیکھ کر احتشام نے یہ ضرور اندازہ لگالیا تھا کہ یہ کوئی بے اونچے درجہ کی لڑکی۔ ممکن ہے شاہی خاندان ہی سے ہو، جب ہی تو فنِ سپاہ گری میں اتنی عالی درجہ کی مہارت رکھتی ہے اور لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ آخر بولا:

"آپ خواہ کوئی ہوں۔ میرے لیے قابلِ احترام و محبت ہیں۔" اور لفظ محبت زبان سے نکل جانے کے بعد وہ خود بخود چونک سا پڑا۔

"اس وقت تو میں محض قیدی ہوں۔" عادلہ نے افسردگی سے کہا۔

"کیا آپ اجازت دے سکتی ہیں کہ کسی وقت آ کر آپ سے کوئی تفصیلی گفتگو کر سکوں۔ میں دراصل آپ کے بادشاہ کے متعلق بہت سی باتیں معلوم کرنے کا متمنی ہوں۔" احتشام نے کہا۔

"اس بات میں آپ کو شدید مایوسی ہوگی۔ آپ ہمارے بادشاہ اور اس کی سلطنت کے متعلق ایک لفظ میری زبان سے نہیں سن سکیں گے۔ جان چلی جائے مگر میں اپنی حکومت کی خلاف مخبری کرنا گوارا نہیں کروں گی۔" عادلہ نے کہا۔

"آپ کو مغالطہ ہوا شہزادی...."

"کیا آپ اب بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ میں شہزادی ہوں۔" عادلہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"پھر آپ کو کیا کہہ کر مخاطب کروں، آپ ہی بتائیے۔" احتشام نے پوچھا۔

"میرا نام عادلہ ہے۔"

"اچھا تو عادلہ صاحبہ میرا مقصد آپ کے ہاں کے سیاسی حالات معلوم کرنا نہیں تھا بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ سلطان التمش کے مزاج، عادات و خصائل کے متعلق کچھ معلوم کروں۔" احتشام نے کہا۔

''وہ سلطان نہیں ہیں شہنشاہ ہیں۔'' عادلہ نے کہا۔

''چلیے آپ کی خاطر میں یہ بھی مانے لیتا ہوں۔'' احتشام نے مسکرا کر کہا۔

''میری خاطر نہیں، اپنی اور اپنے باغی امیر کی گردن کی خاطر کہیے۔'' عادلہ نے غصہ سے کہا مگر احتشام کا چہرہ غیر متغیر دیکھ کر اس کا غصہ دھیما پڑ گیا۔

''کیا آپ ہمارے امیر کو باغی کہہ کر اہانت نہیں کر رہی ہیں۔ میں تو چاہتا تھا کہ آپ کی خوبیاں بیان کرتا ہوا آپ کو اپنے امیر کی خدمت میں لے جاؤں مگر آپ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سے سخت کاوش رکھتی ہیں۔'' احتشام نے سرد لہجہ میں کہا۔

''میں تاج الدین ایلدوز سے کچھ اپنی ذات کی بنا پر عناد نہیں رکھتی بلکہ ان کی حرکات ہی ایسی ہیں کہ کوئی بھی صاحب عقل انسان ان کی توصیف نہیں کر سکتا۔''

''خیر اب شام کو گفتگو ہوگی۔ آپ آرام کیجیے۔'' احتشام نے کہا اور خیمہ سے چلا آیا۔

۱۲

احتشام کے دل و دماغ سے عادلہ کا تصور ایک لمحہ کے لیے دور نہیں ہوتا تھا۔ شب خون کے موقع پر جب اس نے اس سے دو دو ہاتھ کیے تھے تو وہ اس کو کوئی آزمودہ کار جہاں دیدہ افسر سمجھا تھا۔ اس کی شمشیر و سناں اور جرأت و شجاعت سے مرعوب تو نہیں ہوا تھا مگر دل میں اس کو اعتراف کرنا پڑا تھا کہ اس شاہی سردار سے مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اگر اس کو اپنی غافل سپاہ کو قتل ہونے سے بچانے کی فکر مقدم نہ ہوتی تو وہ اس کے سامنے جم کر مقابلہ کرنے کو تیار تھا۔

پھر جب اس کے سپاہیوں نے اس شاہی سردار کو نرغے میں لے کر اور اپنے کئی آدمی ضائع کر کے گرفتار کر لیا تھا تو اس کو افسوس ہوا تھا کہ مقابلے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ چونکہ خود بہادر تھا اس لیے اس افسر کے ساتھ اس نے کسی بدسلوکی کو روا نہ رکھا اور اس کے

زخمی ہو جانے کے بعد فوراً ہی مرہم پٹی کا انتظام کر دیا تھا لیکن اس کے بعد وہ افسر بے ہوش ہو گیا اور اسی عالم میں اس بہادر افسر کا حیرت ناک بھید اس کے علم میں آیا کہ جس کو وہ ایک جہاں دیدہ سپاہی سمجھا تھا وہ تو ایک نوعمر حسین لڑکی ہے۔ وہ فرطِ حیرت سے ششدر رہ گیا تھا۔ اس نے اس زخمی و بے ہوش لڑکی کو آ کر دیکھا اور اس کے بگڑے ہوئے حلیے میں بھی اسے ایسی قیامتیں نہاں نظر آئیں کہ یہ بے چارہ افسر دل پکڑ کر رہ گیا تھا۔ پھر عادلہ کے خیمے سے نکل کر جب تک باہر رہا اس کا دل برابر تقاضا کرتا رہا کہ ایک بار اور اس دلکش صورت کو دیکھ آئے جو ایک ہی نظر میں اس کے قلب و روح پر چھا گئی تھی۔

مگر تھوڑی دیر بعد اسے مایوسیوں نے آ دبایا۔ وہ عادلہ کو شہزادی رضیہ سمجھا اور اتنے بڑے بادشاہ کی یکتائے روزگار لڑکی سے دل ہار بیٹھنا اسے اپنی صریح بدنصیبی محسوس ہونے لگی۔ وہ ایک تو التمش کے دشمن کی فوج سے متعلق تھا دوسرے کہاں ایک شہزادی اور کہاں ایک معمولی امیر کی فوج کا سردار۔

پھر ایک روز روز کے بعد خود عادلہ اور واقعات نے اس کے شبہ کی نفی کی کہ یہ شہزادی نہیں ہے تو اس کو مسرت بھی ہوئی اور امید بھی بندھی کہ یہ لڑکی شکر ہے اتنی اونچی نہیں نکلی کہ جس تک کسی ایسے شریف انسان کا ہاتھ نہ پہنچ سکے جس کی رگوں میں شاہی خون نہ ہو لیکن افسوس یہ لڑکی تو شہزادی نہ ہونے کے باوجود تمکنت و دبدبہ میں شہزادی سے بھی زیادہ غیر مستفید ثابت ہو رہی تھی۔ اس نے اب تک اس غریب سپاہی پر ایک تبسم نواز کے علاوہ اور کوئی حیات بخش توجہ یا کرم نہیں فرمایا تھا۔ پھر اس محبوبانہ تبسم میں بھی طنز شامل تھی جو اس کے لب میگوں کو زیب نہیں دے رہی تھی۔

مگر حسرت نصیب احتشام کی یہ تمام یاس و افسردگی اپنی جگہ حق بجانب نہیں تھی کیونکہ سنگ دل عادلہ احتشام کے موہ لینے والے شریفانہ طرزِ عمل اور اس کے سپاہیانہ بانکپن سے تمام تر بے اعتنائی نہیں برت سکی۔ جب زخموں کی سوزش کم ہوتی اور جنگل کی رات میں نیم مند

سپاہی گاتے تو اس کی روح سے بھی ایک ہلکا سا ترنم بلند ہونے لگتا جس کو ہوش میں آ کر وہ وہیں روک دیتی۔

عادلہ سپاہیانہ جوہر سے مرصع ہونے کے باوصف خشک دگنگ جذبات والی لڑکی نہیں تھی بلکہ وہ رضیہ کے مقابلہ میں دل کے پاس زیادہ بیدار تھی۔ رضیہ شہزادگی یا غرور و تمکنت کی بنا پر بے حس نہیں تھی، مگر وہ محبت کو ایک بہت دور کی چیز سمجھتی تھی اس کے نزدیک یہ زندگی کے ٹھہراؤ کا ایک بے فیض لمحہ تھا۔ جس کو قریب ہی نہ آنے دیا جائے تو اچھا ہے۔

''عادلہ کو گرفتار ہوئے چار روز گزر گئے تھے، ان چار روز میں احتشام کی تمناؤں کی عمارت تو بلند ہو کر ثریا تک جا پہنچی تھی اور عادلہ کی تلخ مسکراہٹ بہت کم ہو گئی تھی مگر تبسم شیریں اب تک اس کے لبوں پر بوسہ انداز نہیں ہوا تھا۔''

ایک روز احتشام نے بہت اصرار کے بعد خود اپنے ہاتھ سے عادلہ کی مرہم پٹی کی اور بولا:

''کاش یہ ممکن ہوتا کہ ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے جسم میں پہنچا دیا جائے تو میں آپ کے ضائع شدہ خون کی تلافی کے طور پر اپنا لہو آپ کے جسم میں منتقل کر دیتا۔''

''مگر میں اس کو گوارا نہیں کرتی۔'' عادلہ نے پیر سیدھا کر کے کہا۔

''کیوں؟'' احتشام نے اس کے ماؤف شانے کے نیچے تکیہ رکھتے ہوئے کہا۔

''کیونکہ اس طرح آپ کا باغی خون میرے جسم میں پہنچ جاتا۔'' عادلہ نے تلخی سے کہا۔ احتشام ان کلمات سے دلگیر ہوا اور خاموش ہو گیا۔

''خون صالح ہی انسان صالح پیدا کرتا ہے۔'' عادلہ نے پھر کہا۔

''اس کا فیصلہ انسان بمشکل کر سکتا ہے کہ کون سا خون غیر صالح ہے۔'' آخر احتشام نے اہانت کی چبھن سے نجات پانے کو کہا۔

''میرا خیال ہے کہ اس کا فیصلہ ہر انصاف پسند انسان کر سکتا ہے۔ اب آپ امیر

تاج الدین ایلدوز ہی کو لے لیجیے۔ کیا انھیں التمش جیسے بادشاہ سے بغاوت کرنا لازم تھا جو ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی باقاعدہ طور پر پہلی مرتبہ داغ بیل ڈالنا چاہتا ہے۔ سلطان محمد غوری آئے اور چلے گئے۔ ان کے ذہن میں یہاں کوئی اسلامی حکومت قائم کرنے کا تصور نہ تھا۔ ان کے بعد قطب الدین ایبک نے اس تصور کو پروان چڑھانا چاہا مگر عمر نے وفا نہ کی۔ اب التمش اس مقدس فریضہ کے لیے کوشاں ہیں تو مسلمان امرا و جاگیردار ہی ان سے بغاوت کر رہے ہیں۔ لازم تو انھیں یہ تھا کہ اس معاملہ میں وہ اپنے مسلمان بادشاہ کا ہاتھ بٹاتے۔" عادلہ نے کہا۔

شاید اپنے مشن کی کمزوری سے احتشام بھی واقف تھا یا اب عادلہ کے کلمات نے اسے آگاہ کر دیا تھا، اس لیے وہ مدافعت میں کوئی دل کو لگتی ہوئی بات نہ کہہ سکا۔ صرف اس قدر اس کی زبان سے نکلا:

"فی البدیہہ کسی کو باغی کہہ دینے سے بہتر یہ ہے کہ اس کے دل کا جائزہ بھی لیا جائے۔"

"آپ نے کبھی ایلدوز کے دل کا جائزہ لیا؟" عادلہ نے دریافت کیا۔

"میں سپاہی ہوں۔ میرا میدان حرب ہے، محفل نہیں ہے۔" احتشام نے کہا۔

"مگر حق کے سپاہی کو یہ چیز ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس کی خدمات راہِ حق میں صرف ہو رہی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنے باطل پرست آقا کی حمایت میں بر بنائے مغالطہ راہِ صواب سے ہٹ گیا ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"میں پھر کہوں گا عادلہ صاحبہ کہ اس کا فیصلہ کرنا میرا یا آپ کا کام نہیں۔"

"کیوں نہیں۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ جائیے اپنے یا میرے سپاہیوں کو قتل کر آئیے تو کیا آپ اس کی تعمیل کر سکتے ہیں؟" عادلہ نے کہا اور اس کے لبوں پر تبسم آ گیا، جس میں بہت کم تلخی تھی۔

''آپ نے مثال صحیح نہیں دی، اگر یہ کہتیں کہ آپ کے حکم سے میں آیا اپنا گلا کاٹ سکتا ہوں یا نہیں تو کوئی بات بھی تھی۔'' احتشام نے کہا۔

''مثال تو یہ بھی غلط ہے۔ اچھا فرض کیجیے میں ایسا حکم دوں۔'' عادلہ نے اس کی جانب دیکھ کر دریافت کیا۔

''فرض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ حکم دے کر دیکھیں۔'' احتشام نے ذرا جوش سے کہا۔ عادلہ اس کی نظروں سے اپنا چہرہ بچانے کو دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ زبان سے کچھ کہنے کے بجائے ایک شیریں مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آگئی۔ پہلی شیریں مسکراہٹ۔

''ہم غلط گفتگو کی طرف چلے گئے۔ خیر اس قسم کا کوئی حکم دینے کے بجائے میں یہ کہوں گی کہ اگر میں آزاد ہو گئی اور آپ میرے مقابلہ کے لیے آئے تو میری تلوار سے بچ نہیں سکیں گے۔'' آخر ذرا وقفہ کے بعد عادلہ نے کہا۔

''مجھے اس میں کلام ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ آپ کو اپنا مقابل پا کر میں اپنی مدافعت بھول جاؤں۔'' احتشام نے کہا۔

''یہ بھی میری شمشیر کا رعب ہوگا۔'' عادلہ نے کہا۔ اس کے لہجہ میں جوش نہ تھا۔

''اس دعویٰ کی تردید کر کے میں آپ کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا۔'' احتشام نے کہا۔

''اس کے یہ معنی کہ آپ کو میرے اس دعوے میں بھی کلام ہے۔''

''رعب میں کلام نہیں۔ نہ سہی آپ کی شمشیر کا رعب، مگر آپ کی کسی خصوصیت کا ضرور ہوگا۔'' احتشام نے اسی طرح مسکرا کر کہا۔ عادلہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''آپ شاید مجھے قید کر کے دل میں فخر محسوس کر رہے ہوں گے اور مجھے ایلدوز کے پاس لے جا کر بڑی شجنیت سے کہیں گے کہ لیجیے امیر میں تمش کے محل میں گھس کر شاہی

خاندان کی ایک لڑکی کو پکڑ لایا ہوں۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"آپ میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہی ہیں۔" احتشام نے افسردہ لہجہ میں کہا۔

"آپ لوگوں کے ساتھ انصاف تو اس وقت ہوگا جب پنجاب و غزنی ہمارے قبضے میں آ جائیں گے۔" عادلہ نے اسی حقارت سے کہا۔

"خیر ابھی تو آپ قیدی کی طرح امیر کے پاس جا رہی ہیں مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ان شاء اللہ آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں ہونے دوں گا اور وہاں آپ کے آرام کا خیال رکھوں گا۔" احتشام نے کہا۔

"مجھے آرام و آسائش کی پروا نہیں، سپاہی قوم کی بیٹی ہوں۔ رہا سلوک یا بدسلوکی تو باغی دشمن جو کچھ کرے کم نہیں۔" عادلہ نے غصہ سے کہا۔

احتشام اس کے سخت الفاظ اور توہین آمیز گفتار کو صبر و سکون سے برداشت کر لیتا تھا۔ کچھ نہ بولا، صرف یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہم کل دوپہر کے بعد یہاں سے کوچ کریں گے۔ آپ تیار رہیں۔"

یہ عجیب بات تھی کہ جب احتشام عادلہ کے پاس ہوتا وہ اسے اپنا دشمن سمجھ کر غرور و حقارت سے اس کے ساتھ پیش آتی اور جب وہ چلا جاتا تو اس کا دل ملائم پڑ جاتا۔ اس کے اطوار و گفتار اسے خوش آیند معلوم ہونے لگتے، مگر احتشام کی یہ حالت تھی کہ عادلہ کے متکبرانہ انداز کے باوجود نہ تو وہ بدمزہ ہوتا اور نہ اس کے خلاف کوئی بری رائے قائم کرتا بلکہ اس کے دل میں اس کا لطیف تصور اور پیاری صورت سرور و لطف پیدا کرتی رہتی مگر وہ اپنے فرائض سے مجبور تھا۔ اپنے دل کی تپی آگ کے جذبے میں نہ تو اس کو آزاد کر سکتا تھا اور نہ اپنے آقا سے انحراف کر سکتا تھا۔

مگر کبھی کبھی اس کو عادلہ کی رکھائی اور بے توجہی کا خیال بھی آتا۔ اس وقت اس پر مایوسی طاری ہو جاتی۔ جن حالات میں اس کی ملاقات اس لڑکی سے ہوئی تھی ان کا تقاضا اسی

قسم کا ہو سکتا تھا کہ یہ قیدی لڑکی نہ صرف اس سے کھنچی کھنچی رہے بلکہ اس کی جانب کوئی التفات تک نہ کرے۔ ان حالات میں عادلہ کے سخت دل کو اپنے حق میں ملائم ہونے کی اس کی توقع نہ رہی تھی۔

دوسرے روز بہت شدید بارش ہونے کی وجہ سے احتشام کو سفر ملتوی کرنا پڑا۔ بارش کی وجہ سے گرمی کا موسم بہت ملائم ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، جنگل کے سرسبز درخت اور جھاڑیاں اور مینہ کی لطیف پھوار سے دل میں اُمنگ سی پیدا ہونے لگی۔ اس سہانے موسم میں احتشام کے دل میں کسی کی یاد کی ٹیس اُٹھنے لگی اور اس نے خیریت دریافت کرنے کے بہانے عادلہ کے خیمہ میں قدم رکھا۔

عادلہ دوسرے دروازے پر کھڑی ہوئی مینہ کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ عقب میں پیر کی چاپ سن کر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ بارش کی رومانی فضا میں اس وقت احتشام کا آنا اسے ناگوار نہیں گزرا مگر حسبِ عادت التفات و بے توجہی کے ساتھ وہیں کھڑی رہی۔ احتشام نے جب دیکھا کہ وہ متوجہ ہی نہیں ہوئی تو ایک دو منٹ کے بعد مایوسانہ لوٹ آیا۔

۱۳

بارش تھم جانے کے بعد ایک دو روز تک راستہ خشک ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔ جب کیچڑ اور پانی کم ہوا تو آخر احتشام نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ اس نے اپنے آدمیوں سے مشورہ کیا کہ آیا پوری پلٹن واپس چلے یا وہ صرف پچاس ساٹھ سواروں کے ساتھ قیدیوں کو لے کر روانہ ہو جائے۔

”میرے خیال میں تو پورا دستہ قیدیوں کو حراست میں لے کر واپس چلے، بہتر یہی ہے۔“ ایک ماتحت افسر نے احتشام سے کہا۔

"اور میری رائے یہ ہے کہ پچاس ساٹھ آدمی کافی ہوں گے۔ ہم چونکہ اپنی سرحد کو عبور کر آئے ہیں لہٰذا قبضہ کی ہوئی زمین کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ سات سو سے زیادہ آدمی یہیں پڑاؤ ڈالے رہیں باقی سو پچاس سوار قیدیوں کو لے کر روانہ ہوں۔" دوسرے نے کہا۔ خود احتشام کا بھی یہی خیال تھا۔ چنانچہ اس نے یہی طے کیا کہ تھوڑی سی جمعیت لے کر وہ قیدیوں کے ہمراہ روانہ ہو جائے۔

عادلہ کے زخم بھرنے شروع ہو گئے تھے چنانچہ اس نے لاچار انسان کی طرح کسی گاڑی میں پڑ کر روانہ ہونے کے بجائے گھوڑے پر سپاہیانہ شان سے سفر کرنا پسند کیا۔

"مگر کافی طویل منزل طے کرنی ہے، آپ کو تکلیف ہو گی۔" احتشام نے اس سے کہا۔

"آپ میری تکلیف یا راحت کے نگراں زبردستی کیوں بنے جا رہے ہیں۔" عادلہ نے رکھائی سے جواب دیا۔ احتشام اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

غرض یہ چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوا۔ آگے آگے احتشام اس کے پیچھے چند سوار، درمیان میں قیدی اور ان کے عقب میں بقیہ سوار۔ اس طرح یہ لوگ منزل طے کرنے لگے۔ احتشام کا جی چاہتا تھا کہ اپنے قیدی کا دل بہلانے کے لیے وہ اس کے گھوڑے کے قریب اپنا گھوڑا لے جائے اور اس کے سخت الفاظ ہی سنتا ہوا اس کے ساتھ چلے مگر احتشام قریب آجاتا تو عادلہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتی۔ بدستور خاموش سفر کرتی رہتی۔

صبح روانہ ہو کر اس قافلہ نے شام کو چار بجے تک بیس پچیس میل سے زیادہ کا سفر طے کر لیا تھا۔ ابر کی وجہ سے دھوپ کا خوف نہ تھا اور نہ گرمی تھی۔ راہ میں گھوڑوں کو پانی پلانے کی ضرورت پیش نہیں آئی بس راستہ طے ہوتا رہا۔ گزشتہ بارش کی وجہ سے گڑھوں میں اب بھی پانی بھرا ہوا تھا اور چھوٹی ندیاں نالے ہر چند چڑھ کر اتر چکے تھے مگر اب بھی ان کے درمیان پانی کی پتلی دھار بہہ رہی تھی۔

کبھی گھنا جنگل ہوتا تھا، کبھی میدان، کبھی پہاڑیاں، گاہے ٹیلے، تھوڑی دیر بعد گھنے جنگل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جس کے اسرار میں عادلہ قیدی ہونے کے باوجود گم ہوئی جا رہی تھی۔ احتشام بھی لطیف موسم، سہانے جنگل در عقب میں ان تمام طاقتوں کی ملک کے تصور میں کھویا ہوا تھا وہ خود کو اس قدر مامون و محفوظ سمجھ رہا تھا کہ اسے کبھی یہ خوف لاحق ہوا ہی نہیں کہ کوئی افتاد آسکتی ہے۔

ابھی شام دُور تھی اس لیے قافلہ کے پڑاؤ کا خیال نہیں تھا۔ اچھا ہے شام تک اور زیادہ منزل طے ہو جائے۔ اس لیے سب گنجان درختوں، الجھی ہوئی جھاڑیوں کو چیرتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ نشیب و فراز اور درختوں کے جھنڈ کی وجہ سے تمام آدمی بے ترتیبی سے منتشر ہو کر سفر طے کر رہے تھے۔ احتشام اب بھی سب سے آگے تھا۔ اس سے بیس تیس قدم پیچھے چند سوار تھے، ان کے درمیان میں عادلہ کا گھوڑا تھا۔ اسی کے متصل دوسرے قیدی گرتے پڑتے چلے آ رہے تھے اور سب سے آخر میں احتشام کے بقیہ سواروں کا دستہ تھا۔

تھوڑی دُور چل کر احتشام کا گھوڑا دفعتاً بھڑکا۔ اس کے بعد ناک سے زور زور سے سانس لے کر کنوتیاں بدلنے لگا۔ احتشام نے سزا کے طور پر اس کے چابک رسید کیا اور تیز چلنے کی فرمائش کی مگر چند قدم چل کر گھوڑا پھر بھڑکا اور اس کے ساتھ اس دفعہ دوسرے گھوڑے بھی بدکنے لگے اور ہنہنانے لگے۔ ان کے ہنہنانے کی آواز بلند ہوتے ہی دُور سے اور بہت سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز آئی، جس سے احتشام کے سوار خوفزدہ سے ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ احتشام بھی حیرانی سے چوطرف نظریں دوڑانے لگا۔

ابھی سب کے سب مبتلائے حیرت ہی تھے کہ قریب میں بے شمار گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ہوئی پھر جس طرح ایک دم طوفان اُمڈ آتا ہے۔ آناً فاناً میں کوئی دو سو ڈھائی سو سواروں نے تیزی سے نمودار ہو کر چوطرف سے احتشام کے رستے کو گھیر لیا۔ یہ وہی شاہی

دستہ تھا جس کو کمک کے طور پر شب خون مارنے سے قبل عادلہ بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ عادلہ وغیرہ کی گرفتاری کے بعد سے وہ موقع کا منتظر تھا۔ چنانچہ آج اپنی سردار عادلہ اور اس کے ساتھ قید ہو جانے والے دوسرے سپاہیوں کو چھڑانے کے لیے یہ زریں موقع اس کے ہاتھ آ گیا کیونکہ دشمن تعداد میں بھی کم تھے اور منتشر بھی تھے۔

شاہی دستہ آتے ہی اپنے دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے اتنا بھی موقع نہیں دیا کہ احتشام کی سپاہ یکجا ہو کر اس اچانک حملہ کے خلاف کوئی مدافعت اختیار کر سکتی۔ سب حواس باختہ ہو گئے مگر احتشام نے اس ناگہانی آفت کو دیکھ کر بھی اپنے اوسان قائم رکھے اور بسرعتِ تمام اپنے آدمیوں کو جمع کر کے حملہ آوروں کی جانب متوجہ ہو گیا۔

چند ہی منٹ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ تنہا احتشام نے اس قدر تیزی سے حملہ کیا کہ کئی شاہی فوج کے سپاہیوں کو قتل کر کے دگلے حملے آوروں کو پسپا کر دیا۔ اس کے بعد اس نے بڑھ بڑھ کر شجاعت کے جوہر دکھانے شروع کر دیے، اس طرح وہ حریف سپاہ کو مارتا ہوا دور تک نکل گیا۔

مگر اس دوران میں شاہی فوج کے چند جانباز عادلہ تک جا ہی پہنچے۔ ان کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔ اس نے فوراً اپنے آدمیوں سے ہتھیار مانگے، اس کے بعد تو وہ احتشام کی سپاہ پر قیامت بن کر چھا گئی۔

عادلہ کے آزاد ہوتے ہی جنگ کا نقشہ پلٹنے لگا اور چند ہی منٹ بعد احتشام کی سپاہی جنگ مغلوبیہ لڑنے لگی مگر احتشام اب بھی شیر غراں بنا ہوا شاہی فوج پر چھایا ہوا تھا۔

عادلہ نے جلد اندازہ لگا لیا کہ جب تک احتشام مغلوب نہ ہوگا اس کی سپاہ کا حوصلہ بڑھا رہے گا۔ ہر چند وہ تعداد میں کم تھی مگر اس کی کمان احتشام جیسے جانباز افسر کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ عادلہ اپنا گھوڑا اڑاتی ہوئی اس کی طرف روانہ ہوئی اور بہت جلد اسے جا لیا۔ احتشام اپنی شمشیر زنی کے دوران میں اس کو دیکھ کر اور اس کو مسلح پا کر اس کے ہونٹوں پر

مسکراہٹ آ گئی جس سے عادلہ جل گئی۔

عادلہ نے آتے ہی احتشام پر حملہ کیا مگر احتشام نے اس کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی۔ یونہی اس کا حملہ ٹال کر پھر شاہی فوج سے اُلجھ گیا۔ عادلہ پھر اس کے قریب تلوار گھماتی ہوئی پہنچی چونکہ وہ اس کے خلاف اپنی حفاظت پر زیادہ توجہ نہیں کر رہا تھا اس لیے اس کا حصہ جسم عادلہ کی قاتل تلوار کی زد میں تھا۔ عادلہ نے ہاتھ بلند کر کے زور سے اس کے سر پر تلوار مارنی چاہی مگر پھر خود بخود ہاتھ رُک گیا۔ آخر چیخ کر بولی:

"اپنی حفاظت کرو، میری تلوار تمھیں بار بار پناہ نہیں دے گی۔" احتشام نے دشمنوں کے نرغے میں سے مڑ کر دیکھا اور پھر مسکرا کر ذرا چھوٹے دم کے درمیان بولا:

"میں کب آپ سے یا آپ کی تلوار سے پناہ مانگتا ہوں۔" عادلہ دانت کچکچا کر رہ گئی اور اس نے للکار کر پھر تلوار چلائی۔ احتشام نے صرف پینترہ بدلنے پر اکتفا کیا۔ مگر یہ تلوار آخر عادلہ کے سپاہیانہ ہاتھ میں تھی، وہ پوری قوت سے احتشام کے ہاتھ پر پڑی جس سے ہاتھ پہنچے کے قریب سے کٹ کر لٹک گیا۔

بایاں ہاتھ کٹ جانے سے احتشام کی ڈھال چھوٹ کر گر پڑی۔ اس کا ہاتھ بُری طرح جھول رہا تھا اور سخت تکلیف دینے لگا تھا۔ چنانچہ نشہ شجاعت میں اس نے تیزی سے اپنے لٹکے ہوئے ہاتھ کو تلوار سے کاٹ پھینکا اور پھر زخمی شیر کی طرح عادلہ کی فوج میں گھس کر شمشیر زنی کرنے لگا۔

عادلہ اس کی غیر معمولی دلاوری سے حیران رہ گئی۔ اس کا جسم ڈھیلا سا پڑ گیا اور دل جیسے ڈوبنے لگا۔ عین اس حالت میں اس نے دیکھا کہ احتشام کا گھوڑا شدید زخمی ہو کر گرا اور اس کے ساتھ ہی احتشام بھی زمین پر آ رہا۔ اس کے گرتے ہی قریب تھا کہ عادلہ کے سپاہی اس کے ٹکڑے کر دیں لیکن عادلہ بجلی کی طرح وہاں پہنچی اور چیخ کر بولی:

"خبردار جان سے نہ مارنا۔" اس کے بعد خود بھی گھوڑے پر سے اُتر پڑی۔

۱۴

اپنے سردار کے گرفتار ہونے سے احتشام کے آدمی بھاگ چھوٹے۔ بہت سے تو مارے گئے۔ جو باقی بچے انھوں نے جنگلوں میں چھپ کر جان بچائی۔ اب عادلہ بھی آزاد تھی اور اس کے سپاہی جو قید ہوئے تھے ان کو بھی آزادی مل گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں جو قید تھے آزاد ہو گئے اور جو آزاد تھے وہ قیدی بنا لیے گئے۔

شام ہو چکی تھی۔ اس لیے میدان جنگ سے ہٹ کر عادلہ کے آدمیوں نے خیمے نصب کر دیئے۔ اس کے بعد سب نے اپنی مخدومہ کو گھیر لیا اور اس کی خیر و عافیت دریافت کرنے لگے۔

"تم نے بڑا کام کیا احمد رضا کہ اپنی کمک کو روک لیا۔ مجھے رات دن یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ تم حسب ہدایت کمک لے کر نہ آ جاؤ اور مفت میں مارے جاؤ۔ دشمن کی تعداد ہمارے اندازے سے زیادہ تھی، اسی وجہ سے شب خون کامیاب نہ ہو سکا۔" عادلہ نے کمک کے افسر سے کہا۔

"مگر شہزادی صاحبہ ہم غافل ایک روز بھی نہ رہے۔ بس موقع کے منتظر تھے۔ ہمیں یہ انتظار تھا کہ دشمن کب آپ کو لے کر پنجاب کا رخ کرے اور کب ہم اسے راستے میں جا لیں۔ ادھر آپ کے قید ہو جانے کی اطلاع شہنشاہ سلامت کو بھی پہنچا دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ ایک کثیر فوج لے کر ان شاء اللہ دشمن کی سرکوبی کو جلد آیا چاہتے ہیں۔" افسر نے جواب دیا۔

"اچھا ہم یہاں صبح تک قیام نہیں کریں گے، کیونکہ دشمن کا وہ کیمپ جہاں سے ہم آ رہے ہیں یہاں سے دور نہیں ہے اور اس کی تعداد اب بھی چھ سو کے قریب ہے۔ صبح تک ان لوگوں کو اپنے آدمیوں کے حشر کی اطلاع ہو جائے گی اس لیے بہتر ہے کہ ہم پچھلی رات ہی کو یہاں سے تیزی کے ساتھ مراجعت کریں۔" عادلہ نے کہا۔

"بہتر ہے۔" سپاہیوں نے جواب دیا۔ عادلہ اپنے خیمہ میں جانے لگی تو اس نے پھر کہا:

"دیکھو جو سردار گرفتار ہوا ہے، اس کا خیال رکھنا۔ اس کا ہاتھ کٹ گیا ہے، ممکن ہے اس کے علاوہ اور بھی زخم آئے ہوں اس لیے اس کی اچھی طرح مرہم پٹی کر دی جائے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے خیمے میں چلی گئی۔

احتشام کا ہاتھ کاٹ ڈالنے پر اب عادلہ کو افسوس بلکہ رنج ہو رہا تھا۔ عجیب بے پروا انسان ہے کہ میری تلوار کے خلاف وہ اپنی حفاظت نہیں کر رہا تھا یوں ہماری سپاہ کے مقابلہ میں بھی مدافعت بنا ہوا تھا۔ افسوس اب میں کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں۔ اس نے میرے ساتھ بہت شریفانہ سلوک روا رکھا تھا مگر میں نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ اس کا ہاتھ ہی کاٹ ڈالا۔ عادلہ ایسا محسوس کر رہی تھی گویا اس نے میدانِ جنگ میں دشمن کو زخمی نہیں کیا تھا بلکہ میدانِ جنگ کے علاوہ کہیں اور جگہ مجرمانہ اس کا ہاتھ کاٹا تھا۔ وہ جتنا اس پر غور کرتی اسے یہی محسوس ہوتا کہ حقیقتاً اپنا بچاؤ نہ کر رہا ہو، اس کو مارنا اچھا نہیں ہے۔ ان خیالات کے بعد اس کا دل خود بخود دُکھنے لگا اور اسے احتشام پر بڑا ہی ترس آنے لگا۔

پھر بھی عادلہ احتشام کے پاس جانے میں خفت سی محسوس کر رہی تھی۔ رات کے نو بج چکے تھے۔ سخت تاریک رات تھی کیونکہ آسمان پر گہرا ابر چھایا ہوا تھا۔ تاریک جنگل اور دور مقتولین کی لاشوں پر شیر، لومڑیوں اور گیدڑوں کا شور بڑا بھیانک منظر تھا۔ تھوڑی دیر بعد عادلہ کو مطلع کر دیا گیا کہ احتشام کی مرہم پٹی ہوگئی ہے۔ اس کے اور تو کوئی بڑا زخم نہیں آیا تھا البتہ ہاتھ کا کٹ جانا سخت تکلیف کا باعث تھا مگر بہادر افسر بڑے ضبط و تحمل سے اس شدید تکلیف کو برداشت کر رہا تھا۔

آخر عادلہ نے کسی قدر کشمکش کے بعد اپنے قیدی کے خیمہ کی طرف جانے کا ارادہ کر ہی لیا۔ کھانا ابھی خود اس نے بھی نہیں کھایا تھا اس لیے اپنے آدمیوں کو ہدایت کرتی گئی کہ

تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کا کھانا قیدی کے خیمے میں پہنچا دیا جائے۔ اس شب میں ہدایت کے بموجب عادلہ کے تمام سپاہی ہتھیار لگائے جاگ رہے تھے۔ مبادہ احتشام کی بقیہ فوج کسی وقت حملہ کر دے۔

عادلہ آخر احتشام کے خیمے میں داخل ہوئی۔ احتشام سرنگوں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بال منتشر تھے۔ چہرے پر افسردگی اور تکان طاری تھی اور اس کا کٹا ہوا مظلوم ہاتھ گلے میں لٹکے ہوئے چھوٹے سے جھولے میں پڑا تھا۔ پیر کی چاپ سن کر اس نے سر اُٹھایا اور عادلہ کو دیکھ کر اپنی متغیر حالت چھپانے کے لیے ذرا سنبھل گیا۔

''کیسا مزاج ہے آپ کا؟'' عادلہ نے قریب آ کر دریافت کیا۔ احتشام کو اس سوال میں طنز پنہاں نظر آئی، چنانچہ خاموش ہو گیا۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ میں آپ کا ہاتھ جدا کرنے کا باعث ہوئی۔'' عادلہ نے پھر کہا۔

''اور مجھے یہ افسوس ہے کہ آپ میرا سر قلم کرنے کا باعث کیوں نہ ہوئیں۔'' آخر احتشام نے جواب دیا۔

''آپ میرے الفاظ کا بُرا ماننے میں حق بجانب ہیں۔'' عادلہ نے کہا۔

''بُرا کس بات کا ماننا۔ اگر میں آپ سے یہ شکایت کروں کہ آپ نے مجھے کیوں زخمی کیا تو یہ سخت بزدلی ہے۔ جنگ میں ہم باہمی قتال ہی کے لیے تو مقابل ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی سپاہی اپنے زخمی ہو جانے کا کسی سے گلہ کرے تو وہ سپاہی نہیں۔'' احتشام نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''آپ آرام سے لیٹ جائیے۔ بیٹھے کیوں ہیں۔ کھانا آتا ہو گا۔ اس سے فارغ ہو کر سو جائیے۔'' عادلہ نے کہا۔

''مگر یہ اپنا نمک کھلانے سے قبل مجھے اپنا کلمہ پڑھا دیجیے۔'' احتشام نے مسکرا کر کہا۔

"مقصد یہ کہ آپ کو مشرف بہ اسلام کرلوں؟" عادلہ نے شوخ تبسم سے دریافت کیا۔

"اگر سب مسلمان آپ ہی کا کلمہ پڑھتے ہیں تو چلیے یوں ہی سہی۔" احتشام نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"توبہ کیجیے کیا کفر کے کلمات منہ سے نکال رہے ہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"تعجب ہے کہ آپ کی تلوار میرے ہاتھ کو کلائی پر سے جدا نہ کر سکی یا ان بازوؤں میں اتنی ہی جان ہے۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔

"افسوس کشتوں کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں ورنہ آپ سے کہتی کہ اپنے ان سپاہیوں سے جا کر دریافت کیجیے جو میرے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں۔" عادلہ نے تمکنت سے کہا۔

"شہید ہوئے ہیں کہیے۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔

"خیر شہید سہی، لیکن میں یہ دریافت کرتی ہوں کہ آپ میرے حملوں کے خلاف اپنے بچاؤ میں اس قدر سست کیوں ہو گئے تھے۔" عادلہ نے ملائم پڑ کر کہا۔ احتشام چپ ہو گیا پھر اس کی طرف دیکھنے لگا، وہ اپنی آزادی و فتح مندی کے بعد سے کس قدر بشاش و مسرور نظر آنے لگی تھی اور اس کے ساتھ ہی حسین تر بھی۔

"یہ سوال تو آپ ہی اپنی ساحرانہ اداؤں..... میرا مقصد ہے کہ اپنے پُرسحر اندازِ جنگ سے کیجیے۔" آخر اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ قریب تھا کہ عادلہ کا تیا پھر چڑھ جائے مگر احتشام کے زخمی ہونے کے بعد سے اس کے دل کی تلخی مٹ گئی تھی، اس کے بجائے اس میں ملائمت و تلطف پیدا ہو گیا تھا۔ اب اس کا جی چاہتا تھا کہ خود اپنے زخمی کی تیمارداری کرے اور ہاتھ ضائع ہو جانے سے اس کی محتاجی کو اپنے ہاتھ کی مدد سے مٹائے۔

"لیجیے کھانا آ گیا۔ کھا لیجیے۔" عادلہ نے کہا اور ملازم سے کہہ کر احتشام کا ہاتھ دھلوایا۔ پھر دسترخوان بچھا کر کھانا چن دیا گیا۔

''کس کا انتظار ہے۔ بسم اللہ کیجیے۔'' عادلہ نے دسترخوان کے قریب جا کر احتشام سے کہا۔

''اب ایک ہاتھ سے کیا کیا کام لوں۔'' احتشام نے مسکرا کر کہا مگر عادلہ کو اس کے پُرتاسف کلمات سے رنج ہوا۔ بہرطور فضا برقرار رکھنے کو بولی:

''کیا آپ بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تھے؟''

''میں نے یہ بر بنائے تاسف نہیں کیا ہے۔ اب بھی میں اپنے ایک ہی ہاتھ سے دشمنوں کی صفیں لوٹ سکتا ہوں۔'' احتشام نے جواب دیا اور کھانے میں معروف ہو گیا مگر ایک تو کیک سخت تھے دوسرے گوشت بھی بھنا ہوا تھا اور سپاہیانہ طعام کے اندر ذمیں آدھا کچا تھا۔ احتشام کو ایک ہاتھ سے دونوں چیزوں کو توڑنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔

''کیا آپ نہیں کھائیں گی؟'' احتشام نے عادلہ کو شریکِ طعام نہ پا کر دریافت کیا۔

''میرا خیال ہے کہ پہلے آپ کو کھلا دوں۔'' عادلہ نے کہا اور چھری سے گوشت و کیک کاٹ کاٹ کر احتشام کے آگے رکھنے لگی۔

''اب تو میں سوء ہضم کی حد تک کھا سکتا ہوں لیکن آپ بھی تو کھائیے یا آپ کو اس لیے یہ بہتر ہے کہ میں آپ کا قیدی ہوں اور آپ کا مخالف بھی؟'' احتشام نے کہا۔ عادلہ کا پہلے یہی ارادہ تھا کہ وہ بھی اسی خیمہ میں کھانا کھائے گی مگر اب احتشام کے سامنے کھانے سے شرمانے لگی چنانچہ بات بنا کر بولی:

''مجھے ابھی بھوک نہیں ہے، آپ سلسلہ جاری رکھیں۔''

''عادلہ صاحبہ یہ آپ کے سپاہی کہاں سے اچانک آ کودے، جنھوں نے نمودار ہو کر حالات کو منقلب کر دیا؟'' احتشام نے چند منٹ بعد دریافت کیا۔

''اب آپ ان چیزوں میں سر نہ کھپائیے۔ کھانا کھا کر سو جائیے کیونکہ ہمیں تین چار گھنٹے بعد سفر کرنا ہے۔'' عادلہ نے فوجی معاملات پوشیدہ رکھتے ہوئے جواب دیا مگر پھر اسے

خیال آیا کہ ہاتھ کے درد و تکلیف کی وجہ سے غریب احتشام کو نیند کیا آسکتی ہے۔ اس وقت بھی اس نے بڑی جی داری سے صدمہ کو برداشت کر رکھا تھا۔

۱۵

رات کو دو بجے اُٹھ کر عادلہ نے فوج کو روانگی کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جلد از جلد کوچ کی تیاری کی گئی۔ احتشام کو شدتِ درد کی وجہ سے نیند نہ آسکی تھی اور اب صدمہ کی وجہ سے اس کو بخار بھی ہو گیا تھا۔ ہاتھ کٹ جانے سے تمام جسم مبتلائے تکلیف ہو رہا تھا مگر پھر بھی وہ سفر کے لیے اُٹھ بیٹھا یا اس کو اُٹھ بیٹھنا پڑا۔ افسوس سامان کی گاڑیوں میں گنجائش نہ تھی ورنہ اس کو سوار کر لیا جاتا۔ اتنی تکلیف کے باوجود احتشام نے گھوڑے ہی کی سواری پسند کی۔

بڑی بھیانک رات تھی۔ ہر طرف پُراسرار اور گہرا ابر چھایا ہوا تھا، جس کے اندر کی بجلیاں شاید اس کے آبی حجم میں ڈوب کر بجھ گئی تھیں اور شاید ابر کی کڑک پر صحرا و میدانِ قتال کی ہیبت غالب آگئی تھی کہ خاموشانہ خاموش تھا اور چپ چاپ پھوار برسا رہا تھا۔ دو گھنٹے پہلے زور کی بارش ہو چکی تھی جس کی وجہ سے تمام راستے میں دلدل سی بن گئی تھی۔ اوّل تو کہیں کسی باقاعدہ راستہ کا وجود ہی نہ تھا۔

وہ تو عادلہ کی فوج کا یہ دستہ کئی روز سے جنگلوں میں چھپے رہنے کے باعث ان کی بھول بھلیوں سے واقف ہو گیا تھا ورنہ یہاں سے نکلنا ممکن نہ رہا تھا کیونکہ چو طرف سخت اندھیری رات پھیلی ہوئی تھی۔ عادلہ کو اس پُرصعوبت سفر میں اکثر اپنے دست بریدہ قیدی کا خیال آیا، نامعلوم اب اس کی کیا حالت ہوگی۔

یہ سفر تمام رات جاری رہا۔ جس قدر فوج راستہ طے کرتی رہی بارش کے بادلوں کا شامیانہ طویل ہوتا رہا۔ احتشام کو سخت تکلیف ہو رہی تھی مگر وہ ضبط و استقلال سے اس پُرعذاب سفر کو طے کرتا رہا۔ بارش کی یہ اندھیری رات اگرچہ بھیانک تھی مگر اس تصور سے

اختشام کو تسکین سی ہونے لگی تھی کہ عادلہ کی لطیف و نورانی ہستی اس کے ساتھ تھی۔ کاش وہ اس کے قریب تھوڑی ہی دیر کے لیے اپنا گھوڑا لے آئے مگر پڑاؤ ڈالنے تک اس ستم گر کو نہ آنا تھا نہ آئی۔

آخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ صبح کیا ہوئی شب کی تاریکی ہلکی ہو گئی ورنہ آفتاب کا وجود گم تھا۔ خدا جانے کیا بجا ہوگا لیکن رات بھر کے سفر کے بعد سب کو تکان محسوس ہو رہی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کافی دُور نکل آئے تھے۔

آخر ایک مقام پر جو پتھریلا تھا اور کیچڑ پانی سے بھی محفوظ تھا اور جس کے چو طرف گھنے درخت تھے، عقب میں ایک پہاڑی استادہ تھی، عادلہ نے پڑاؤ کے لیے اس مقام کا انتخاب کیا۔ چنانچہ یہاں ڈیرے ڈال دیے گئے، اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ نصف آدمی آرام کریں اور ان کی نصف تعداد پہرہ دے۔ ساتھ ہی اس نے دُور دُور درختوں پر سپاہی بٹھا دیے تاکہ آنے والے خطرے سے قبل از وقت سب کو آگاہ کر دیں۔

سب خیمہ زن ہو گئے تو عادلہ مسکراتی ہوئی اپنے قیدی کی طرف گئی۔ شب بھر کے تکلیف دہ سفر سے خود اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اختشام بھی نڈھال سا نظر آ رہا تھا مگر عادلہ کا نور نظر آتے ہی اس کی روح میں تازگی کی لہر دوڑ گئی اور وہ اُٹھ بیٹھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اس حالت میں سفر کرنا پڑا مگر یہ ناگزیر تھا۔" عادلہ نے کہا۔ اب اس کی سرد مہری و معاندانہ طرزِ عمل ملائم ہو گیا تھا۔ آخر اس غریب کا ہاتھ بھی تو اسی ظالم نے کاٹا تھا اور وہ بھی کسی شدید مقابلہ میں نہیں بلکہ اس نے خود اپنا جسم اپنی جانِ تمنا کی شمشیر کی نذر کر دیا تھا۔ اسی چیز نے عادلہ کے سخت دل کو نرم کر دیا تھا۔

"کیا زمین ختم ہو گئی کہ آپ نے یہیں سفر روک دیا؟" اختشام نے دریافت کیا۔

"ہاں میں اس زمین کو اپنی جولانگاہی کے لیے بہت تنگ پاتی ہوں۔" عادلہ نے کہا۔

"شاید آپ نے بعض دلوں کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا، جو تمام کائنات سے وسیع تر ہیں۔" احتشام نے جواب دیا۔

"اچھا اب ناشتا کرنے کے بعد آرام سے سو سکتے ہو۔ ہم چھ گھنٹے سے پہلے دوبارہ سفر شروع نہیں کریں گے۔" عادلہ نے کہا اور جانے لگی۔ اس کو تعجب ہو رہا تھا کہ احتشام اپنے اس قدر شدید زخم کے باوجود بشاش نظر آ رہا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ کسی کو دیکھنے سے منہ پر رونق آ گئی تھی۔ آخر جاتے جاتے وہ پھر آہستہ آہستہ لوٹ آئی اور بولی:

"آپ کے ہاتھ کے زخم کی حالت تشویش ناک معلوم ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ساتھ شاہی مرہم نہیں ورنہ چند روز میں آپ کا زخم اچھا ہو جاتا۔"

"یہ زخم ہمیشہ سبز رہنے کے قابل ہے۔ دیکھیے مجھے ایک شعر یاد آیا۔ شاید آپ کو بھی پسند آئے۔" احتشام نے کہا اور شعر خدمتِ ناز میں عرض کرنا چاہا۔

"پہلے زخم دوزی ہو جائے۔" عادلہ نے کہا اور جا کر جراح کو بلا لائی۔ احتشام کے کٹے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر عادلہ کو صدمہ ہونے لگتا تھا۔ اس وقت بھی پٹی کھلی تو اس نے آنکھیں جھکا لیں مگر کھڑی وہیں رہی اور اپنے سامنے مرہم پٹی کراتی رہی۔

اس نے احتشام کو شعر سنانے کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ بے قرار تھا کہ کسی طرح اس کو سنا کر رہے۔ آخر اس نے جراح سے کہا:

"آپ کے علاج سے کتنے دن میں زخم بھر آتے ہیں؟"

"ہراساں نہ ہوں۔ آپ کا زخم بھی جلد بھر جائے گا۔" جراح نے صرف اس کی تسکین کی خاطر کہا۔

"بعض زخم کسی شعر کی تفسیر ہوا کرتے ہیں۔ جیسے میرا زخم اس شعر سے مطابقت کرتا ہے:

تازہ وار د زخم دل فیض نمکدان کسے

سبز شد نخل مراد از آب پیکان کسے

آخر احتشام عادلہ کو شعر سنا کر رہا۔ عادلہ کے لبوں پر تبسم آ گیا۔

دن کے بارہ بجے ہوں گے مگر ابر کی وجہ سے اب بھی صبح کا گمان ہوتا تھا۔ چھ گھنٹے تک آرام کر لینے کے بعد سب تازہ دم ہو چکے تھے۔ کھانا کھانے کے گھنٹا بھر بعد پھر سفر کی تیاری ہونے لگی۔ رہبر کے اندازہ کے مطابق عادلہ کا دستہ دشمن کے پڑاؤ سے بیس میل آگے نکل آیا تھا مگر اب بھی تعاقب کا خطرہ تھا اس لیے دن میں زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لینا چاہتی تھی۔ چنانچہ پھر سفر شروع ہو گیا۔

ابھی اس قافلے نے چند میل ہی طے کیے ہوں گے کہ دور پہاڑیوں کے نشیب میں ایک طویل اور پیچ و خم کھاتی ہوئی چیونٹیوں کی سی قطار نظر آئی۔ عادلہ چونکتی ہوئی اور بلندی پر سے وہ بھی قطار کو دیکھنے لگی۔ فاصلہ زیادہ تھا اور ابر کی وجہ سے اندھیرا ابھی اس قدر تھا کہ یہ تمیز نہیں ہوتی تھی کہ یہ عظیم الشان لشکر کس کا ہو سکتا تھا۔ آخر عادلہ نے اپنے آدمیوں کو پہاڑی کی بلندیوں پر منتشر ہونے کا حکم دیا تا کہ کسی کو نظر نہ آ سکیں۔ پھر چند سپاہیوں سے کہا کہ چپکے سے جا کر سراغ لگائیں کہ یہ کس کا لشکر ہے۔ چونکہ ابھی ایلدوز کا خطرہ ٹلا نہ تھا۔ اس لیے عادلہ کو تشویش ہو رہی تھی کہ کہیں یہ لشکرِ کثیر اسی کا نہ ہو۔

آخر تھوڑی دیر کے بعد جاسوسوں نے آ کر یہ خوشخبری سنائی کہ یہ لشکرِ عظیم اپنے ہی بادشاہ کا ہے اور وہ بنفسِ نفیس اس کی سرکردگی میں ہیں اور ان کے ہمراہ شہزادی رضیہ بھی ہیں۔ اس مژدہ کو سن کر عادلہ خوشی سے اچھل پڑی اور فوراً حکم دیا کہ تمام آدمی کمین گاہ سے نکل کر جلد اپنے بادشاہ سلامت کی قدم بوسی کو لپکیں۔ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ التتمش کی آمد کی خبر احتشام کو بھی پہنچی۔ پہلے تو اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اس جلیل القدر بادشاہ کو دیکھنے کے اشتیاق میں وہ بھی سنبھل گیا اور عادلہ کے قریب آہستہ آہستہ اپنا گھوڑا لے جا کر اس کی مسرت کا تماشا دیکھنے لگا۔

"دیکھیے احتشام صاحب! ہمارے بادشاہ سلامت میری تلاش میں آخر خود نکل

کھڑے ہوئے۔" عادلہ نے انتہائی مسرت سے کہا۔ خوشی کے مارے وہ کلی کی طرح کھلی جا رہی تھی۔ احتشام اس حسین چہرے کو دیکھ رہا تھا اور یہ محسوس کر رہا تھا گویا آفتاب بادلوں کو چیر کر پہاڑی پر اُتر آیا ہے۔ آخر اس نے بھی شاہی لشکر کی طرف نظر دوڑائی اور بولا:

"آپ کے بادشاہ سلامت تو بڑے کروفر سے اتنا عظیم لشکر لے کر نکلے ہیں، آخر کیوں؟" عادلہ اپنی مسرت میں کھوئی ہوئی تھی، اس نے احتشام کے الفاظ پر دھیان نہیں دیا۔ صرف اپنی ہی کہے گئی۔

"اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ شہزادی رضیہ سلطانہ بھی ہیں۔ آپ مجھے شہزادی رضیہ سمجھے ہوئے تھے۔ اب اپنی آنکھوں سے اصلی رضیہ کو دیکھ لیجیے۔" احتشام بھی اصلی رضیہ کو دیکھنے کے اشتیاق میں سنبھل گیا۔

۱۲

تھوڑی دیر میں عادلہ اپنے دستے کو پہاڑی کی بلندی پر سے نیچے اُتار لائی۔ التمش کو بھی اطلاع مل چکی تھی کہ عادلہ کا دستہ پیشوائی کو آ رہا ہے۔ چنانچہ وہ، رضیہ اور چند افسر گھوڑے دوڑاتے ہوئے اسی طرف آئے۔ عادلہ کے تمام آدمی اپنے جلیل القدر بادشاہ کو سلامی کے لیے قاعدہ سے سربستہ ہو گئے اور خود عادلہ اپنا گھوڑا دوڑاتی ہوئی نکلی۔

احتشام ایک طرف کھڑا ہوا راستے پر اشتیاق سے نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہاتھی کی عماری میں بڑی سج دھج سے زرق برق لباس اور جواہرات کی مالا کلغی ور زیورات پہنے ایک عیش و راحت کا پتلا دھرا ہوا ہو گا اور ایک نزاکتِ مجسم لاڈ پیار، شاہی ٹھسے کی ایک خوبصورت گڑیا اپنے فرماں بردار والد کے قریب بیٹھی ہوئی خواہ مخواہ سب پر حکم چلا رہی ہوگی مگر جب احتشام نے اس کے برعکس سین دیکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

اس نے دیکھا کہ ایک دیو پیکر اسپ پر ایک نہایت بارعب سوار چلا آ رہا ہے، جس کے رعب وادب کو دیکھ کر تو اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی شخصیت ہے ورنہ جہاں تک اس کا تعلق تھا اس کے جسم پر ایک موٹی جھوٹی عبا تھی۔ سر پر معمولی سے کپڑے کا سفید عمامہ تھا جس پر کلغی تو کجا کوئی معمولی سا پنچر بھی آویزاں نہ تھا۔ اس کے گھوڑے کا ساز بھی اتنا ہی سادہ تھا جتنا سوار کا لباس تھا البتہ اس کے لمبے لمبے قوی ہاتھ، اس کا چوڑا سینہ، بلند گردن، اونچی پیشانی عقاب کی سی تیز آنکھیں دل پر ہیبت طاری کر رہی تھیں۔

اس کے بعد احتشام کو شہزادی رضیہ کہیں نظر نہ آئی۔ اس کے بجائے اس نے ایک ہیبت ناک گھوڑے پر ایک نوعمر سوار کو بیٹھے دیکھا جس کے بشرے سے التمش کی مشابہت نمایاں تھی البتہ اس کی آنکھیں غیر معمولی حسین تھیں۔ اتنی حسین ودلکش کہ ان کی سحر آفرینی کی کوئی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ اسی طرح اس کا رنگ سرخ وسفید تھا۔ ابرو کمان کی طرح کھنچے ہوئے تھے اور اب یاقوت کے ٹکڑے معلوم ہوتے تھے۔ احتشام نے اس قدر حسین ووجیہ مرد آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس کو دیکھ کر وہ سوچ رہا تھا کہ اس طرحدار شخص کو دیکھ لینے کے بعد ہر لڑکی بے تاب ہو جاتی ہوگی اور عجیب نہیں کہ عادلہ بھی اس کی وجاہت کی گھایل ہو۔ یہ خیال آتے ہی اس کو جذباتِ رقابت نے آ دبوچا۔

احتشام اس خوبرو نوجوان کو دیکھنے لگا مگر اس کو تعجب اس پر ہو رہا تھا کہ اس سجیلے نوجوان کے ہاتھ پیر اس قدر چھوٹے چھوٹے اور نازک نازک سے کیوں تھے۔ دفعتاً اسے خیال آیا کہ یہ کہیں رضیہ نہ ہو۔ عادلہ کو بھی تو اس نے ایسے ہی مردانہ لباس میں دیکھا تھا اور اس کو مرد سمجھ کر اس کی نازک اندامی پر متعجب ہوا تھا۔ ہو نہ ہو رضیہ سلطانہ یہی ہے۔ اس کے بعد وہ اُسے حیرت واشتیاق سے دیکھنے لگا۔

احتشام نے دیکھا کہ عادلہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی اس بارعب وباوقار سپہ سالار کے قریب پہنچی اور جلدی سے گھوڑے پر سے اتر کر اس نے سپہ سالار کی رکاب کو بوسہ دیا۔ سپہ سالار

بھی گھوڑے پر سے کود پڑا اور اس نے فرطِ مسرت سے عادلہ کو گلے سے لگا کر اس کا سر چوما۔ اسی طرح وہ نازنین سوار بھی اتر پڑا اور اس نے بھی بھینچ کر عادلہ کو گلے سے لگا لیا۔

"یہ دونوں کون ہیں جن سے تمھاری سردار عادلہ گلے مل رہی ہیں؟" آخر احتشام نے اپنے قریب والے ایک سوار سے دریافت کیا۔

"ارے آپ ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیتوں کو نہیں پہچانتے۔ یہی تو ہمارے محبوب بادشاہ سلامت ہیں اور دوسری ان کی شہزادی رضیہ سلطانہ ہیں۔" سوار نے جواب دیا۔

"خوب۔ اچھا کیا عادلہ صاحبہ بادشاہ سلامت کی دوسری صاحبزادی ہیں۔" احتشام نے پھر اسی شخص سے سوال کیا۔

"نہیں وہ عالی حضرت کے ایک مرحوم دوست کی بیٹی ہیں مگر بچپن ہی سے شہنشاہ سلامت کے زیرِ سایہ پلی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور والا عادلہ صاحبہ میں اور شہزادی رضیہ میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔" سوار نے جواب دیا۔

خوب صاحب۔ احتشام نے دل میں کہا۔ یہ ٹھاٹ ہیں ہماری عادلہ کے۔ تب ہی تو ان کے پندار و غرور کا یہ عالم ہے کہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتیں لیکن شکر ہے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد سے کسی قدر ملائم نظر آتی ہیں۔ پھر بھی وہ میری ناکارہ ذات میں کیوں دلچسپی لینے لگیں۔ ان کے قدموں پر تو نامعلوم کتنے تاجدار سر جھکانے کو تیار ہوں گے۔ احتشام نے ایک طویل سانس کھینچتے ہوئے سوچا اور اپنے مستقبل کی اندوہناکی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگی۔

ایلدوز نے اتنے بڑے بادشاہ سے ٹکر لی تھی۔ اگر یہ ٹکر حق کے لیے ہوتی تو احتشام کا ضمیر مطمئن رہتا کہ جادۂ راست پر چل رہا ہے مگر عادلہ سے پہلے روز گفتگو کر کے ہی اس کی آنکھوں کے آگے سے پردے ہٹنے لگے تھے اور اسے اپنے مشن کے بودے پن کا احساس

ہونے لگا تھا۔ اس کے معنی یہ نہ تھے کہ وہ اپنے ایلدوز سے باغی ہونے لگا تھا، اس کے بجائے اُس کی خواہش ہوتی تھی کہ کاش ایلدوز اپنے اقدام پر نظر ثانی کرتا اور التمش جیسے جلیل القدر بادشاہ کی اطاعت سے انحراف نہ کرتا۔

ایلدوز کا نوشتۂ قسمت احتشام کو اب صاف نظر آنے لگا تھا اور سب سے زیادہ اس کو اس بات کا رنج تھا کہ اس کے امیر کا انحراف ہزاروں مسلمانوں کے خونِ ناحق کا باعث ہو گا۔ افسوس مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی احتشام کو اپنا انجام بھی سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ ایلدوز کے خاتمے کے بعد اس کا اپنا مستقبل بھی ختم تھا۔

احتشام ابھی اندوگیں خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا کہ قریب میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن کر بیدار ہوا، نظر اُٹھا کر دیکھا تو عادلہ آ رہی تھی۔ اس وقت خوشی اور مسرت کی وجہ سے وہ ایک خوبصورت بچی معلوم ہو رہی تھی، جس کو بادشاہ اور شہزادی نے اسی طرح پیار کیا تھا جس طرح بچوں کو کیا جاتا ہے مگر احتشام کے لیے وہ پہلی اور آخری عورت تھی۔

عادلہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی احتشام کے پاس آئی۔ خوشی اور دوڑ دھوپ سے اس کا نوجوان سینہ پست و بلند ہو رہا تھا۔ آخر مسرت سے بولی:

"چلیے آپ کو ابا حضور نے یاد فرمایا ہے۔" اس طلبی کو سن کر احتشام کا دل رعب سے اُچھل پڑا۔ اس نے اپنے حواس بجا کیے اور چدراتا ہوا بولا:

"ابا حضور کون؟"

"ارے بھئی حضرت والا شہنشاہ التمش۔ اب تو سمجھے؟" عادلہ نے بچوں کی طرح کہا۔

"چلیے میں آپ لوگوں کا قیدی ہوں، کہیں بھی لے جائیے۔" احتشام نے افسردگی سے کہا۔

"ابا بادشاہ کے سامنے ایسی مایوسانہ گفتگو نہ کرنا۔ ورنہ وہ آپ کو بزدل سمجھیں گے۔" عادلہ نے کہا۔

"نہیں عادلہ صاحبہ میں بزدل نہیں ہوں۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ صرف تبدیلیٔ حالات پر ذرا افسوس ہو رہا ہے۔ خیر چلیے۔" احتشام نے کہا اور عادلہ کے ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دُور جا کر گھوڑے پر سے اتر پڑا اور جب اس نے قریب سے التمش کو دیکھا تو باوجود مضبوط دل سپاہی ہونے کے ہیبت سے اس کے قدم بے ترتیب ہونے لگے۔ آخر آگے بڑھ کر آداب بجالایا اور آنکھیں جھکا کر مؤدبانہ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"یہ ہیں ابا حضور وہ سردار۔ ان کا نام احتشام ہے۔" عادلہ نے درمیان میں آ کر تعارف کراتے ہوئے کہا۔ التمش نے اس نوجوان کو سر سے پیر تک دیکھا۔ اس کی جوانی، وجاہت اور مؤدبانہ اطوار کو پسندیدہ نظروں سے تولا۔ پھر مسکرا کر بولا:

"ہمیں افسوس ہے کہ آپ کا ہاتھ ہماری عادلہ سے مقابلہ کرنے میں اتفاق سے کٹ گیا۔"

"اتفاق سے نہیں حضرتِ والا بلکہ ہنگامِ دغا عادلہ صاحبہ غالب آ گئی تھیں۔" احتشام نے نیچی نظروں سے جواب دیا۔

"لیکن میری تلوار سے ان کا ہاتھ جھول کر لٹک گیا تھا۔ جس کو انھوں نے خود کاٹ کر پھینک دیا تھا۔" عادلہ نے کہا اور مسکرانے لگی۔

"اچھا!" رضیہ نے کہا۔ اس نے دل میں احتشام کی ہمت کی داد دی۔ اس کو اس کا کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر افسوس ہوا۔ ایک سپاہی کے پاس کام کرنے والے ہاتھ کے سوا ہوتا ہی کیا ہے۔

"لیکن ابا حضور۔ احتشام صاحب کا یہ کہنا درست نہیں کہ میں ان پر جنگ میں غالب آ گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھ سے مقابلہ کرتے وقت یہ حضرت اپنا بچاؤ بالکل نہیں کر رہے تھے۔ میں نے تلوار اُٹھائی، اندازہ تھا کہ سپر آگے کر دیں گے مگر انھوں نے سپر سے مطلق کام نہیں لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ میری تلوار ان کے اسی ہاتھ پر پڑ گئی۔" عادلہ نے واقعہ بیان

کرتے ہوئے کہا جس کو سن کر التمش کا تبسم فراخ ہو گیا اور رضیہ تو ہنسنے لگی۔ اِن دونوں کو ہنستا دیکھ کر عادلہ کو تعجب ہوا۔ اس کے بعد اس نے جلدی سے احتشام کی طرف دیکھا جو بدستور سر جھکائے کھڑا تھا۔

''کیوں صاحب کیا یہی واقعہ ہے؟'' رضیہ نے احتشام سے دریافت کیا مگر اس نے جواب دینے کی بجائے اور سر جھکا لیا۔

''تمہیں مغالطہ ہوا ہوگا عادلہ، سپاہی اتنا غافل نہیں ہوتا کہ دشمن کے حربے سے خود کو نہ بچائے۔'' التمش نے کہا، اس کے لبوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی۔

''آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔'' التمش نے احتشام سے دریافت کیا۔

''غزنی وطن ہے اور میرے دادا حضرت سلطان محمود غزنوی کی فوج کے سالار تھے۔'' احتشام نے جواب دیا۔

''ایلدوز کے پاس کب سے ہیں آپ؟'' اس بار رضیہ نے دریافت کیا۔

''تقریباً دو سال سے۔'' احتشام نے کہا۔

''ابا حضور آپ آج یہیں پڑاؤ ڈالیں۔ تھک گئے ہوں گے۔'' عادلہ نے التمش سے کہا۔

''میں تھک گیا ہوں گا عادلہ۔ تم کہہ رہی ہو؟'' التمش نے مسکرا کر کہا۔

''تو شہزادی باجی تھک گئی ہوں گی، آج یہیں آرام کریں۔'' عادلہ نے کہا۔ چنانچہ اس کی تجویز کے مطابق وہیں پڑاؤ ڈال دیا گیا۔

١٧

قیام کے بعد عادلہ کی درخواست پر احتشام کے زخم پر شاہی مرہم کے پھاہے لگائے

گئے، اس سے اس کو بڑا سکون اور سوزش میں بھی ایک گونہ کمی ہو گئی۔ ممکن ہے اس میں عادلہ کے اعجاز کو بھی دخل ہو کیونکہ اس کی موجودگی میں مرہم پٹی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گئی اور رضیہ کے خیمے میں جا گھسی تاکہ اپنے سفر کی داستان اسے سنائے۔

التمش کے ہمراہ پندرہ ہزار کی جمعیت تھی۔ عادلہ کی گرفتاری کے بعد ہی ہرکاروں نے مارا مار سے سفر کر کے التمش کو اطلاع پہنچا دی تھی۔ اس خبر کو سنتے ہی وہ ایک منٹ ضائع کیے بغیر نہ صرف عادلہ کو رہائی دلانے بلکہ ایلدوز کے قلع قمع کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ بخت و اتفاق نے ان کو راہ میں عادلہ سے ملا دیا ورنہ اگر احتشام عادلہ کو لے کر روانہ ہوتا تو نہ تو عادلہ کے بجائے اسے قیدی بننا پڑتا اور نہ التمش کو عادلہ ملتی۔ کم از کم اس وقت تک عادلہ کو سراغ ملنا مشکل تھا جس وقت تک ایلدوز کا خاتمہ نہ ہو جاتا۔

التمش، رضیہ اور ان کے درمیان عادلہ کی شان اور اس کی محبوبیت دیکھ لینے کے بعد سے احتشام کو مایوسیوں نے گھیر لیا تھا۔ جوڑ کی شہزادی کی ہم پلہ ہو وہ کیوں کسی کی طرف التفات ارزانی کرنے لگی۔ خیر میری زندگی تو اب معلق ہے، ممکن ہے دہلی پہنچنے کے بعد مجھے تختہ دار نصیب ہو۔ شکر ہے غم محبت سے جلد نجات ملنے والی ہے۔ احتشام نے عالم یاس میں سوچا۔

عادلہ، رضیہ نے ساتھ ساتھ کھانا کھایا۔ اس کے بعد عادلہ رضیہ ہی کے خیمے میں سونے کی تیاری کرنے لگی۔

''ابھی سے سو رہی ہو۔ کیا بہت تھک گئیں؟'' رضیہ نے اس سے پوچھا۔

''نہیں تو۔ میں تو اس خیال سے لیٹ رہی ہوں کہ آپ کے آرام میں کہیں مخل نہ ہوں۔'' عادلہ نے کہا۔

''مجھے تو تکان محسوس ہو رہی ہے نہ نیند۔ اچھا یہاں آؤ میرے پاس۔'' رضیہ نے کہا۔

عادلہ اٹھ کر اس کے قریب بیٹھی۔

"اچھا اب تم سناؤ تمام واقعہ۔" رضیہ نے کہا۔ عادل شب خون مارنے سے لے کر اب تک کے تمام واقعات سنانے لگے۔

"مجھے صرف وہ واقعہ سناؤ کہ کس طرح تمہارا احتشام سے مقابلہ ہوا اور کس طرح اس نے تمہارے حملوں کے خلاف مدافعت نہیں کی تھی۔"

"وہ سنا تو چکی میں آپ کو۔"

"ذرا تفصیل سے سناؤ۔"

"بس تفصیل اتنی ہے کہ یوں احتشام ہمارے آدمیوں سے ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے، جب میں نے دیکھا کہ وہ میری سپاہ کا صفایا کیے جا رہے ہیں تو لپک کر ان کے مقابلہ کو جا پہنچی اور جاتے ہی میں نے ان پر شدید وار شروع کر دیے مگر یہ دیکھ کر حیران سی رہ گئی کہ جس شخص کی تلوار میرے آدمیوں پر قیامت برسا رہی تھی وہ مجھے دیکھتے ہی دھیما پڑ گیا اور مجھ پر جوابی حملہ کرنے کے بجائے الٹا میرے حربوں کے سامنے آنے لگا۔ یہ دیکھ کر میرا ہاتھ بھی رُکنے لگا مگر اسی دوران میں میری تلوار اس کے بائیں ہاتھ پر پڑ گئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بچاؤ کے لیے ڈھال تو اُٹھائے گا مگر اس نے کچھ نہیں کیا اور اپنا ہاتھ کٹوا بیٹھا۔" عادلہ نے کہا۔

"پھر کیا ہوا؟" رضیہ نے دریافت کیا۔

"مجھے اس کا ہاتھ کٹ جانے کا افسوس ہوا، مگر اس کی پیشانی پر بل تک نہ آیا بلکہ جلدی سے اپنے لٹکتے ہوئے ہاتھ کو بالکل جدا کر کے پھینک دیا۔" عادلہ نے احتشام کی ہمت پر فخر کرتے ہوئے کہا۔

"تم بالکل پاگل ہو عادلہ۔ انہی الفاظ میں یہ واقعہ تم نے ابا جان کو بھی سنا دیں۔" رضیہ نے کہا۔

"اس میں کیا حماقت ہو گئی شہزادی باجی!" عادلہ نے سادگی سے کہا۔ رضیہ کو ہنسی

آ گئی۔

''اب دیکھیے آپ پھر ہنسنے لگیں۔ اس وقت بھی ہنسی تھیں۔'' عادلہ نے قدرے خفگی سے کہا۔

''تم اب تک بالکل بچہ ہو۔ اپنے ساتھ احتشام کے اس طرز عمل کو دیکھ کر تمھارے دماغ میں کوئی بات پیدا نہیں ہوئی؟'' رضیہ نے دریافت کیا۔

''کیسی بات؟'' عادلہ نے کہا۔

''مجھے کسی کا ایک شعر یاد آیا۔ پہلا مصرع بھولتی ہوں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ کوئی کسی کی خاطر جان نہیں دیتا لیکن عشق است کہ ہر کار را بشوق کناند''

رضیہ نے مسکرا کر کہا۔ عادلہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور حیرانی سے رضیہ کا منہ دیکھنے لگی۔

''لیٹ جاؤ۔ اس طرح دیوانہ وار کیوں دیکھنے لگیں مجھے۔'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا کہہ رہی ہیں باجی آپ۔'' آخر کار عادلہ کے منہ سے نکلا۔

''جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس کے تجربہ سے خود خالی ہوں لیکن میں نے کہیں پڑھا تھا کہ اکثر مرد خوبصورت لڑکیوں پر عاشق ہو جاتے ہیں۔'' رضیہ نے کہا۔

''اس حساب سے تو باجی آپ پر ہزاروں لاکھوں مرد عاشق ہو گئے ہوں گے۔'' عادلہ نے کہا۔

''کیا خبر۔ مجھے چونکہ محبت وغیرہ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے لہٰذا میں نے کبھی اس پر غور ہی نہیں کیا۔'' رضیہ نے کہا۔

''جیسے میں تو اس پر غور ہی کرتی رہتی ہوں۔'' عادلہ نے کہا۔

''میرے مقابلہ میں تم زیادہ زندہ اور آزاد ہو، اس لیے لوگ بھی تم سے محبت میں آزاد ہیں۔'' رضیہ نے کہا۔

"واہ اس کے یہ معنی کب ہوئے کہ میں بھی ان سے محبت.... کرنے لگوں۔" عادلہ نے احتجاجاً کہا۔

"بے شک ضروری نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ایک باغی کی طرف داری کے جرم میں اگر احتشام تختہ دار پر کھینچ دیا جائے تو تم اس کا کیا اثر لوگی؟"

"تو کیا باجی آپ احتشام کو پھانسی پر لٹکا دیں گی؟" عادلہ نے دریافت کیا۔ اس کے لہجے میں کافی تشویش نمایاں تھی، رضیہ پھر ہنس دی۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا لیکن تمہاری تشویش نے دے دیا۔" رضیہ نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔ عادلہ شرما سی گئی۔

"آپ تو بڑی خطرناک ہیں باجی۔" آخر اس نے کہا۔

"جی! اب تم مجھ سے ڈرا کرو۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"خوب ڈری آپ سے۔" عادلہ نے کہا اور رضیہ کی گردن میں ہاتھ حمائل کر دیئے۔

"پھر اس وقت تو واقعی شہزادی باجی آپ نے مجھے ڈرا دیا۔" کچھ وقفہ کے بعد عادلہ نے کہا۔

"کس چیز سے؟" رضیہ نے دریافت کیا۔ عادلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کافی دیر تک خاموشی رہی۔

"سو گئیں؟" اسے چپ پا کر رضیہ نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کیا سوچ رہی ہو۔ اطمینان رکھو احتشام کو پھانسی نہیں دی جائے گی۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"یہ حضور ابا کو اختیار ہے، میں احتشام کی سزایابی سے ہراساں نہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"تم کس چیز سے ڈر رہی ہو؟"

"صرف اس چیز سے کہ ہم کہیں اقتدار کی جنگ نہ لڑ رہے ہوں۔ سلطان محمود خلد آشیانی ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کی داغ بیل نہ ڈال سکے۔ حضرت قطب الدین جنت مکانی اس تخیل کے پہلے بانی تھے، جن کے صحیح و موزوں ترین جانشین ابا حضور ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کی ایسی زبردست و مضبوط حکومت قائم ہو جائے کہ پرستارانِ توحید کی جان و مال ہندوستان میں محفوظ رہے۔ ہمارے خلاف ہندوستان کی تمام غیر مسلم حکومتیں ہیں، ان میں سب سے زیادہ ہمیں راجاؤں اور مہاراجاؤں سے خطرہ ہے۔ ابھی ہمیں ان سے نبٹنا ہے لیکن افسوس مسلمان اُمرا ہی ہم سے بغاوت کر رہے ہیں۔ یہ آثار اچھے نہیں ہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"تمام باغی کیفرِ کردار کو پہنچیں گے، اطمینان رکھو اور ان شاء اللہ ابا جان کے ہم رکاب ہو کر میں راجپوتانہ کی تسخیر بھی کر کے رہوں گی۔" رضیہ نے کہا۔

"کیا اچھا ہو کہ ہمیں چند جری و آزمودہ کار افسر بھی مل جائیں تا کہ ابا حضور کا مہمات میں ہاتھ بٹا سکیں ورنہ ہر مہم کو سر کرنے خود ابا کو جانا پڑے گا۔ کاش احتشام اپنے باغی امیر کی وفاداری کے بجائے اب ہماری طرف داری، وفاداری کو اپنا شعار بنا لیں۔" عادلہ نے کہا۔

"وہ ہماری حکومت کے وفادار بنیں یا نہ بنیں لیکن تمھیں میں یہ یقین دلاتی ہوں کہ تمھارے حلقہ بگوش بن چکے ہیں۔" رضیہ نے ہنس کر کہا۔

"آپ کو فضول فقرے آئے جا رہی ہے۔ اچھا ہم تو اب سوتے ہیں" یہ کہہ کر عادلہ نے کروٹ بدل لی۔

"ابھی سے کیا سوئے جا رہی ہو۔ میری تو نیند بالکل اُڑ گئی۔" رضیہ نے اس کو پھر اپنی طرف کر کے کہا۔

"تعجب ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"ہاں تعجب ہی ہے۔ نیند اڑنے کے دن تو تمھارے ہیں۔" رضیہ نے پھر ہنس کر کہا۔
عادلہ بھی ہنسنے لگی اور باتیں کرتے کرتے سوگئی۔

۱۸

صبح التمش نے کوچ کی تیاری کی۔ وہ ایلدوز کو اتنا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنی قوت مجتمع کر سکے مگر اس کو معلوم نہ تھا کہ ایلدوز سال بھر سے تیاری کیے بیٹھا تھا اور فقط موقع کا منتظر تھا۔ اس نے غزنی و پنجاب سے چیدہ چیدہ نوجوان اپنی فوج میں بھرتی کر کے بیس ہزار کی ایک مضبوط جمعیت پیدا کر لی تھی۔ ہر چند اس کی سپاہ تربیت یافتہ نہ تھی۔ دوسرے باغی کے حوصلے بھی استوار نہیں ہوا کرتے مگر پھر بھی التمش کے مقابلہ کو اس کے قبضہ میں اچھی طاقت تھی۔

التمش کی فوج بے شک وفادار تھی مگر اس کے ہاں بھی تجربہ کار افسروں کی بہت کمی تھی۔ لیفٹیننٹ سے لے کر مارشل تک کے فرائض خود التمش کو ادا کرنے پڑتے تھے۔ وہ بڑا اعلیٰ درجے کا کمانڈر اور بہادر سپاہی تھا۔ بے شک رضیہ اس کی قوت بازو تھی مگر التمش صعوبت کے کاموں اور خونریز معرکوں سے اپنی بچی کو بچائے رکھنا چاہتا تھا۔ مبادا اس کو کوئی گزند پہنچ جائے مگر رضیہ کب ماننے والی تھی۔ وہ لڑائی کی شدید ترین آگ میں اپنے باپ کے ساتھ مردانہ لباس میں مصروف جنگ رہا کرتی تھی۔ یہی کیفیت عادلہ کی تھی۔

عادلہ نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے کہ ایلدوز کو سر کرنے کی مہم میں وہ بھی التمش کے ساتھ ہولے مگر اسے اجازت نہیں ملی۔

"واہ یہ کوئی بات ہے ابا حضور کہ باجی شہزادی تو آپ کے ہمراہ جائیں اور میں نہ جاؤں۔" عادلہ نے بددل ہو کر احتجاج کیا۔

"ساتھ تو ہم تمھیں بھی لے لیتے مگر ایک تو تمھارے زخم ابھی پورے طور پر بھرے

نہیں ہیں۔ دوسرے تمھارے ساتھ قیدی ہیں، اس لیے مناسب یہی ہے کہ تم ان کو لے کر دہلی پہنچو اور آرام کرو۔ ان شاء اللہ اگلی مہم میں ہم تمھیں اپنے ساتھ ضرور لے چلیں گے۔" التمش نے کہا۔

"پھر اگر تم اس کے ساتھ نہ گئیں تو ممکن ہے قیدی بھاگ جائے۔" رضیہ نے کنایتاً کہا۔

غرض عادلہ کی کچھ پیش نہیں گئی اور اسے قیدی کو لے کر بادلِ نخواستہ دہلی کی طرف روانہ ہو جانا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد شاہی لشکر نے بھی کوچ کیا۔ التمش سیدھے راستے کے ذریعے جلد ایلدوز کے سر پر پہنچنا چاہتا تھا مگر بارش نے تمام راستے خراب کر دیے تھے۔ اس کے علاوہ اسے پہلے احتشام کے ان سات آٹھ سو آدمیوں کو گھیرنا تھا جن کو احتشام اپنے لوٹنے تک وہیں پڑاؤ ڈالے رہنے کو کہہ آیا تھا۔

احتشام نے روانگی سے قبل التمش سے درخواست کی تھی کہ اس کے آدمیوں کو امان دی جائے اور انھیں تہِ تیغ نہ کیا جائے۔

"میں بلاوجہ بندگانِ خدا کا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ تمھارے آدمی بھی ہماری امان میں رہیں گے لیکن انھوں نے اگر تلوار اٹھائی تو اس کا جواب دیا جائے گا۔" التمش نے اس کو جواب دیا تھا۔

آج ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ سات صدی قبل سڑکیں نہ ہونے کی وجہ سے نقل و حمل میں کتنی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا لیکن ہم اس معاملے میں سات سو سال پہلے کا ذکر نہ کریں۔ جہاں تک سڑکوں کا تعلق ہے آج بھی تقریباً وہی حال ہے جو سات صدی قبل تھا۔ آج بھی دُور دراز کی بستیاں بلکہ قصبے سڑکوں سے محروم ہیں اور ان کو شہروں سے ملانے کے لیے کوئی پختہ سڑکیں نہیں ہیں۔

راستے خراب ہونے کے باوجود التمش طوفان کی طرح بڑھا چلا جا رہا تھا۔ ایلدوز کو

گمان تک نہ تھا کہ بارش کے اس خراب موسم میں التمش خود بنفس نفیس اس پر چڑھائی کرے گا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ التمش جیسا بیدار مغز بہادر بادشاہ حکومت کے کسی مخالف کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔

اگلے زمانے میں سلطنت کا مضبوط یا کمزور ہونا بادشاہ کی مضبوطی یا کمزوری پر موقوف ہوتا تھا۔ دوسرا ایک نقصان رساں طریقہ یہ تھا کہ بادشاہ زمین اور جاگیریں امیروں کو بانٹ کر اپنے لیے تباہی مول لے لیا کرتے تھے کیونکہ یہی امرا زور پکڑ جاتے تھے پھر حکومت میں دخیل ہو کر بادشاہ کو کٹھ پتلی بنا لیا کرتے تھے اور عوام کو تباہ کرتے رہتے تھے۔

پھر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ سات سو سال پہلے کا نظامِ حکومت آج بھی چل رہا ہے۔ آج بھی ہمارے ہاں اس طرح جاگیرانہ نظام چل رہا ہے آج بھی زور دار و تجار حکومت کو رشوتیں دے کر حکومت کی آمدنی پر ڈاکا ڈال کر نہ صرف ریاست و معاشرہ پر ہی چھائے ہوئے ہیں بلکہ قوم کی شہ رگ پر بھی ہاتھ رکھے ہوئے ہیں۔ اسے کاٹ رہے ہیں۔ بے ضرروں کے سرمایہ حیات کو لوٹ رہے ہیں۔

شبانہ روز سفر کرتا ہوا التمش چلا جا رہا تھا۔ یہ اس کی پہلی باقاعدہ مہم تھی اور ابھی اس کو اس سے کہیں زیادہ سخت اور کٹھن مہمات سر کرنی تھیں۔ ایلدوز کے قصے کو جلد ختم کر کے اسے سندھ کے حکمران ناصر الدین قباچہ کی طرف متوجہ ہونا تھا۔ کیونکہ التمش اس سے بھی مطمئن نہ تھا۔ قطب الدین مرحوم نے ہر چند ایلدوز اور قباچہ سے رشتے ناطے کیے تھے توقع تھی کہ یہ دونوں مسلمان حکمران سلطنت دہلی کے مددگار و معاون ہوں گے مگر دونوں نے اعلانِ بغاوت کر کے خود مختاری حاصل کر لی تھی۔ انھوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ التمش کی حکومت کو بھی نقصان پہنچانے لگے تھے۔

جب التمش سر پر آ پہنچا تو ایلدوز کو اطلاع ملی کہ پندرہ ہزار نفوس پر مشتمل شاہی لشکر دو منزل کے فاصلہ پر خیمہ زن ہے اور دو تین دن میں آ کر ٹوٹ پڑنے والا ہے۔ وہ فوراً چوکنا

ہوا اور کیل کانٹے سے درست ہو کر بعجلت حملہ مقابلہ کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے اس قدر سرعت سے تیاری کی کہ دو روز کے اندر اندر بیس ہزار سے زیادہ فوج فراہم کر لی اور اس کی کمان اپنے نوجوان و بہادر پوتے حمید الدین کے سپرد کی۔

حمید الدین ایک نہایت چالاک اور ہوشیار افسر تھا۔ ایلدوز کو اس پر پورا بھروسا تھا کہ شاہی لشکر اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے گا۔ حمید الدین کے علاوہ ایلدوز کی فوج میں اور بھی کئی تجربہ کار افسر تھے اور وہ خود بھی بہت آزمودہ کار انسان تھا۔ پھر اس کے پاس ساز و سامان کی بھی کمی نہ تھی۔ التمش کے پاس سوائے ہمت مردانہ کے اس دُور و دراز کی جنگ میں اور کوئی وسائل نہ تھے۔ اس کے علاوہ اپنے مقصد کی صداقت سے بھی اس کو بڑی تقویت تھی اور یہ چیز ایلدوز کے حصے میں نہیں آئی تھی۔

التمش کو ایلدوز کی تیاری کا علم تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس جنگ کو اگر جلد از جلد ختم نہ کیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اسی لیے دشمن سے آمنا سامنا ہوتے ہی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس نے حملہ کا حکم دے دیا تھا۔

التمش نہیں چاہتا تھا کہ رضیہ بھی اس خطرناک معرکہ میں حصہ لے مگر وہ عرصہ سے اس جنگ کی آس لگائے بیٹھی تھی، کب ماننے والی تھی، ضد کرنے لگی آخر باپ کو مجبوراً رضامندی دینی پڑی۔ غرض دن کے دس بجے تک باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔

ہاتھی دونوں طرف نہیں تھے۔ التمش پیدل سپاہ کے بجائے سوار زیادہ ہمراہ لایا تھا۔ ایلدوز کے پاس پیدل اور سوار دونوں تھے۔ حمید الدین بڑے زور و شور سے جنگ کر رہا تھا، ادھر رضیہ کی یہ کیفیت تھی کہ بجلی کی طرح دشمنوں کی صف پر گرتی تھی اور صفایا کرتی چلی جاتی تھی۔ کئی بار اس نے چاہا کہ حمید الدین سے بھی جا مقابلہ کرے مگر موقع نہیں مل رہا تھا۔

زوال کے وقت جنگ اپنی انتہا تک پہنچ گئی مگر فتح و شکست اب تک معلق تھی۔ دونوں لشکر بڑی جانبازی سے ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ تین چار گھنٹے کی گھمسان کی

لڑائی میں ہزاروں انسان موت کے گھاٹ اتر چکے تھے اور بے شمار گھوڑوں کی پشت سواروں سے خالی ہو چکی تھی۔ کیچڑ اور پانی میں انسان کا خون مل جانے سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آسمان سے پانی کے بجائے انسانی خون برسا ہے۔

آخر ایک موقع پر رضیہ اور حمید الدین کا مقابلہ ہو گیا مگر حمید الدین نے اس کا جم کر مقابلہ نہیں کیا کیونکہ وہ گوریلا قسم کی لڑائی کا زیادہ ماہر تھا۔ اس لیے رضیہ کی طرف دیکھتا ہوا تلوار کے قبضے کو چوم کر دوسری طرف ہوا ہو گیا۔ حمید الدین رضیہ کا چچا، ماموں یا تایا زاد کوئی بھائی ہوتا تھا۔ کیونکہ قطب الدین نے ایلدوز کی لڑکی سے شادی کی تھی، اس سے قطب الدین کے لڑکی پیدا ہوئی تھی، اس کی شادی اس نے التمش سے کی تھی۔ گویا رضیہ کی نانی ایلدوز کی بیٹی تھی اور حمید الدین ایلدوز کا پوتا ہوتا تھا۔

التمش کئی بار دیکھ چکا تھا کہ اس کی فوج کا ایک حصہ لڑتے لڑتے دفعتاً پیچھے ہٹنے لگتا تھا جیسے شکست کھا کر پسپا ہو رہا ہو مگر پھر کیا دیکھتا کہ یکبارگی یلغار کر کے وہ دستہ دشمنوں کے بے شمار سپاہیوں کو گھیر لیتا اور ایک ایک کو قتل کر دیتا۔ یہ نظارہ اس نے اپنے لشکر کے داہنے بازو کی طرف دیکھا تھا۔ اس بازو پر ایک نوجوان وخوشرو معمولی سا افسر متعین تھا جس کی ماتحتی میں صرف چند سوار تھے۔

التمش نے اس قسم کی حربی عیاری اور طریقہ جنگ پہلے نہیں دیکھا تھا کہ ایک دفعہ کلی پسپائی اختیار کی جائے اور جب دشمن دباتا چلا آئے تو اس پر اچانک حملہ کر کے چو طرف سے گھیر لیا جائے، پھر اس کو وہیں ختم کر دیا جائے۔ وہ اپنے اس چالاک افسر کے ہتھکنڈوں کا دیر تک تماشا دیکھتا رہا اور اس نے یہ بھی اندازہ لگا لیا کہ دشمن کی نسبتاً کثیر فوج کے خاتمہ کا قابل داد ذمہ دار وہی افسر ہے جو آہستہ آہستہ جنگ کا نقشہ بدلے جا رہا ہے۔

آخر ایک دفعہ ہنگام جدال کیچڑ اور خون میں لتھڑی ہوئی رضیہ اپنے باپ کے پاس آئی کہ ذرا پانی پی کر دم لے۔ اس وقت التمش ایک ٹیلے پر کھڑا ہو کر میدان کارزار کا جائزہ

لے رہا تھا اور اس کو امید بندھتی جارہی تھی کہ پانسا اس کے حق میں پلٹتا جارہا ہے۔ رضیہ نے اپنے باپ کے قوی جسم پر جابجا زخموں کے نشانات دیکھے تو ملول سی ہونے لگی۔ التمش نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور داد کے طور پر بولا:

"ماشاء اللہ بیٹی آج تو نے بڑے بڑے سورماؤں کو مات کر دیا۔"

"اور مابدولت خود بھی تو دشمنوں پر قیامت برپا کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ تھوڑی دیر میں میدان ہمارے ہاتھ آجاتا ہے۔" رضیہ نے کہا۔

'یہ اپنی فوج میں کون افسر ہے رضیہ کہ اس عجیب وغریب طریقے سے دشمنوں کو ختم کر رہا ہے۔ میں دیر سے اسی کا تماشا دیکھ رہا ہوں۔"' التمش نے دُور اپنے اسی افسر کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا۔ رضیہ نے بھی نظریں دوڑائیں مگر بھیڑ میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔

"کون سا افسر ابا حضور؟" آخر اس نے دریافت کیا۔

"دیکھو وہ دیکھو۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ اپنا بازو شکست کھا کر پیچھے ہٹتا ہے۔" التمش نے کہا۔

"ارے ارے، یہ کیا غضب ہوا۔ یہ اپنے آدمی پسپا کیوں ہو رہے ہیں۔" یہ کہہ کر رضیہ نے گھوڑے کو ایڑ دے کر اس طرف اُڑ جانا چاہا تا کہ اپنی پسپا ہونے والی فوج کو سنبھال لے لیکن التمش نے اس کو روک لیا۔

"ٹھہرو۔ ذرا تماشا دیکھو۔" اس نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد رضیہ کیا دیکھتی ہے کہ اپنا شکست خوردہ دستہ دشمنوں کے بے شمار سپاہیوں کو گھیر کر مارتا ہوا آگے چلا آرہا ہے اور ان کے درمیان ایک سوار کی تلوار بجلی کی طرح کام کر رہی ہے۔ اب رضیہ نے اس معمولی سے افسر کو دیکھا اور اس کے دل کو ہلکی سی خوشی ہوئی۔ اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی التونیہ نامی نوجوان ہے جس نے دلّی کے جوہری بازار میں از راہِ عقیدت معمولی سے موتیوں کی مالا اپنی پھٹیچر سی دُکان سے اٹھا کر نذر کی تھی۔ ارے! یہ ہماری فوج میں کب داخل ہو گیا۔ اس نے

دل میں سوچا۔

رضیہ کو بھی التونیہ کا طریقۂ جنگ بہت پسند آیا اور اس نے دل میں اس کی جانبازی و شجاعت کی داد دی۔ شام ہوا چاہتی تھی۔ اب التمش کو تشویش ہونے لگی کہ جنگ طول کھینچتی جا رہی ہے۔ آخر اس نے اپنے افسروں کو جمع کیا، ان کو چند ہدایات کیں۔ اس کے بعد فوج سمیت کر ایسا شدید حملہ کیا کہ ہزاروں سرتن سے جدا ہو گئے۔ رضیہ بھی داد شجاعت دے رہی تھی اور التونیہ نے بھی اپنے بادشاہ کے ایما کو سمجھ کر گھیرا ڈالنا موقوف کر دیا، اس کے بجائے سر بکف ہو کر اپنے سواروں کے ساتھ اس تیزی سے پے در پے کئی حملے کیے کہ ایلدوز کی فوج کا داہنا بازو بالکل ٹوٹ گیا۔ ادھر قلب میں خود التمش نے تابڑ توڑ دباؤ ڈال کر کئی جگہ سے دشمن کو پسپا کر دیا۔

عین لڑائی کے دوران میں ایک دفعہ التونیہ نے بڑھ کر حمید الدین کو بھی جا لیا جو ایلدوز کے حفاظتی دستے کی کمان کر رہا تھا مگر چونکہ حمید الدین جم کر لڑنے کی بجائے چالبازانہ جنگ کرنے کا عادی تھا پھر اس کو التونیہ خطرناک بھی نظر آیا، اس لیے اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ ہٹ جائے۔

حمید الدین کے ہٹتے ہی التونیہ عین ایلدوز کے دستے پر شیر کی طرح جا ٹوٹا۔ اب لڑائی کا تمام زور وسط میں ایلدوز پر آ پڑا تھا۔ اس سے رضیہ معطل سی ہو گئی کیونکہ وہ اس کی پوزیشن نہیں تھی اور وہ اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اسی طرح التمش اگرچہ ہر طرف شمشیر زنی کرتا پھر رہا تھا مگر ایلدوز تک پہنچنے میں اس کے سامنے دشمن کی فوج کا سمندر پڑتا تھا، پھر بھی وہ کشمکش کرتا ہوا بڑھ رہا تھا۔

مگر تھوڑی دیر بعد التمش و رضیہ نے دیکھا کہ التونیہ دشمنوں کو کاٹتا ہوا ایلدوز کے قریب جا پہنچا ہے۔ اگرچہ اس سرفروشانہ کوشش میں اس کا تقریباً تمام دستہ کٹ چکا تھا پھر بھی وہ اپنے بچے کھچے آدمیوں کو لیے ایلدوز پر چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ آثار دیکھ کر ایلدوز

گھبرا گیا اور اس نے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا لیکن اس سے قلب کی ترتیب بگڑنے لگی جس کو التمش پہلے ہی کچل رہا تھا۔ ادھر داہنے بازو پر جا کر رضیہ نے التونیہ کی جگہ لے لی تھی اور دشمن کو دباتی چلی آ رہی تھی۔ الغرض ہر طرف سے ایلدوز کی سپاہ دبتی چلی جا رہی تھی مگر وہ اپنی فوج کے حوصلے بڑھا رہا تھا اسی وجہ سے وہ ڈٹی رہی۔

حمید الدین نے دیکھا کہ شاہی فوج کا افسر التونیہ کسی طرح ایلدوز کا پیچھا چھوڑتا ہی نہیں تو ایک بار اس نے التونیہ کے مقابلہ پر آنے کی جرأت کی۔ ہر چند التونیہ زخموں سے چور ہو رہا تھا مگر اس نے حمید الدین کی ایسی خبر لی کہ اس کو پھر جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ التونیہ تہیہ کر چکا تھا کہ یا تو بڑھ کر ایلدوز کو قتل کر دے گا یا خود اس کوشش میں کام آ جائے گا۔

اس کی اس غیر معمولی شجاعت کو رضیہ بنظرِ قدر دیکھ رہی تھی اور التمش بھی اس کی دلیری کو بے حد سراہ رہا تھا۔ اس سرفروشانہ سعی میں التونیہ کا گھوڑا بھی سخت زخمی ہو گیا تھا مگر اسپ غازی نے ذرا ہمت نہیں ہاری اور اپنے دلاور سوار کے اشارہ پر اُڑا اُڑا پھر رہا تھا۔ آخر التونیہ ایلدوز کے حفاظتی دستہ کو جھاڑی کی طرح صاف کرتا ہوا ایلدوز کے قریب جا پہنچا۔ اب ایلدوز کے لیے راہِ فرار نہیں رہی تھی۔ لہٰذا اس نے لگا تار کئی نیزے کے وار التونیہ پر کیے جن کو اس نے بڑی ہوشیاری سے خالی دیا اور ایک بار اس کی برق آسا تلوار چمکی۔ ایلدوز نے گھبرا کر ڈھال سامنے کی مگر التونیہ کے بازو کی قوت بلا کی تھی۔ اس کی تلوار سر کو کاٹتی ہوئی ایلدوز کے شانے پر پڑی اور اس کے جسم کو دو نیم کرتی ہوئی نکل گئی۔ ایلدوز تڑپ کر گرا اور وہیں سرد ہو گیا۔

اس کے بعد تو دشمن کی فوج بے سر ہو گئی۔ چو طرف بھگدڑ مچ گئی۔ اس میں بے شمار دشمن مارے گئے اور حمید الدین بھی اپنی جان لے کر بھاگا۔ غرض ایلدوز اور اس کی فوج تباہ ہو گئی اور التمش کو فتح کامل حاصل ہوئی۔

II

آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ کشتوں کے لیے تو ابدی تاریکی چھا گئی تھی مگر بے شمار زخمی میدانِ جنگ میں پڑے سسک رہے تھے۔ خون کے دریا کو دیکھ کر آفتاب کا چہرہ بھی فرطِ خوف سے زرد ہو گیا تھا۔ شفق انسانی لہو کو دیکھ کر سفید پڑ چکی تھی اور ہوا کے تیز جھونکے زخمیوں کی آہ و بکا کی صدا دُور دُور تک سناتے پھر رہے تھے مگر کوئی فوری مداوا لانے سے قاصر تھے۔

رضیہ نے خوش خوش آ کر اپنے فتح مند باپ کو تہنیتِ ظفر پیش کی۔ التمش نے اپنی بیٹی کو فرطِ محبت سے کلیجے سے لگا لیا اور بولا:

"بھئی ایمان کی بات تو یہ ہے کہ رضیہ بیٹی کی اس فتح مندی کی داد کا مستحق وہ ہمارا گمنام افسر ہے، اس کو بلواؤ۔ ہم اس کے مراتب میں اضافہ کر کے اس کو انعام و اکرام دیں گے۔"

"داد کے مستحق تو سب ہی ہیں ابا جان مگر آپ کی رائے سے میں متفق ہوں کہ التونیہ کی شجاعت نے اس جنگ کو طول کھینچنے سے روک دیا۔" رضیہ نے کہا۔

"اچھا اس کا نام التونیہ ہے؟ تمھیں کس طرح معلوم ہوا اس کا نام؟" التمش نے دریافت کیا۔ رضیہ نے پچھلا واقعہ اس کو سنایا۔

"خوب! تو یہ کہنا چاہیے کہ وہ ہماری فوج میں تمھارے ایما سے بھرتی ہوا ہے۔"

"میں نے تو اس کو فقط اس کا صحیح مقام بتانے کا فریضہ ادا کیا تھا۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اس کو بلواؤ۔" التمش نے کہا۔ چنانچہ اسی وقت ایک افسر کو روانہ کیا گیا چند منٹ بعد وہ واپس آیا اور بولا:

"حضور وہ شخص تو بڑا مغرور ہے کہنے لگا کہ مجھے بلانے کے لیے ایک معمولی سردار آیا ہے اس لیے میں نہیں جاتا۔" التمش ہنسنے لگا۔

"وہ اپنے فخر و غرور میں حق بجانب ہے، اچھا ہم خود اس کے پاس جاتے ہیں۔ آؤ رضیہ بیٹی۔" التمش نے کہا۔

"آپ ہو آئیں ابا جان حضور کے لیے مرہم پٹی کا انتظام کرتی ہوں۔"

"آؤ آؤ۔ بہادر اور کام کے آدمیوں کی ہمیشہ قدر کرنی چاہیے۔" التمش نے کہا۔ آخر رضیہ کو بھی ہمراہ ہونا پڑا۔

دونوں قریب پہنچے تو دیکھا کہ التونیہ اپنے آدمیوں کے ساتھ مل کر زخمیوں کو اٹھا رہا ہے۔ التمش اور رضیہ کو آتا دیکھ کر سپاہی مؤدبانہ صف بستہ ہو گئے اور اس کے نام کا نعرہ بلند کرنے لگے۔ شور و غل سن کر اب التونیہ نے بھی سر اٹھا کر دیکھا اور اپنے بادشاہ اور اپنے دل کی ملکہ کو قریب پا کر وہ بھی مؤدبانہ آگے بڑھا اور التمش کی رکاب کو بوسہ دیا مگر شہزادی کے باب میں اس حسرت کو پوری کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

التمش گھوڑے پر سے اتر پڑا اور تقلیداً بلکہ بپاسِ ادب شہزادی کو بھی اترنا پڑا۔ التونیہ نے جلدی سے خیمہ کو تہ کر کے بچھایا تا کہ التمش اس پر بیٹھ جائے مگر وہ کھڑا رہا اور مسکرا کر بولا:

"آپ کا نام التونیہ ہے؟" التونیہ نے اقرار کے طور پر سرِ نیاز جھکا دیا۔

"ہم آپ کے طریقۂ جنگ اور بے مثل جرأت سے بہت خوش ہیں۔" التمش نے کہا۔ التونیہ مسرت سے آداب بجا لایا۔

"کتنے آدمی ہیں آج کل آپ کے تحت میں؟" التمش نے دریافت کیا۔

"تین سو سوار عالی جناب۔" التونیہ نے عرض کیا۔

"آج سے آپ کو پانچ ہزار سواروں کا افسر مقرر کیا جاتا ہے اور جھنڈے کے قریب

کی تمام زمین آپ کو عطا کی جاتی ہے۔" التتمش نے کہا۔

التونیہ سپاس گزاری کے طور پر پھر آداب بجالایا مگر اس کے خوش نما چہرے کے ہلکے سے اتار چڑھاؤ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسری بخشش شاہی سے تو خوش ہوا ہے مگر پہلی اعزاز افزائی اس کی توقع کے مقابلہ میں کم ہے۔ شاید زیرک رضیہ نے یہ چیز تاڑ لی تھی۔ چنانچہ پہلی دفعہ اس نے بھی لب کشائی کی:

"کیا یہ عہدہ آپ کی اُمیدوں کے مطابق نہیں؟" التونیہ نے آہستہ سے گردن اٹھائی اس کے بعد شاید وہ اپنے اشتیاق کو نہ روک سکا۔ اس نے نظر بھر کر رضیہ کے حسین چہرے کو دیکھا اور ایسا محسوس کیا گویا اس سحر فگن آنکھوں کی ایک ہی پیاری جنبش سے اس کے تمام زخم مندمل ہو گئے۔ پھر توبہ آہستہ سے بولا:

"سپاہی اعزاز پر نہیں مرتا ہے شہزادی صاحبہ، اس کی سب سے بڑی عزت یہ ہے کہ اپنے ملک و حکمراں کی خدمت کرے۔" شہزادی خاموش ہو گئی اور دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"حضور والا تشریف رکھیں۔ میری عزت افزائی ہو گی۔" التونیہ نے التتمش سے عرض کیا اور اپنے شاہی مہمان کے بیٹھنے کو جلدی سے دری لینے چلا گیا تاکہ تہہ کیے ہوئے خیمہ پر بچھا دے۔ جب وہ چلا گیا تو التتمش رضیہ سے بولا:

"بیٹی تم نے اس قابل قدر سپاہی کی حوصلہ افزائی میں بخوبی کہا۔ یاد رکھو ہمت افزا الفاظ سے بعض اوقات انسان تاریخ بدل دیتا ہے۔"

"آپ اتنی داد تو دے چکے اسے، اب میں کیا کہوں۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔ اتنے میں التونیہ نے دری لا کر بچھا دی مگر التتمش کھڑا ہی رہا۔ اس نے رضیہ کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا تاکہ میزبان کی خاطر شکنی نہ ہو۔

"مجھے خوشی ہے کہ تمھیں زخمیوں کا اتنا خیال ہے کہ جنگ ختم ہوتے ہی پہلا کام ان کی

دیکھ بھال کا کر رہے ہو۔" التمش نے التونیہ سے کہا پھر بولا:
"میں بھی اس نیک کام میں تمھاری مدد کروں گا۔"
"حضور جا کر آرام فرمائیں۔ نیاز مند سب انتظام کرے گا۔" التونیہ نے جواب دیا۔
"آرام کی ضرورت تو آپ کو بھی ہوگی بلکہ ہر زخمی کو۔ آپ بھی کافی زخمی ہو رہے ہیں۔" آخر رضیہ نے ان الفاظ میں ہمدردی ظاہر کی۔ التونیہ کو جنت مل گئی۔ سپاس گزار نظروں سے اس کو دیکھتا ہوا بولا:
"یہ تحفے ہیں شہزادی صاحبہ، زخم نہیں۔"
"دشمن کے کتنے آدمی کام آئے ہوں گے؟" التمش نے دریافت کیا۔
"ابھی صحیح تعداد تو بتانے سے قاصر ہوں مگر اندازاً عرض کرتا ہوں کہ تقریباً بارہ تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے ہیں اور دو تین ہزار زخمی۔" التونیہ نے جواب دیا۔
"اور ہمارے؟" رضیہ نے دریافت کیا۔
"غالباً سات آٹھ ہزار شہید ہوئے ہوں گے اور ہزار دو ہزار زخمی۔" التونیہ نے جواب دیا۔
"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ افسوس ایلدوز کی حماقت سے مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا۔" التمش نے کہا۔
"وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے ہاتھ سے اس کا ایک افسر بچ نکلا۔" التونیہ نے کہا۔
"ان کی مراد حمید الدین ہے ابا جان۔" رضیہ نے اپنے باپ سے کہا۔
"اچھا آپ اس سے واقف ہیں؟" التونیہ نے ذرا تعجب سے دریافت کیا۔
"وہ ہمارا ایک دُور کا رشتے دار ہوتا ہے مگر چونکہ باغی ہے اس لیے واجب القتل

ہے۔" التمش نے جواب دیا۔

"نہیں ابا جان اسے گردن زدنی تو قرار نہ دیں۔ آخر وہ حضور کا بھی بھانجا یا بھتیجا ہوتا ہے۔ اگر ہاتھ آ جائے تو قید فرما دیں۔" رضیہ نے کہا۔

"تم سفارش کرتی ہو تو ہم نے اس کی جان بخشی کی مگر وہ سزا ضرور پائے گا۔" التمش نے کہا۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہوا۔ رضیہ بھی اُٹھ کر ساتھ ہو لی اور التونیہ دُور تک دونوں کی مشایعت میں چلتا رہا۔

"اب آپ جائیے۔ پہلے اپنے زخموں کی مرہم پٹی کریں۔ اس کے بعد زخمیوں کو سنبھالیں، ہم بھی ابھی آتے ہیں۔" التمش نے التونیہ سے کہا۔ وہ آداب بجالا کر رخصت ہوا اور رضیہ کے شفق گوں حسین چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

اپنے اپنے خیمے میں پہنچ کر دونوں کی مرہم پٹی ہوئی۔ دونوں باپ بیٹی نے کھانا کھایا۔ التونیہ اور دوسرے افسروں کے لیے بھی شاہی دسترخوان سے کھانا گیا۔ اس کے بعد شہزادی تو باپ کی ہدایت کے بموجب اپنے خیمہ میں آرام کے لیے چلی گئی مگر التمش گھوڑے پر سوار ہو کر کشتوں اور زخمیوں کو اٹھوانے نکل گیا۔

۲۰

رضیہ کا خوبصورت خیمہ میدانِ جنگ سے ہٹا کر نصب کیا گیا تھا تا کہ زخمیوں کی کراہ اور مردار خور جنگلی جانوروں کا شور و غل اُسے پریشان نہ کرے مگر التمش کے خیمہ اور معمولی سپاہ کے خیمہ میں کوئی فرق نہ تھا۔ اس میں پرتکلف مخمل کی توشکیں تھیں نہ ملائم مسندیں بلکہ بان سے بنی ہوئی ایک چارپائی پر صاف و سادہ بستر بچھا ہوا تھا۔

ایک پہر رات جا چکی ہو گی۔ بارش کی رات تھی اس لیے ہر طرف گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی پھوار بھی پڑنے لگتی تھی۔ رات کی تاریکی چھانے سے قبل گڑھے کھود کر

مُردوں کو ٹھکانے لگایا جا چکا تھا۔ ایلدوز کی قبر التمش کے حکم سے علیحدہ بنوائی گئی مگر زخمیوں کو سنبھالنے میں تقریباً تمام شب صرف ہو گئی۔ التمش کے حالانکہ کئی گہرے زخم آئے تھے مگر اتنا قوی تھا کہ رات بھر گھومتا رہا۔ یہی کیفیت التونیہ کی تھی، اس کے سپرد شمال کی سمت والے زخمی کیے گئے تھے۔

رات کے تین بجے ہوں گے۔ سوائے پہرے کے سپاہیوں اور ان کے بادشاہ کے تمام تھکی ہوئی سپاہ آرام کر رہی تھی۔ اس لیے ہر طرف بھیانک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صرف زخمیوں کی دلدوز کراہیں اور گیدڑوں کی منحوس آواز کبھی کبھی سنائی دینے لگتی تھی۔ شمال سمت نسبتاً بہتر تھی اسی لیے دُور دہاں پر شہزادی کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔

اس مہیب سکوت اور بھیانک تاریکی میں ایک ہیولہ دبکتا چھپتا اِدھر اُدھر پھر رہا تھا جیسے کسی محروم و نامراد انسان کی بے چین رُوح بھٹکتی پھر رہی ہو۔ کافی دیر تک وہ ہیولہ چھپتا چھپاتا اِدھر اُدھر پھرتا رہا آخر رضیہ کے خیمے سے ذرا دُور رُک گیا۔ چند منٹ بعد پھر وہاں سے نکلا اور رینگتا ہوا رضیہ کے خیمے کے قریب آ پہنچا۔ اس کے بعد پیش قبض سے اس نے خیمہ کو کاٹا اور بڑا سا شگاف کر کے خیمہ کے اندر داخل ہو گیا۔

رضیہ ایک نیند نکال چکی تھی مگر چونکہ ایک تو زخموں سے بے آرامی تھی۔ میدانِ جنگ کا قرب تھا، اس لیے اب اچاٹ نیند سو رہی تھی۔ ہیولہ نے اندر آ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کے بعد مستِ ناز شہزادی کی طرف چپکے چپکے بڑھا۔ قریب پہنچ کر خنجر نکالا اور شہزادی پر تان کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کو جگانے کے لیے اس کے حریری رخساروں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

اس کرخت لمس نے شہزادی کو بیدار کر دیا۔ فی الفور تو وہ اندازہ نہ لگا سکی کہ یہ کیا ہو رہا ہے مگر کسی کو اپنے سرہانے کھڑا پا کر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی اور ایک دم تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لے گئی مگر اس شخص نے تلوار چھین لی اور پست آواز سے بولا:

"خبردار آواز نہ نکلے۔"

"کون؟ حمید الدین؟" رضیہ کے منہ سے حیرت سے نکلا۔

"ہاں۔ شہزادی مجھے تم سے ملنا ضروری تھا۔ آہستہ بولو۔" حمید الدین نے کہا اور اس کے پاس سے ہتھیار ہٹالیے۔

"نکل جاؤ میرے خیمے سے۔ کیوں آئے ہو یہاں؟" شہزادی نے اس کی مداخلت پر غضبناک ہو کر کہا۔

"خفا نہ ہو میری شہزادی۔ میں ابھی چلا جاؤں گا۔" حمید نے کہا اور اس کے قریب آ بیٹھا۔ ابھی جنگ ختم ہوئے پانچ چھ گھنٹے ہی گزرے تھے جس میں حمید الدین نے کافی دادِ شجاعت دی تھی مگر ایلدوز کے قتل ہوتے ہی وہ اپنے بچے کھچے ہمراہیوں کو لے کر فرار ہو گیا تھا اور جنگلوں میں جا چھپا تھا۔ التمش نے اس کے تعاقب کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کیونکہ ایلدوز کے خاتمے کے بعد اب کوئی سر اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ اس جنگ کے بعد ہی پنجاب اور غزنی پر التمش کا تسلط ہو چکا تھا۔

"تم بڑی ناشائستگی سے پیش آرہے ہو حمید۔ میں نے ابا جان سے کہہ کر ناحق جان بخشی کرائی، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم چوروں کی طرح میرے خیمے میں آنے کی جرأت کرو گے تو میں تمھارا تعاقب کر کے سر قلم کر دیتی۔" رضیہ نے اسی طرح غصے سے کہا۔

"تم ناحق ناراض ہوئی جارہی ہو رضیہ۔ میری یہی تو خطا ہے کہ میں تمھیں چاہتا ہوں اور اپنی جان پر کھیل کر اس وقت تمھارے رُخِ زیبا کی زیارت کو آیا ہوں۔ اگر تم میری مداخلت سے بہت خفا ہو تو میں اس بے ادبی کی معافی چاہتا ہوں۔ آخر ہمارا تمھارا خون تو ایک ہی ہے۔" حمید الدین نے کہا۔ ان کلمات سے رضیہ ملائم پڑ گئی۔

"اب تم چلے جاؤ اور کبھی اس طرح میرے پاس آنے کی جرأت نہ کرنا۔" آخر اس نے فہمائش کے طور پر کہا۔

"ابھی جاتا ہوں۔ کیا تم مجھے چند کلمات ادا کرنے کی اجازت بھی نہیں دو گی؟" حمید

نے لجاجت سے کہا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' شہزادی نے کہا۔

''کہنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں مگر اتنا وقت نہیں ہے۔ میں خطرات سے گھرا ہوا ہوں، بس اتنا سن لو کہ میں تمہیں شروع سے پسند کرتا ہوں۔ شاید بچپن ہی سے مگر افسوس تم نے کبھی میری حوصلہ افزائی نہیں کی۔ اب تم شہزادی ہو اور میں بغیر مستقبل کا ایک معتوب انسان۔ کیا رضیہ تم ایک مجھ جیسے نامراد انسان کی نامرادیاں ہٹانے کا کام نہیں کر سکتیں۔''

''مجھے افسوس ہے حمید کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اپنے باغی دادا کا ساتھ دے کر بادشاہ سلامت کو اپنا دشمن بنا لیا۔ بہر طور مطمئن رہو، اگر تم کبھی ابا جان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمہیں سزائے موت نہیں دیں گے۔'' رضیہ نے کہا۔

''رضیہ! میری شہزادی! میں موت سے نہیں ڈرتا اگر تم حکم دو تو اپنا سر کاٹ کر تمہارے قدموں میں ڈال دوں، میں صرف تمہاری مہر و محبت کا خواہاں ہوں۔'' حمید الدین نے نیاز مندانہ کہا۔ رضیہ کو پھر غصہ آنے لگا۔

''کان کھول کر سنو حمید۔ میں تمہارے ان کلمات کی متحمل نہیں ہو سکتی۔''

''رضیہ! معلوم نہ تھا کہ تم اس قدر سنگ دل ہو۔'' حمید نے کہا۔

''اور میں بھی نہیں جانتی کہ تم اتنے بے ہودہ گفتار ہو۔ خیر! تم یہاں سے نکل جاؤ، میں تمہیں درگزر کرتی ہوں۔''

''محبت کرنا کوئی گناہ تو نہیں رضیہ۔ تم شہزادی سہی لیکن ہو تو آخر عورت، کیا تمہارا دل میرے حق میں ملائم نہیں ہو سکتا۔''

''نہیں۔ مجھے ان ناشائستہ باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اب اگر تم نہیں گئے تو میں سپاہیوں کو آواز دے دوں گی۔''

''میں پست کردار یا بزدل انسان نہیں ہوں۔ افسوس دادا جان اس دنیا میں نہیں

رہے ورنہ تم میرے باب میں اس سے تصدیق کر سکتی تھیں کہ ہر شخص میری بلند کرداری کا مداح تھا۔"

"میں دعا کرتی ہوں کہ تم اپنے کردار میں پست نہ ہو۔ صرف انسانی جذبات بول رہے ہیں۔ اگر تم نے پھر ناشائستہ گفتگو شروع کی تو تمھارے دعویٰ بلند کردار کو جھوٹا سمجھوں گی۔"

"اب تک تو میرا دعویٰ جھوٹا نہ تھا مگر اب ہو جائے گا۔ مایوس محبت انسان کو شیطان بنا دیتی ہے۔ تم بھی مجھے مایوس کر کے پستی کی طرف دھکا دے رہی ہو۔" حمید نے کہا۔

"میں تمھیں بار دیگر تنبیہ کرتی ہوں کہ مجھے یہ یاوہ گوئی پسند نہیں۔ اس کے ساتھ ہی تمھارے متعلق مجھے اپنی رائے بدلنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"اگر تم اتنی بے رحم اور ضدی ہو تو مجھے بھی تم اب سخت انسان پاؤ گی۔ میں تم لوگوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دوں گا۔ ڈاکے مار مار کر تمھارے ابا جان کی سلطنت کو کھوکھلا کر ڈالوں گا۔" حمید نے غصہ سے کہا۔ رضیہ حقارت سے مسکرائی اور بولی:

"تو تمھیں ایک چور اور ڈاکو کی موت مرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" اس تلخ مسکراہٹ کے باوجود بھی اس کے لبوں کا حُسن مکدر نہیں ہوا بلکہ وہ بھی حسین نظر آنے لگی۔ اس شعلہ کو دیکھ کر حمید کا غصہ اتر گیا اور اس پر پھر والہیت طاری ہو گئی مگر اس نے خود کو سنبھالا اور استوار لہجے میں بولا:

"میری اس پستی کی ذمے دار تم ہو گی رضیہ۔ فقط تم! مگر میں اپنی پستی میں بھی تمھیں ایک کردار پیدا کر کے بتا دوں گا۔ میری ڈاکا زنی ایک معزز ڈاکو کی سی ہو گی۔"

"چور اور ڈاکو اگر معزز ہونے لگے تو ذلت کس کے حصہ میں جائے گی۔ اچھا تم جاتے ہو یا نہیں۔" رضیہ نے کہا۔ جب وہ اٹھا تو رضیہ نے چیخ کر نگہبانوں کو آواز دی۔ حمید ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور بسرعت رضیہ کا ہاتھ چوم کر بجلی کی طرح خیمے سے نکل گیا۔ شہزادی کی آواز سن

کر سپاہی دوڑے ہوئے آئے۔ خیمہ کٹا ہوا تھا مگر اندر سوائے شہزادی کے کوئی نظر نہ آیا۔

چند ہی منٹ میں شور مچ گیا کہ دشمن کے چند آدمی آ گھسے تھے۔ ہر طرف لوگ دوڑ پڑے۔ التونیہ بھی شمالی حصے میں کشتوں اور زخمیوں کو اٹھوانے میں مصروف تھا۔ اس نے بھی شور و غل سنا اور ساتھ ہی اس کی نظر ایک طرف گئی تو اس نے رات کی تاریکی میں کسی کو گھوڑا اڑائے غائب ہوتے دیکھا۔ معاً اسے خیال آیا کہ ہو نہ ہو دشمن کے بچے ہوئے آدمی ہیں۔ چنانچہ وہ اسی وقت گھوڑے پر بیٹھ کر سوار کے تعاقب میں روانہ ہوا مگر سوار لاپتہ تھا۔ التونیہ کئی میل کا چکر کاٹ کر بے نیل و مرام واپس آ گیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ مداخلت کنندہ یا کنندگان شہزادی کے خیمے کی طرف گئے تھے تو اس کا دل شہزادی کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بے چین ہونے لگا۔

۲۱

اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد التتمش نے فوراً دہلی کی طرف مراجعت نہیں کی بلکہ نظم و نسق قائم کر کے غزنی کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد پنجاب میں امن و امان قائم کیا۔ لوگ جاگیردارانہ نظام کے بے رحم پنجوں میں کچلے جا رہے تھے۔ التتمش نے غاصب نوابوں اور رئیسوں سے زمینیں چھینی اور کسانوں میں مفت تقسیم کر دیں۔ اس طرح سے اس نے پنجاب میں امرا کا زور بالکل توڑ دیا۔

عوام کے ذرائع آمدنی سوائے کاشتکاری کے کچھ نہ تھے۔ صنعت و حرفت تو کیا ان کے پاس نہ تو کاشتکاری کے آلات تھے نہ بیل۔ چنانچہ التتمش نے مویشیوں کی افزائش نسل کی طرف خاص توجہ دی۔ اس کے علاوہ روئی کاتنے کے لیے چرخوں کی قسم کے کچھ پہیے ایجاد کیے تاکہ لوگ چھوٹے موٹے کپڑے بن سکیں اور ان کو فروخت کر کے پیٹ پال سکیں۔

ان کاموں میں اس کے کئی ماہ صرف ہو گئے۔ بارش ختم ہو کر سردی کا آغاز ہو چکا تھا۔ رضیہ کو پنجاب کی آب و ہوا بہت ہی پسند آئی تھی۔ اس کے اصرار پر التتمش کو بھی پنجاب میں زیادہ دن قیام کرنا پڑا مگر اس نے اپنے قیام کا ایک لمحہ ضائع نہ کیا۔ فوج بھرتی کا کام شروع کر دیا۔ کیونکہ اس کو راجپوتانہ، بنگال اور سندھ کی تسخیر کے لیے اعلیٰ درجے کی سپاہ کی ضرورت تھی۔

ایلدوز کے قلع قمع کی خبر دہلی میں عادلہ کو بھی پہنچی۔ قوی دشمن کے خاتمہ سے وہ بھی بہت خوش ہوئی۔ احتشام بھی ایلدوز کے انجام سے باخبر ہوا۔ گویا وہ اس کے خاتمہ کی پیش بینی کر چکا تھا۔ اس کو کوئی حیرت یا صدمہ نہ ہوا البتہ اپنا مستقبل معلق تر نظر آنے لگا۔ اپنے منہ بولے بادشاہ باپ کی دارالسلطنت میں آ کر وہ احتشام سے ملتا تو کجا اس کو درشن دینے تک کی روادار نہ رہی تھی۔ اول احتشام سے اس کا ملنا جلنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا تھا۔ وہ کیوں غیر مرد سے ملتی اور اپنی رسوائی مول لیتی۔ دوسرے وہ قیدی تھا جس کی سزا یا درگزر کا سوال التتمش کے آنے تک طے نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ دہلی پہنچ کر عادلہ نے احتشام کو نظربند کر دیا۔ اس کا احتشام کو کوئی غم نہ تھا۔ صرف یہ رنج اسے کھائے جا رہا تھا کہ ایک ہی جگہ ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے دل کی ملکہ کی زیارت سے محروم ہو گیا تھا۔ نظربندی کے زمانہ میں اس پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا نہ کوئی تکلیف دی گئی۔ سو عذابوں کا ایک عذاب صدمہ مفارقت تھا۔ وہ گوشہ تنہائی میں پڑا ہوا تصور جاناں میں محو رہتا اور جب ہوش میں آتا تو کسی کے پیر کی ذرا چاپ سن کر ہمہ تن گوش بن جاتا کہ شاید آفت عالم عادلہ آ رہی ہو۔

کٹے ہوئے ہاتھ کا زخم اب تک ہرا تھا۔ اس زمانہ میں کوئی جراثیم کش دوا یا مرہم ایسے نہ تھے کہ شدید زخموں کو فوراً اچھا کر دیتے۔ اگر احتشام کا یہ زخم اچھا ہو بھی جاتا تو دل کے گھاؤ کا کیا ہوتا۔ اسے کون اچھا کر سکتا تھا۔ جس نے لگایا تھا وہ رواج کے مطابق اس کے پاس آ

نہیں سکتا تھا۔ یہ رواج کتنا پرانا ہے مگر آج تک نیا ہے۔

عادلہ کی الھڑ جوانی محبت کرنے والے کی مشکلات و شدائد کو سمجھ بھی نہیں سکتی تھی اس لیے وہ اندازہ بھی نہ لا سکی کہ غریب احتشام کی رُوح پر اس کی جدائی نے کیا عذاب توڑ رکھا تھا۔

مگر عادلہ احتشام کے خیال سے غافل نہ تھی۔ بارہا تنہائی میں اسے خیال آجایا کرتا تھا۔ جب پچھلی رات کے سناٹے میں اپنی مخملی توشکوں پر اس کی کبھی نیند اُڑ جاتی تو سوچتی کہ اس وقت احتشام کیا کر رہا ہوگا اور دن میں اُسے اگر کبھی کوئی ایک ہاتھ والا انسان نظر آجاتا تو اس کے دل پر احتشام کی محتاجی کا تصور کر کے چوٹ سی لگتی۔ کاش اس بہادر آدمی کے دونوں ہاتھ ہوتے۔ اس کو کھانے پینے اور دوسرے کام کرنے میں کتنی دقت پیش آتی ہوگی۔

ایلدوز کو ٹھکانے لگانے کے بعد پنجاب وغزنی میں نظم و نسق قائم کرنے کے سلسلے میں التمش اور شہزادی رضیہ کے تین چار ماہ صرف ہو گئے تھے۔ اس حساب سے گویا احتشام اپنی حراست کے چار ماہ گزار چکا تھا اور ابھی نامعلوم کتنے عرصہ تک اسی حالت میں زندگی گزرنے والی تھی۔ اگر ایلدوز سے رفاقت کے سلسلہ میں التمش نے احتشام کو قید دوام کی سزا سنادی تو عادلہ سے ملنے کی آس بالکل ہی ٹوٹ جائے گی۔ جب اس کو ایسے مایوسانہ خیالات آتے تو اس کا جی چاہتا کہ اپنی محرومیوں سے عادلہ کو بے خبر کر دے۔ وہ زیادہ سے زیادہ خفا ہو کر رہ جائے گی۔

یہ سوچ کر اس نے ایک روز اسے بذریعہ تحریر عادلہ کو اپنی کیفیاتِ دلی سے باخبر کر دینا چاہا لیکن افسوس کاغذ و قلم کا انتظام نہ ہو سکا۔ ایک ہفتہ بعد یہ چیزیں کہیں فراہم ہوئیں تو اس نے خیالات مجتمع کیے اور ڈرتے ڈرتے لکھا:

''عادلہ تمہیں جان کہہ کر مخاطب کروں یا رُوح۔ تم مجھے ان دونوں سے زیادہ عزیز ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا کیا حشر ہوگا۔ بادشاہ

سلامت نے پنجاب سے آکر اگر مجھے حبس دوام کی سزا دی تو اس کا
رنج ہوگا اور اگر میرا قتل کیا جانا تجویز کیا تو اس کی مجھے بے حد خوشی
ہوگی۔ کیونکہ اس طرح میں تمھارے صدمہ جدائی سے تو نجات پا
جاؤں گا۔ یہ عجیب بات ہے عادلہ کہ تم دشمن کی حیثیت سے میرے
سامنے آئی تھیں لیکن شاید میں تمھیں ایک روز بھی اپنا دشمن نہ سمجھ سکا
تھا۔ تمھارے زخمی ہو جانے کے بعد جب میں نے تمھیں پہلی بار
عورت کے روپ میں دیکھا تو میں بیان نہیں کرسکتا کہ میری کیا
حالت ہوگئی تھی۔
اس دن سے تم میری تمام ہستی پر چھا گئی ہو۔ یہ راز محبت مجھے تم سے
بھی برملا کرنا لازم نہ تھا مگر میں اس لیے مجبور ہوگیا کہ ممکن ہے زندگی
میں اب تم سے کبھی ملاقات نہ ہو۔
جی چاہتا ہے کہ اس غم نامہ کو طویل کیے جاؤں مگر تمھاری سمع خراشی ہو
گی۔ ممکن ہے میرے الفاظ تمھاری طبع زندگی پر بار گزریں گے اس
لیے ختم کرتا ہوں۔"

اس کے بعد یہ خط اس نے ایک میزبان سپاہی کو دیا جو اُسے کھانا کھلانے پر مامور تھا
اور عاجزی سے درخواست کی کہ کسی طرح اس کو عادلہ تک پہنچا دے۔ سپاہی نے خطرہ سر
لے کر وعدہ کیا اور دوسرے روز کسی طرح یہ خط خود عادلہ کو دے آیا۔
عادلہ نے خط کھول کر پڑھا اور ختم کرنے کے بعد اس پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔
یہ سپاہی منش لڑکی بھی شہزادی رضیہ کی طرح عشق و محبت کے ڈھکوسلوں سے دور تھی مگر جن
حالات میں اس کی احتشام سے ملاقات ہوئی تھی، جس طرح اس نے اپنے اس سرفروش کا
قیمتی ہاتھ کاٹا تھا اور جس قسم کا سفر اس نے اس امیر کے ساتھ کیا تھا وہ احتشام کے لیے پہلے

رحم اور بعد کو گداز اس کے دل میں پیدا کرنے سے نہ رہ سکا تھا۔ یوں بھی احتشام کی شجاعت، شرافت اور وجاہت کی پہلے ہی کافی سفارش کر چکی تھی۔

مگر جواب میں وہ احتشام کو لکھتی کیا۔ نہ تو یہ لکھ سکتی تھی کہ مجھے تمہارے خط کے الفاظ پسند آئے، نہ یہ لکھ سکتی تھی کہ ان کو پڑھ کر غصہ آیا۔ غرض نہ اس کی پذیرائی کر سکتی تھی نہ اس کو مسترد کرنا چاہتی تھی۔ کئی روز اس نے اس کشش و پیچ میں گزار دیے۔ ہاں اس دوران میں اس کا خط کئی بار پڑھ چکی تھی اور ہر دفعہ اس کے اندر جدید کیف محسوس کیا تھا۔

جواب خط کے انتظار میں احتشام نے یہ دن بڑی بے کلی سے کاٹے۔ روز راستہ دیکھتا کہ آج عطوفت نامہ آئے گا اور روز مایوس ہو جاتا۔ جب کئی دن گزر گئے تو وہ مایوس ہو گیا۔ شاید وہ میرے خط سے خفا ہو گئیں۔ میری گستاخی پر برافروختہ ہو کر صرف اس لیے چپ ہو گئیں ہیں کہ اب ایک مرنے والے کو کیا سزا دی جائے۔ اس نے سوچا۔

لاکھ مایوسیاں اسے پامال کر رہی تھیں مگر جواب آنے کی آس پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی۔ جب اس کا دل اس کشمکش سے بہت ہی ڈوبنے لگا تو اس نے پھر اسی سپاہی کی خوشامد کی کہ اس بتِ سنگدل کو صرف یاددہانی ہی کر آئے۔

"آپ مجھے قتل کرائے بغیر نہ رہیں گے۔" سپاہی نے جواب دیا۔

"تو نہ جاؤ۔ میں کسی بے گناہ کا خون اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔" احتشام نے مایوسی سے کہا۔ اس کو بددل پا کر سپاہی کو رحم آیا اور بولا:

"اچھا دیکھیے کل سر سے کفن باندھ کر جاؤں گا۔ اللہ نگہبان ہے۔" چنانچہ دوسرے روز سپاہی پھر ڈرتا ڈرتا پہنچا۔ عادلہ اسے اصطبل کی طرف جاتی ہوئی نظر آئی۔ شاید سیر یا شکار سے لوٹی تھی۔ سپاہی نے اس کے اترتے ہی گھوڑے کی باگ سنبھال لی اور اس کو باندھ دیا۔

"اگر شہزادی صاحبہ جان کی امان بخشیں تو کچھ یاددہانی کی جرأت کروں۔" سپاہی

نے سوز بانہ عرض کیا۔

"اس طرح گفتگو نہ کرو، گویا تم ہمارے غلام ہو۔ خدا کی نظر میں اس کے تمام بندے برابر ہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"یہ حضور کی کریم النفسی کی دلیل ہے۔" سپاہی نے تسکین پا کر کہا۔

"اچھا جاؤ، کل آنا۔" عادلہ نے کہا اور چلی گئی۔ وہ سپاہی کو پہچان گئی تھی اور اس کو پہچان کر ہی اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کس کا بھیجا ہوا آیا تھا اور کیا چاہتا تھا۔ چنانچہ بغیر کوئی وعدہ کیے گول مول سی بات کہہ کر اس کو ٹال دیا تھا۔

چونکہ رضیہ خود مردانہ لباس میں رہتی تھی اور نہ صرف باہر نکلتی تھی بلکہ اپنے والد کے ہمراہ مہمات میں بھی شریک ہوا کرتی تھی اس لیے عادلہ بھی اس کی تقلید کرتی تھی۔ اس سے اظہارِ غرور یا حُسن نمائی مقصود نہ تھی۔ غیر مسلمین سے بھرے ہوئے ہندوستان میں اپنی حکومت اور اپنی جنس کی حفاظت مقصود تھی۔

سپاہی نے جب یہ مژدہ احتشام کو سنایا تو وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ عادلہ کے کہے ہوئے الفاظ پر غور کیا تو اس کو پھر مایوسی ہونے لگی لیکن انھوں نے یہ تو کہا ہی نہیں کہ کل خط کا جواب دیں گے۔ اس نے کہا۔

"صاحب یہ تو سوچنے کی بات ہے ورنہ وہ کل مجھے طلب ہی کیوں فرماتیں۔" سپاہی نے جواب دیا۔

"خدا کرے تمھارا خیال صحیح ہو مگر بھی کل ذرا جلدی ہی چلے جانا۔" احتشام نے کہا اور اُسے صبح پکڑنا دوبھر ہو گیا۔

سپاہی دن نکلتے ہی عادلہ کے دردولت پر جا پہنچا مگر اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنی چہل قدمی سے ابھی نہیں لوٹی ہے۔ گزشتہ رات کو عادلہ نے بہت کچھ غور کیا کہ احتشام کو کیا جواب لکھے۔ کئی بار اس نے سوچا کہ خاموش ہو کر بیٹھ جائے۔ وہ خود سمجھ لے گا کہ میں اس کا خط پڑھ کر

خفا نہیں ہوئی مگر لطف لینے کو جب اس محبت نامہ کو پڑھتی تو یہ محسوس کرتی جیسے خط کی روح اس کا جواب لکھنے کا تقاضا کر رہی ہے۔ اس نے آخر سنبھل سنبھل کر یہ چند سطور لکھیں:

احتشام صاحب!

مجھے کوئی خط نہ لکھا کیجیے۔ میں پسند نہیں کرتی۔

اطمینان رکھیے میں ابا حضور سے کہہ کر نہ صرف جان بخشی کرا دوں گی بلکہ قید و بند سے بھی نجات دلا دوں گی۔ مجھے افسوس ہے کہ ان کی غیر حاضری میں کچھ نہیں کر سکتی۔

دشمن میں نے بھی آپ کو نہیں سمجھا بلکہ اب تو ندامت محسوس کرتی ہوں کہ میں نے آپ کو ایک ہاتھ سے محروم کر دیا۔ اگر آپ ابا جان حضور اور ہماری اسلامی حکومت کے حق میں حلفِ وفاداری اٹھا لیں تو ہماری آئندہ کی مہمات میں آپ کے ایک ہاتھ کی کمی کی تلافی میرے ہاتھ کرتے رہیں گے۔

آخری سطور کو لکھتے وقت تنہائی میں بھی عادلہ کے حسین چہرے پر حیا دوڑ گئی۔ سطور صاف تھیں۔ اگر احتشام بادشاہ التمش کی رفاقت میں آئندہ کی جنگوں میں شریک رہا تو ظاہر ہے کہ وہ ایک ہاتھ سے شمشیر زنی کے دوران میں قتال میں تو حصہ لے سکتا تھا مگر اپنی حفاظت سے قاصر تھا چنانچہ اس کی حفاظت کی خدمت عادلہ انجام دے گی۔ کیوں؟ سمجھنے کی بات تھی تا کہ سمجھانے کی۔

احتشام اس پیامِ رنگیں کو پڑھ کر فرطِ مسرت سے دیوانہ سا ہو گیا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ بندی خانہ کی دیواروں کو کود کر باہر نکل پڑے اور جا کر اپنی عادلہ کی بلائیں لینے لگے۔

۲۲

آخر دو ماہ بعد التمش پنجاب و غزنی کے بندوبست سے فارغ ہو کر دہلی آ گیا۔ یہ 1215ء کا واقعہ ہے۔ اب دہلی اور اس کے اطراف کے امرا زیر ہو چکے تھے۔ غزنی و پنجاب کا باغی حکمران ایلدوز قتل کیا جا چکا تھا۔ ہر طرف امن و امان قائم تھا مگر التمش کے آگے ابھی بے شمار کٹھن کام اور لاتعداد مہمات پڑی ہوئی تھیں۔ اس جیسا اولوالعزم بادشاہ ایک لمحہ کے لیے غفلت و کاہلی کی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔

التمش کو سب سے زیادہ فکر تھی کہ بہت جلد ایک مضبوط و طاقت ور سلطنت قائم کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو اس قدر محفوظ کر دے کہ ان کو اپنے دشمنوں سے آیندہ کوئی گزند نہ پہنچ سکے۔ یہ اس کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ اس آرزو کا خواب اب تک ہندوستان پر حملہ آور کسی مسلمان بادشاہ نے نہیں دیکھا تھا۔ یہ سہرا صرف خاندانِ غلاماں کے سر ہے کہ اس نے چوراسی سال یعنی 1206ء سے 1290ء تک حکومت کی مگر ہندوستان میں پہلی ایسی طاقتور سلطنت کی بنیاد ڈالی کہ غیر مسلم مسلمانوں کو ٹیڑھی نظر سے دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

اپنے خاندان میں سب سے زیادہ طویل مدت تک التمش نے حکومت کی یعنی وہ 1211ء سے 1236ء کل پچیس سال تک سریر آرائے سلطنت رہا اور اسی کی فتوحات کا ریکارڈ سب سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد افسوس اس کے جانشین اتنے طاقتور ثابت نہ ہوئے۔ التمش کے بعد اس کا بڑا بیٹا رکن الدین، ملک تخت و تاج ہوا مگر وہ بالکل نکما اور عیاش تھا۔

التمش کی خواہش تھی کہ اس کے بعد رضیہ تخت پر بیٹھے۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد سلطنت رضیہ کے سپرد ہوئی مگر امرا نہیں چاہتے تھے کہ ایک عورت کی تابعداری کریں۔ اس

لیے اس کو ہٹا دیا مگر جب رکن الدین کے تخت پر بیٹھتے ہی سلطنت میں ضعف اور دشمنوں میں قوت پیدا ہونے لگی تو اس کو ہٹا کر مجبوراً رضیہ کے سپرد سلطنت کی زمام کی گئی۔ افسوس رضیہ کو چار سال سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔

خیر تو التمش نے ایلدوز کی مہم سے آ کر فتح کی خوشی میں نہ چراغاں کیا نہ جشن منایا بلکہ فوراً سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ ادھر رضیہ نے پنجاب سے جو بھرتی کی تھی ان لوگوں کو التونیہ کے سپرد کیا کہ ان کو فوجی تربیت دے۔ التونیہ نے یہ خدمت بڑی خوبی سے انجام دی۔

احتشام کی نظر بندی پر چھ ماہ گزر گئے تھے۔ یوں التمش چھوٹی سے بڑی بات کو یاد رکھتا تھا مگر وہ نا معلوم کس طرح اس کے حافظہ سے اتر گیا تھا۔ عادلہ ہر طرح التمش کے مزاج میں دخیل تھی مگر احتشام کے کیس کو اس کے سامنے لے جاتے خدا جانے کیوں شرماتی تھی آخر اس نے رضیہ کے ذریعہ اپنی کاوش کو مٹانا چاہا۔ ایک روز اس سے بولی:

''شہزادی آپا۔ احتشام کے ان آدمیوں کا کیا حشر ہوا جن کو میں وہاں چھوڑ آئی تھی؟''

''ارے یہ تو بتاؤ کہ وہ تمھارے احتشام صاحب ہیں کہاں۔ کیا فرار ہو گئے؟'' رضیہ کو دفعتاً تمام واقعہ یاد آ گیا اور اس نے مسکرا کر دریافت کیا۔

''فرار کیسے ہو سکتے تھے۔ بے چارے جیل میں پڑے ہیں۔'' عادلہ نے لاکھ چاہا کہ امر واقعہ کے طور پر اس چیز کو پیش کرے مگر اس کا جواب خود بخود ایک شکوہ بن گیا۔ اس کی شکوہ سنجی پر رضیہ کو ہنسی آ گئی۔ رضیہ صرف عادلہ ہی سے ہنستی بولتی تھی ورنہ ہر شخص کے سامنے نہایت سنجیدہ رہتی تھی۔

''ہنس کیوں رہی ہیں؟'' عادلہ نے پوچھا اور پھر خود ہی جھینپ گئی۔

''تمھاری صورت کو دیکھ کر اور تمھارے لہجہ کو سن کر۔'' رضیہ نے اسی طرح کہا۔

''خیر ہنسے جائیے۔ خدا آپ کو ہمیشہ ہنستا ہوا رکھے۔'' عادلہ نے خفت مٹاتے ہوئے

کہا۔

"خود تو تم نے احتشام کو جیل میں ڈال دیا۔ اب میں نے اس کا حال پوچھا تو الٹا شکایت کرنے لگیں۔" رضیہ نے کہا۔

"اب آپ رہائی دلوا دیجیے نا انھیں۔" عادلہ بولی۔

"تم خود ابا جان سے کیوں نہیں کہتیں۔" رضیہ نے شوخ نگاہوں سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کہہ تو دیتی.... مگر مجھے شرم آتی ہے۔"

"کیوں؟" رضیہ نے پوچھا۔

"ابا حضور دل میں کہیں گے کہ میں ایک غیر مرد کی سفارش کر رہی ہوں۔" عادلہ نے جواب دیا۔

"یہ تو وہ میرے متعلق بھی سوچ سکتے ہیں اگر میں نے احتشام کی سفارش کی۔" رضیہ نے کہا۔

"آپ کی اور بات ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ سارا زمانہ جانتا ہے کہ آپ نے عورت کا دل نہیں پایا ہے۔"

"اس کے یہ معنی سمجھوں کہ تم مجسم عورت ہو اور جب جی چاہا کسی پر عاشق ہو سکتی ہو۔" رضیہ نے شوخ تبسم سے کہا مگر عادلہ کے خوبصورت چہرے پر حیا اور اندوہ کے مخلوط تاثرات دیکھ کر اس پر پیار آ گیا اور بولی:

"اچھا اچھا خفا نہ ہو۔ میں ابا جان سے ذکر کر دوں گی۔"

"شہزادی باجی آپ کسی مغالطہ میں مبتلا نہ ہوں۔ اگر ابا حضور نے احتشام کو مجرم قرار دے کر سزائے موت دی تو میں پھر کسی سفارش کی ضرورت نہیں سمجھوں گی۔ میں اپنے بادشاہ

اور ملک پر سب کچھ قربان کر سکتی ہوں۔" عادلہ نے فخریہ کہا۔ رضیہ نے اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور بولی:

"یہ ہم سب کا فرض ہے عادلہ۔ مگر میں احتشام کے معاملہ میں بے انصافی نہیں ہونے دوں گی۔ تمھاری خاطر، بلکہ عدل کی خاطر۔" رضیہ نے کہا۔

"پھر وہ اب باقی کہاں ہیں۔ ایلدوز کا قصہ ختم ہوا۔ اس کے بعد وہ ایلدوز کی رفاقت کا دم بھرنے سے رہے۔" عادلہ نے کہا۔

"کیا تم نے اس کے خیالات معلوم کیے تھے؟"

"دہلی آنے کے بعد یعنی تقریباً چار پانچ ماہ سے میں ان کے پاس گئی کب ہوں۔" عادلہ نے جواب دیا۔

"بڑی ستم گر ہو۔ خیر اب تم اس کو دیکھ لوگی۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

غرض رضیہ کی یاددہانی پر دوسرے ہی روز احتشام کی پیشی دربار میں ہوئی۔ عادلہ دربار میں حاضری نہیں دیا کرتی تھی۔ اگرچہ اس پر کوئی پابندی نہ تھی مگر امرا کا خوف تھا کہ وہ ناک بھوں چڑھائیں گے۔ رضیہ کی بے پردگی سے وہ ناخوش تھے مگر التتمش جیسے باجبروت بادشاہ کے سامنے دم نہیں مار سکتے تھے۔

"اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟" التتمش نے احتشام سے دریافت کیا۔ احتشام کافی دبلا ہو گیا تھا۔ ہاتھ کا زخم اچھا ہو گیا تھا مگر غمِ جاناں اور غمِ دوراں نے بے چارے کو مٹا ڈالا تھا۔

"میرے ارادوں کی لگام تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔" احتشام نے جواب دیا۔

"خیر آپ کا آقا ختم ہوا۔ اگر اب بھی آپ کے دل میں اس کی گنجائش ہے تو ہمیں افسوس ہے۔ بہر نوع ہمیں اب آپ سے کوئی تعرض نہیں۔ آپ کو آزاد کیا جاتا ہے۔" التتمش

نے کہا۔

احتشام شکریہ کے طور پر آداب بجالایا۔

"آپ کو ایک گھوڑا اور بہت سا ساز و سامان آج مل جائے گا، پھر آپ کہیں بھی جا سکتے ہیں۔" التمش نے کہا۔

"کیا حضور والا کے ارشاد کا مطلب میں یہ سمجھوں کہ میرا دہلی میں رہنا حضرت والا کو گوارہ نہیں۔" احتشام نے کہا۔

"نہیں میرا مطلب آپ کو شہر بدر کرنا نہیں ہے۔ اگر آپ دہلی میں رہنا چاہتے ہیں تو شوق سے رہ سکتے ہیں۔ آپ یہاں رہ کر کیا کام کرنا پسند کریں گے؟" بادشاہ نے دریافت کیا۔

"حضور کی سپاہ میں شامل ہو کر آپ کی خدمت۔" احتشام نے جواب دیا۔ وہ اپنی عادلہ کا پیارا شہر کس طرح چھوڑ سکتا تھا۔

"مسرت ہوئی۔ آپ کو پانچ ہزار سپاہ کا افسر مقرر کیا جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا تھا کہ آپ کو فنونِ حرب کا کافی تجربہ ہے۔" بادشاہ نے کہا۔ احتشام فرطِ مسرت سے پھر سرو قد آداب بجالایا۔

احتشام کے اس شاندار تقرر سے رضیہ کو بھی خوشی ہوئی۔ اس کی یہ خوشی اب صرف عادلہ کی خاطر تھی۔ چنانچہ جا کر اُسے مژدہ سنایا۔

"کیا یہ احتشام کے لیے قابلِ فخر بات نہیں کہ اس کو پانچ ہزار سپاہیوں کا سردار بنا دیا گیا؟"

"یقیناً ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس اعزاز کا وہ جائز مستحق ہے۔" عادلہ نے جواب دیا۔

"یہ اعزاز ابا جان نے ہمارے ایک اور جانباز افسر کو بھی ایلدوز کے قتل کے بعد عطا فرمایا ہے۔" رضیہ نے کہا۔ اس سے زیادہ اس نے غریب التونیہ کا ذکر نہیں کیا۔

۲۳

اب احتشام شب و روز دُعا مانگتا تھا کہ خدا کرے بادشاہ سلامت جلد اسے کہیں مہم پر روانہ فرمائیں تاکہ کارِ نمایاں دکھا کر اپنی عادلہ کا دل جیت لے۔ اِدھر التونیہ ہر دم اس فکر میں رہتا تھا کہ التمش کا ذرا اشارہ پاتے ہی راجپوتانہ کی سخت ترین مہم کو چھیڑ دے تاکہ دُنیا کی حسین ترین مگر مردم بیزار شہزادی رضیہ کی نظرِ مہر حاصل کر سکے۔ التمش کو قدرت نے یہ دو ایسے افسر عطا کیے تھے وہ محبت میں آگ سے بنے ہوئے تھے اور اس آگ کو کوئی ٹھنڈا نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ ان کے محبوب بھی اس کو سرد نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اگر محبت محض عقلی و ذہنی نہیں ہے تو اس کے ایک آتش ابدی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

التمش نے کچھ مقامی اور زیادہ تر بیرونی بھرتی کے ذریعہ اپنی فوجی طاقت بہت بڑھا لی تھی اور یہ کارروائی اُس نے اتنی سرعت مگر خاموشی کے ساتھ کی کہ اس کے دشمنوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ وہ اب بھی اپنے آپس کے نفاق اور جنگ وجدل میں مصروف تھے۔ اُنھیں معلوم نہ تھا کہ دہلی کے تخت کا قوی و بیدار مغز بادشاہ ان کی تاک میں ہے۔

ایک سال میں التمش نے اپنی طاقت اس قدر بڑھا لی کہ اب اسے اپنے دشمنوں کا خوف نہ رہا لیکن اس مقبولِ عام و غریب پرور غلام بادشاہ نے اپنی ان زبردست تیاریوں میں بھی اپنی غریب رعایا کو فراموش نہیں کیا۔ اس زمانے کی حکومت کے محدود وسائلِ آمدنی کے باوجود اس نے عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ عیش پرست و مردم خور جاگیرداروں سے جاگیریں اور زمینیں چھین کر کسانوں کو مفت بخش دیں اور ایک فصل کے لیے ان کا لگان بھی معاف کر دیا۔ اس کا خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ کسانوں نے دل سے اپنی زمینوں کی طرف توجہ صرف کر کے دوسری فصل ایسی شاندار کاٹی کہ افراط کی وجہ سے غلہ مویشیوں تک نے کھایا۔

شاید مبادلہ کا اوّلین محرک ہندوستان میں التمش تھا جس نے ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اپنے گماشتے روانہ کر کے کم غلہ پیدا کرنے والے علاقوں میں اناج روانہ کیا اور اس کے عوض روئی، لوہا اور پھل وغیرہ لیے۔ اس طرح دو سال میں اس نے دہلی کے نواح میں کئی کارگاہیں اور ایک دو لوہا خانے کھول دیے جس میں بے شمار آدمیوں کو روزگار مل رہا تھا۔

التمش نے چونکہ ہندوستان میں سب سے پہلے ایک باقاعدہ حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی، اس لیے اسے بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے سامنے لاتعداد مسائل و مہمات تھیں جن سے اسے نبرد آزما ہونا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس پچیس سالہ دورِ حکومت میں وہ ایک لمحہ کے لیے چین سے نہ بیٹھ سکا۔

التمش چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کا پہلا بانی تھا اس لیے اس کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ جس طرح محمود غزنوی نے خلیفۂ عباسی سے ہندوستان کا سلطان ہونے کا فرمان حاصل کر لیا تھا اسی طرح وہ بھی چاہتا تھا کہ خلیفۂ اسلام اسے بھی ہندوستان کا بادشاہ تسلیم کر کے اس کی عزت فرمائے اور فرمانِ مقدس بخشے۔

سندھ کے ایک علاقہ پر ناصر الدین قباچہ قابض ہو گیا تھا اور اب وہ سلطنتِ دہلی کے حق میں ناسور کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ ایک کانٹا ایلدوز کا تھا جس کو التمش 1915ء میں نکال چکا تھا۔ دوسرا کانٹا قباچہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس کو راہ سے ہٹائے بغیر التمش راجپوتانہ کی مہمات بمشکل سر کر سکتا تھا۔

آخر 1217ء میں قباچہ نے بھی وہی حرکتیں شروع کر دیں جن کی ابتدا ایلدوز کی جانب سے ہوئی تھی اور جو آخر میں اس کی تباہی کا باعث ہوئی تھیں۔ التمش نے اس کو ہدایت کی کہ یہ زمانہ مسلمانوں کے آپس کے اتحاد کا ہے۔ غیر مسلم پہلے ہی درپے آزار ہیں چنانچہ مسلمانوں میں باہم نفاق اور کشت و خون کی کوشش نہ کریں۔

التمش کی اس ہدایت کو قباچہ نے اپنی بدبختی سے حکومتِ دہلی کی کمزوری پر منطبق کیا

اور اپنی تاخت کے سلسلہ کو اور وسیع کر دیا۔ التمش کو اس کا رنج ہوا۔ آخر اس نے اپنے معتمد غلام عبید اللہ سے مشورہ کیا۔ عبید اللہ کہنے کو اصطلاح میں غلام تھا مگر التمش کی نظروں میں وہ اس کا مشیر تھا۔ یہ اسی قسم کا غلام تھا جس کی عظمت کو اسلام نے منوایا ہے۔

"خدا کا نام لے کر آپ اس کی بھی سرکوبی کر ڈالیے۔ یہ لوگ اسلام سے بالکل ناآشنا ہیں۔ صرف بندۂ نفس بن کر رہ گئے ہیں۔" عبید اللہ نے جواب دیا۔

"ہاں یہی کرنا پڑے گا، مگر تمہیں معلوم نہیں عبید اللہ میں آج کل پائے تخت کو نہیں چھوڑ سکتا۔" التمش نے کہا۔

"کیوں جہاں پناہ؟"

"کیونکہ ہندوستان پر وحشی تاتاریوں کے حملے کا خوف بڑھتا جا رہا ہے۔" التمش نے جواب دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جہانگیر تک کے عہد میں راجہ مہاراجہ اور بہت سے مسلمان سلاطین کو معلوم نہ تھا کہ وسیع ہندوستان میں کون کون سے حکمران ہیں اور ان کے ملک کہاں واقع ہیں۔ اس معاملہ میں سات صدی پہلے کا یہ بیدار مغز و باخبر بادشاہ قابل داد تھا کہ وہ نہ صرف ہندوستان کے ملکوں اور قوموں سے واقف تھا بلکہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ بیرون ہند کون کون سی اقوام آباد ہیں اور وہ کس قسم کی ہیں۔

"تاتاری! تاتاری کون حضور والا؟" عبید اللہ نے حیرت سے دریافت کیا۔

"یہ ایک درندہ صفت بڑی ہی جنگجو اور خونخوار قوم ہے جو تمام زمانے کو تباہ کرتی ہوئی چین تک کو غارت کر چکی ہے۔ وہ دن دور نہیں کہ یہ وحشی قوم ہندوستان پر بھی حملہ کر دے۔" التمش نے جواب دیا۔ عبید اللہ اپنے آقا کی ہمہ دانی پر انگشت بدنداں رہ گیا۔

"خدا ان کے شر سے ہمارے ملک کو محفوظ رکھے۔ حضور کیا چین کسی ملک کا نام ہے؟"

"ہاں۔ سنا ہے کہ ہندوستان کی طرح وہ بھی بہت بڑا ملک ہے مگر اتنے بڑے ملک کو وحشی مغلوں نے چند روز میں ختم کر دیا۔ اس ملک سے ہند کی سرحدیں ملتی ہیں۔ چنانچہ ان

جانوروں کو یہ حدود طے کرتے کیا لگتا ہے۔ پھر چونکہ سب سے بڑی سلطنت ماشاء اللہ ہماری ہی ہے اور خوشحال، چنانچہ بعید نہیں کہ وہ بھیڑیے اسی طرف رُخ کریں۔" التمش نے اپنی دُور بین نگاہوں سے بعد کے واقعات پڑھتے ہوئے کہا۔ عبید اللہ سناٹے میں آ گیا۔ آخر بولا:

"ان تمام چیزوں کو حضور والا ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ غلام کی سمجھ تو بالکل عاجز ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس مہم پر دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ التونیہ واحتشام کو روانہ کر دیا جائے۔" بادشاہ نے کہا۔

"مگر شہزادی صاحبہ بھی بضد ہوں گی کہ جائیں۔ حالانکہ اُنھیں بھی دلی سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔" عبید اللہ نے کہا۔

"کیوں؟" التمش نے پوچھا۔

"ابھی حضور نے فرمایا تھا کہ تاتاریوں کا خوف ہے۔" عبید اللہ نے جواب دیا۔ التمش ہنسنے لگا اور بولا:

"دلی چھوڑنے سے میرا مطلب یہ نہ تھا کہ ہم تاتاریوں کے خوف سے گھروں میں چھپ کر بیٹھنا چاہتے ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہنگامی حالات کے ماتحت انتظام کی خاطر ہمیں یہیں رہنا چاہیے۔"

"بہر صورت اس مہم پر میں شہزادی کو روانہ نہیں کروں گا۔" وہ پھر بولا۔

آخر دوسرے روز التمش نے التونیہ واحتشام کو بلایا اور انھیں قباچہ کی مہم سے آگاہ کیا۔ ضروری ضروری ہدایات کیں۔ تمام نقشے ان کے ذہن نشین کیے اور اس مہم کا کمانڈر التونیہ کو بنایا گیا۔

"قباچہ کو زندہ گرفتار کر کے حاضر خدمت کیا جائے یا وہیں قتل کر دیا جائے؟" التونیہ

نے دریافت کیا۔

"یہ تمہیں اختیار ہے۔ جیسا موقع دیکھو۔" التمش نے جواب دیا۔

چنانچہ اس روز دس ہزار کا لشکر جرار سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ بڑی لمبی منزل تھی مگر یہ لشکر تیزی سے کوچ کرتا ہوا دو ماہ کے اندر سندھ کے علاقہ میں 1217ء میں آ پہنچا۔ قباچہ نے شاہی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر التونیہ و احتشام کے تدبر و شجاعت کے آگے اس کی اور اس کے سرداروں کی ایک نہ چلی اور اسے شکست فاش ہوئی لیکن وہ جان بچا کر نکل بھاگا۔

التمش قباچہ سے غافل نہ رہا لیکن قباچہ بمشکل کہیں 1227ء تک زیر ہو سکا تھا۔

۲۴

التمش نمایاں دشمنوں کو زیر کر کے اپنی ابتدائی مہمات سے فارغ ہو چکا تھا۔ اب اُسے تسخیر بنگال کی فکر تھی جس پر خلجی چھائے ہوئے تھے۔ ان سے رات دن اندیشہ رہتا تھا کہ نہ معلوم کب آمادۂ پیکار ہو جائیں۔ ویسے قریب میں سب سے بڑا دشمن راجپوتانہ تھا مگر کسی راجہ میں دم نہ تھا کہ دہلی کے بادشاہ کے مقابلہ کو آتا۔

راجاؤں میں شروع سے آویزش چلی آ رہی تھی مگر اس کے باوجود انفرادی طور پر ان میں سے کئی مہاراجے کافی منظم تھے اور ان کے پاس نہ صرف کثیر فوج تھی بلکہ دولت بھی بہت تھی۔ پھر راجپوتانہ کی تنہا ریاستیں ہی وجہ پریشانی نہ تھیں بلکہ اجین، مالوہ اور مانڈو وغیرہ کی حکومتیں بھی طاقت ور تھیں۔ ان سے بھی خطرہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دو چار ریاستیں بھی متحد ہو کر دہلی پر حملہ کر بیٹھتیں تو التمش کو لینے کے دینے پڑ جاتے۔

لیکن راجپوتانہ کے مہاراجے اپنے نفاق، عیاشی اور عیش و عشرت میں اس قدر مگن تھے کہ ان میں سے بہت سے راجاؤں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس وقت دہلی پر کون حکمراں ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے اپنی ریاستوں تک کی حدود اربعہ سے واقف نہ تھے۔ رعایا کی یہ

کیفیت تھی کہ فاقوں میں مبتلا تھی اور مہاراجے ان کے خون پسینے کی کمائی سے خوب عیش اڑا رہے تھے۔ یہ پچھلی سات صدی کی باتیں ہیں جن کا ظہور ہم آج بھی اپنے ملک میں دیکھتے ہیں۔ کس طرح جاگیرداروں نے عوام اور کسانوں کو غلام بنا رکھا ہے۔

مہاراجاؤں کے حالات سے التمش باخبر تھا، اسی وجہ سے وہ برائے چندے ان سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ پروگرام بنایا کہ پہلے بنگال فتح کرے، اس کے بعد تمام سندھ کی تسخیر کی طرف توجہ کی جائے۔ جب ان مہماتِ عظیم سے فرصت مل جائے تو راجپوتانہ کی نبض پر ہاتھ رکھے۔ دکن میں اس وقت تک کوئی طاقت ور سلطنت نہیں تھی اس لیے اس طرف کا رُخ کرنا بے کار تھا۔

ابھی التمش اپنے یہ پروگرام بنانے میں مصروف تھا کہ وہی سب سے بڑا خطرہ درپیش آ گیا جس سے وہ ڈر رہا تھا۔ یعنی وحشی تاتاری اپنے درندہ صفت سردار چنگیز خاں کی زیر کماں منگولیا، چین اور ترکستان کو تباہ کرتے ہوئے جلال الدین خوارزم شاہ پر حملہ آور ہوئے اور اسے مار کر خوارزم سے بھگا دیا۔ پھر اس کا پیچھا کرتے ہوئے ہندوستان کی سرحد تک آ گئے۔ یہ التمش کے لیے نازک ترین وقت تھا۔ کیونکہ جلال الدین خوارزم شاہ نے کمک کے لیے التمش کے پاس درخواست روانہ کی تھی۔ اب اگر وہ خوارزم کی مدد کو کمک بھیجتا ہے تو یہ خود پر حملہ کرنے کی مغلوں کو دعوت دیتا تھا اور شاید مغل درندوں کے طوفان کو روکنے والی اس وقت دنیا میں کوئی قوت موجود نہ تھی۔

التمش نے اپنے مشیروں سے صلاح لی۔ شہزادہ رکن الدین، شہزادی رضیہ، سپہ سالار فوج اور عادلہ وغیرہ سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ جلال الدین خوارزم شاہ کے لیے کمک روانہ کرنی چاہیے تاکہ مغلوں کی یلغار ہندوستان کی سرحد کو پار نہ کر سکے۔ رضیہ خاموش تھی۔

"تمھاری کیا رائے ہے رضیہ؟" التمش نے اپنی بیٹی سے بھی دریافت کیا۔

"حضور والا جہاں بانی اور جنگ کے اصولوں میں یہ بات شامل ہے کہ جس مسئلہ کا اپنی ذات پر اثر پڑتا ہے اس کو براہ راست اپنی طرف نہیں آنے دینا چاہیے۔ چنانچہ خوارزم شاہ کے معاملہ میں میری یہ رائے کہ اگر صرف وہ ہی خونخوار تاتاریوں کے منہ کا لقمہ بن جائے تو ممکن ہے ہم ان کو قربانی دینے سے بچ جائیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ التمش کی سمجھ میں یہ نکتہ آ گیا کیونکہ اس کی خود کی کچھ ایسی ہی رائے تھی۔

"کیا تمہارا مقصد یہ ہے رضیہ کہ خود کو بچانے کے لیے ہم خوارزم شاہ کو صدقے کا بکرا بنا دیں۔" اس کے بھائی رکن الدین نے دریافت کیا۔ رضیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح التمش نے بھی رضیہ کے نکتے کی صراحت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ چنانچہ یہ کانفرنس برخاست ہو گئی۔

مغل ہند کی سرحد پار کر کے دریائے سندھ تک پہنچ چکے تھے۔ خوارزم شاہ کئی روز تک سخت بے چینی سے التمش کی کمک کا انتظار کرتا رہا۔ جب بالکل مایوس ہو گیا تو اپنی بچی کھچی فوج کے ساتھ آخر خود ہی دریائے سندھ پر مغلوں کی قہرناک فوج کا مقابلہ کیا مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ اسے پھر شکست ہوئی اور اس بار جان بچانے کو وہ ایران کی طرف بھاگ۔ ادھر تاتاری ہزاروں آدمیوں کا خون چاٹ کر سیر ہو گئے تھے چنانچہ وہ وہیں سے پلٹ گئے۔ اس طرح التمش رضیہ کے تدبر سے وحشی تاتاریوں کا طوفان ٹل گیا اور ہندوستان بچ گیا۔ یہ 1221ء کا واقعہ ہے۔ افسوس ایران میں خوارزم شاہ کو اس کے کسی دشمن نے قتل کر ڈالا۔

مغلوں کا طوفان ٹل جانے کے بعد رضیہ کی فراست کی داد دوست و دشمن سب نے دی اور عادلہ تو اس کی بلائیں لیتی بولی:

"حق تو یہ ہے باجی کہ شہزادہ رکن الدین کے بجائے آپ کو ولی عہد بنایا جائے۔"

"اچھا آج کل تمہارے وہ سورما احتشام کہاں ہیں؟" رضیہ نے بات کاٹنے کے طور پر دریافت کیا۔

''آپ ہی کو معلوم ہو گا کیونکہ بے چارہ سپہ سالار تو برائے نام ہے ورنہ تمام فوج پر آپ کا راج ہے۔'' عادلہ نے کہا۔

''ہاں مگر ہماری فوج میں بعض افسر ایسے بھی ہیں جو جنگ کے علاوہ عام دنوں میں میرا حکم نہیں مانتے۔'' رضیہ نے کہا۔

''کیا آپ کی مراد احتشام سے ہے؟ میں یقین نہیں کر سکتی کہ وہ آپ کے کسی حکم سے انحراف کرتے ہوں گے۔''

''نہیں میرا روئے سخن التونیہ کی طرف ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

''یہ التونیہ کون شخص ہے۔ کہاں سے ٹپکا۔ سنا ہے کہ بہت بہادر آدمی ہے۔''

''اس کی بہادری میں تو کلام نہیں مگر بڑا مغرور و خودسر معلوم ہوتا ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

''کیا آپ کے حضور میں اس سے کوئی گستاخی سرزد ہوئی تھی کبھی؟''

''گستاخی تو کیا مگر کچھ اس کی حرکات اس قسم کی ہیں گویا وہ خود کو کوئی بڑا آدمی سمجھتا ہے یا اس خیال میں مبتلا ہے گویا جلد کہیں کا حکمراں بن جانے والا ہے۔'' رضیہ نے جواب دیا۔

''اس کا یہ کردار تو کوئی ایسا قابلِ ملامت نہیں۔'' عادلہ نے کہا۔

''قابلِ ملامت تو میں بھی نہیں سمجھتی مگر وہ اور لوگوں کی طرح انکسار پسند یا ہماری خوشنودی کا خواہاں کیوں نظر نہیں آتا۔'' رضیہ نے کہا۔ عادلہ مسکرانے لگی۔

''کیا آپ ہر شخص کو شہزادگی کی نظر سے دیکھنے کی عادی ہیں آپا؟'' عادلہ نے دریافت کیا۔

''نہیں بلکہ سب کو خدا کی مخلوق سمجھتی ہوں اور کسی کو حقیر یا پست تصور نہیں کرتی۔'' رضیہ نے کہا۔

''تو پھر التونیہ کی عادتوں سے کیوں جلنے لگیں آپ؟''

''جلتی نہیں ہوں میں مگر انسان میں کچھ تو انکسار ہونا چاہیے۔ جنگ میں وہ شریک

ہوتا ہے تو خود کو یہ سمجھتا ہے جیسے اس کے برابر کوئی سورما نہیں۔ انصاف نہیں ملنگوں کی۔ واقعی لڑائی میں اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے گویا شیر ہے۔ جنگ یا بر اس کو تو جانتا ہی نہیں۔ دشمن پر تنہا اس طرح ٹوٹ کر پڑتا ہے گویا اُسے یقین ہو کہ اس کا قتل ہونا محال ہے۔ صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتا ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"ان خوبیوں کے باوجود آپ کو آخر اس کی کس چیز کی شکایت ہے؟" عادلہ نے کہا۔

"اس کی خودسری کی۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"ابھی پچھلے ہفتے کی بات ہے کہ میں شکار کو گئی۔ بھائی صاحب بھی ساتھ تھے اور انھوں نے دس پندرہ آدمیوں کے علاوہ التونیہ کو بھی ہم رکاب کر لیا تھا۔ ناگاہ ہمیں تیس چالیس ڈاکوؤں نے آ گھیرا۔ تمھیں معلوم ہے آج کل حمید الدین حسب وعدہ ہمارے علاقے میں بڑے زور و شور سے ڈاکا زنی کر رہا ہے۔ خیر تو التونیہ نے ان سب کو مار بھگایا۔ پھر ان کا تعاقب کیا، میں نے اُسے تعاقب سے روکا تو بولا کہ یہ میدانِ جنگ نہیں ہے کہ میرے حکم کی تعمیل کرے۔ اس کے بعد خود تعاقب میں روانہ ہو گیا۔"

"پھر کیا ہوا؟" عادلہ نے دریافت کیا۔

"تھوڑی دیر بعد دو چار ڈاکوؤں کو پکڑ لایا مگر حمید الدین ہاتھ نہ لگ سکا۔ میں شکار کو چلی گئی تھی جب لوٹی تو مجھے دیکھ کر نہ تو سلام کیا نہ گھوڑے سے اترا، اسی طرح باانداز سربلندی بیٹھا رہا۔ میں نے کہا کہ شکار ذبح کر دے تو بولا کہ میں قصائی نہیں ہوں۔ اس کے اس گستاخانہ الفاظ سے مجھے غصہ بھی آیا اور ہنسی بھی۔" رضیہ نے کہا۔ عادلہ ہنسنے لگی۔

"احتشام میں یہ بات نہیں، وہ ہمارے ایک اشارے پر رقص کرنے لگتا ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"خاص طور پر تمھارے اشارے پر۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر بولی: "لیکن مجھے دونوں کا تقابل مقصود نہیں۔ دنیا میں ہر قسم کے انسان موجود ہیں۔"

"کیا التونیہ جنگلی اور غیر مہذب بھی ہے۔" عادلہ نے پوچھا۔

"نہیں اپنے طور پر اور اپنے مخصوص انداز میں مہذب ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"اور کیا وہ ابا حضور کے سامنے بھی اسی طرح لا اُبالی انداز میں رہتا ہے؟"

"نہیں۔ ان کے سوا ہر ایک کے سامنے۔"

"اس کے یہ معنی کہ وہ اپنا آقا صرف ابا حضور کو سمجھتا ہے۔ ہم لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔" عادلہ نے کہا۔

"معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ممکن ہے ابا جان کا زیر بار احسان وہ یوں بھی ہو کہ انھوں نے اس کو بھٹنڈہ کا تمام علاقہ عطا کر دیا ہے۔ گویا اس کو ایک اوسط درجے کی ریاست بخش دی ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ حاکم بدہن ابا حضور کے بعد وہ ہم سے باغی ہو جائے اور اپنی جاگیر میں پہنچ کر اتنی قوت بڑھالے کہ ہم اس سے عاجز آجائیں۔" عادلہ نے اندیشہ ظاہر کرتے کہا۔ رضیہ چپ ہوگئی۔ اسے بھی اکثر یہ خیال آتا رہتا تھا کہ جس وسیع حکومت کے خواب اس کا اولوالعزم باپ دیکھا کرتا تھا اگر اس کو اپنی حیات میں اس کی تعبیر بھی حاصل ہو گئی تو اس کے بعد اس وسیع سلطنت کو کون سنبھالے گا۔ ولی عہد رکن الدین کی یہ کیفیت تھی کہ اس کو عیش و عشرت سے فرصت نہ تھی۔ یہی کیفیت علاؤ الدین کی تھی۔ اب رہ گیا ناصر الدین تو وہ حکومت کے جھنجٹ ہی سے دور رہتا تھا۔ اس کا ذوق یاد الٰہی کے سوا کچھ نہ تھا۔

۲۵

التمش نے اپنے تمام قرب و جوار کے دشمنوں کو زیر کر کے دم لیا۔ اب نہ تو اس کے خلاف کوئی حکومت کا دعوے دار رہا تھا نہ حریف۔ اس لیے اب اسے اپنی سلطنت کو وسیع کر کے طاقتور بنانے کی فکر تھی۔ بعید مہمات میں سے بنگال، سندھ اور راجپوتانہ تھا، اگر ان کی

تسخیر ہو گئی تو اس کا ملک نہ صرف وسیع ہو جائے گا بلکہ سلطنت کی جڑیں بھی بہت مضبوط ہو جائیں گی۔ فوج اس نے کثیر فراہم کر لی تھی اور چونکہ خود کاہل نہ تھا اس لیے اپنی سپاہ کو بھی نقل و حرکت میں رکھتا تھا۔

سب سے پہلے اس نے بنگال کو مسخر کرنے کی ٹھانی۔ یہ بڑا دور کا دھاوا تھا جس کی کامیابی پر دوسری فتوحات کا دارومدار تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ مہم ناکام ہو گئی تو اس کا وقار و دبدبہ بھی جاتا رہے گا اور اپنی سلطنت میں بھی بدامنی کا احتمال تھا۔ اس لیے بڑے تدبر سے قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

چنانچہ التمش نے شب و روز کے انہماک کے بعد پلان تیار کیا۔ بنگال کی مہم میں وہ اپنی پوری قوت جھونک دینا چاہتا تھا تاکہ فتح یقینی ہو کر آئندہ کی مہمات پر کامیابی کی مہر لگا دے۔ اس کا سپہ سالار کچھ زیادہ اولوالعزم انسان نہ تھا۔ اس لیے سپہ سالاری سے لے کر دوسرے تمام انصرام بھی اسے اس کی بہادر اور مہ جبین بیٹی کو سنبھالنے پڑتے تھے، اس میں حسین اور ذہین عادلہ بھی ان کا ہاتھ بٹاتی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ بادشاہ کا غلام یاقوت بھی نہایت بھروسے کا آدمی تھا جو کتے سے بھی زیادہ اپنے مالک اور شہزادی رضیہ کا وفادار تھا۔

التمش نے اپنی بنگال کی مہم سے سوائے عبیداللہ، رضیہ، عادلہ اور یاقوت کے کسی کو باخبر نہیں کیا۔ فوج اور اس کے سردار صرف اتنا جانتے تھے کہ انھیں کسی مہم پر بھیجا جا رہا ہے، لیکن کہاں، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ آج کل کا طریقہ جنگ بھی یہی ہے، سوائے جنرل کے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس طرف نقل و حرکت کی جا رہی ہے۔

''عادلہ بیٹی اس مہم میں ہراول کس کے سپرد کیا جائے؟'' التمش نے عادلہ کی رائے طلب کی۔ اس نے ذرا غور کیا پھر بولی:

''میرے ناقص خیال میں تو ابا حضور اس کے لیے التونیہ موزوں رہے گا۔ آپ شہزادی باجی کی بھی رائے معلوم کریں۔''

"کیوں رضیہ تمہارا کیا خیال ہے؟" اس بار التمش نے رضیہ سے دریافت کیا۔
"عادلہ کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔
"کتنی مسافت ہوگی ابا حضور بنگال کی یہاں سے۔" عادلہ نے پوچھا۔
"عام سفر کم از کم تین ماہ کا اور فوجی کوچ میں دو ماہ تو صرف ہو جائیں گے۔"
"توپ خانہ ہلکا اور بھاری دونوں قسم کا ساتھ لیجیے ابا جان اور راجپوتانہ و سندھ کی سرحدوں سے دُور کٹ کر چلیے تاکہ وہاں کے راجہ ہماری نقل و حرکت سے بے خبر رہیں۔" رضیہ نے کہا۔
"شہزادی آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں یہ عرض کروں گی توشہ خانہ اور باربرداری کا انصرام یاقوت کے سپرد فرمائیں اور تیر اندازوں کا دستہ نظام کی نگرانی میں دیں۔ قادر بخش میں تنظیم قائم کرنے کی کمی ہے۔" عادلہ نے مشورتاً کہا۔ التمش کو دونوں لڑکیوں کی رائے صائب معلوم ہوئی۔
"میں تم دونوں کو جنگ میں علیحدہ علیحدہ رکھوں گا تاکہ ایک دوسرے کی تکلیف سے کڑھنے نہ لگو۔" التمش نے مسکرا کر کہا۔
"حمید الدین کا بندوبست کرتے جائیں ابا جان کیونکہ اس کے ڈاکے زنی کی وارداتیں بہت زیادہ ہونے لگی ہیں۔" رضیہ نے کہا۔
"میں اس سے غافل نہیں ہوں پہلے ہی خاص خاص راہوں اور قصبوں میں چوکیاں قائم کر چکا ہوں۔" التمش نے کہا۔
"مگر اس پر بھی وہ سب کی آنکھوں میں خاک جھونک کر ڈاکے مار جاتا ہے۔" عادلہ نے کہا۔
غرض تیس ہزار اور بعض روایات کی رُو سے چالیس پینتالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر التمش بنگال کی سمت روانہ ہوا۔ اسلامی قانون کے مطابق اس لشکر کو شدید ہدایات تھیں کہ

کھیتوں اور بستیوں سے بچتا ہوا کوچ کرے تا کہ فصلیں اور آبادیاں پامال نہ ہونے پائیں۔ کوئی مویشی، غلہ اور اسی قسم کی چیزیں بلا معاوضہ نہ لی جائیں اور کسی شے پر تصرف نہ کیا جائے نہ کسی کو کوئی گزند پہنچے۔

ایک مہینے میں لشکر اس خطے میں پہنچ گیا جو اب بہار کہلاتا ہے۔ ہر چند بادشاہ نہایت دین دار تھا مگر لشکری تیرہ سو سال پہلے کا پاک باز مجاہد نہ تھا۔ چنانچہ کئی سپاہی عورتوں کے معاملہ میں فوجیوں کی سی حرکت سے باز نہ آتے تھے بعض تو چند خوبصورت و نوعمر عورتوں پر ایسے ریجھے کہ ہوائے وصل میں فوج ہی سے بھاگ چھوٹے اور بہار کے دُور دراز علاقے میں جا آباد ہوئے۔ ان کی نسل اس قدر پھیلی کہ اب بھی کئی گمشدہ خاندان بہار میں ان کی یادگار کے طور پر موجود ہیں۔

غریب احتشام کو سب نے اس طرح فراموش کر دیا تھا گویا اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ جس سے توقع تھی کہ اس کا خیال رکھے گی وہ بربنائے حیا اور بوجہ خطرۂ رسوائی اس پر کوئی توجہ صرف کرنے سے قاصر تھی بلکہ اس کا ذکر بھی زبان پر لانے سے ڈرتی تھی۔ بنگال کی مہم میں وہ بھی ساتھ تھا مگر یہ اس ایک ہاتھ والے انسان پر ظلم تھا کہ اس سے کسی زبردست نبرد آزمائی کی توقع کی جاتی۔ وہ بے شک ایک شجاع آدمی تھا اور میدانِ کارزار میں دلاوری کے جوہر دکھا سکتا تھا مگر ایک ہاتھ سے بہ یک وقت شمشیر زنی و مدافعت نہیں کر سکتا تھا۔

احتشام کے اس عجز کا عادلہ کو بھی خیال آتا مگر وہ کیا کر سکتی تھی۔ نہ تو اس سے کہہ سکتی تھی کہ تم لڑائی میں نہ جاؤ نہ آتش سے کہہ کر اُسے رخصت دلا سکتی تھی۔ احتشام شاید ان دونوں باتوں کو خود بھی پسند نہ کرتا۔ وہ بہادر آدمی تھا کس طرح لڑائی سے منہ موڑ سکتا تھا۔ صرف یہ ہی صورت ممکن تھا کہ ہنگامِ جنگ عادلہ قریب یا دُور سے اس کی حفاظت کرتی مگر کیا یہ آتش کی عقابی آنکھوں میں آنے سے بچ سکتی تھی۔ عادلہ کو احتشام کی حفاظت کرتے دیکھ کر کیا رائے قائم کرے گا۔

ان تمام حالات کے پیش نظر اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ معذور مدافعت احتشام کو قسمت کے حوالے کیا جائے۔ اگر اس کی زندگی ہوگی تو بچ جائے گا ورنہ ایک بہادر آدمی کی طرح میدانِ کارزار میں کام آئے گا لیکن عادلہ کی ان خیالات سے بھی تسکین نہیں ہوئی۔ احتشام کے دل میں کوئی اس قسم کا خطرہ وارد نہیں ہوا کہ جنگ میں اپنے بچاؤ کرنے سے قاصر رہ جائے گا اور نہ اسے اپنی یک دستی کا قلق تھا۔ اگر رنج تھا تو یہ کہ افسوس عادلہ نے ایسی آنکھیں پھیری تھیں کہ کبھی اس کی طرف گزرنے کی بھی روادار نہیں رہی تھی۔

آخر دوسرے ماہ لشکر کوچ کرتا ہوا بنگال کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ والیٔ بنگال کو جو اطلاع پہنچی کہ التمش ایک لشکرِ عظیم لے کر سر پر آ پہنچا ہے تو اس نے بہت جلد تیاری کی اور فوج کا بڑا حصہ آگے روانہ کیا تا کہ شاہی لشکر کو سرحد ہی پر روک دے۔ ایک ہفتہ کے بعد دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مگر حملہ آوروں نے دشمن کو شکست دے کر مار بھگایا۔

''ابا جان پہلی فتح مبارک۔ اب یہ بتایئے کہ صرف والیٔ بنگال کو زیر کرنا مقصود ہے یا پورے بنگال کو فتح کیجیے گا۔'' رات کو پڑاؤ کے بعد رضیہ نے اپنے والد سے دریافت کیا۔

''بیٹی جب تک تمام بنگال کی مکمل تسخیر نہ ہوگی آیندہ جنگ کے امکانات ختم نہ ہوں گے۔ اگر ہم نے پورا علاقہ فتح نہ کیا تو اِدھر پیٹھ موڑی اُدھر پھر یہاں ہمارے خلاف بغاوت پھیل جائے گی۔'' التمش نے جواب دیا۔

''بنگال کے آگے اور کون سے ملک ہیں ابا جان۔ انھیں بھی کیوں نہیں فتح کیا جائے۔'' عادلہ نے کہا۔

''خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ ہم بنگال سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ ورنہ دہلی سے ہزاروں میل دُور نکل جائیں گے۔'' التمش نے کہا۔

اب التمش نے اپنی فوج کو پھیلا کر کوچ کیا تا کہ راہ میں اگر کوئی رئیس یا نواب مزاحم ہو تو اس کو اپنے سیلاب میں بہاتے ختم کرتے چلے جائیں۔ اس قسم کی اس کو دو تین معمولی

سے جھڑپیں کرنی پڑیں۔ آخر بنگال کے دارالخلافہ تک جا پہنچا۔

یہاں دفاع کے لیے دشمن نے ایک لشکرِ کثیر جمع کر لیا تھا مگر التمش نے آرام کیے بغیر فوج کو ترتیب دے کر حملہ کر دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ گھمسان کا رن پڑا کہ زمین دہلی ہل گئی۔ التمش، رضیہ، عادلہ اور التونیہ نے بڑی دادِ شجاعت دی۔ ادھر احتشام اپنے ایک ہاتھ سے جنگ کرتا رہا۔ عادلہ وقتاً فوقتاً اس کی طرف دیکھ لیتی تھی کہ کہیں کام نہ آ گیا ہو اور موقع ملتا تھا تو اس کی مدافعت میں دُور سے دشمنوں کو تیروں سے اُڑا دیتی تھی مگر پھر بھی بچاؤ میں عاجز ہونے کے باعث احتشام سب سے زیادہ زخمی ہوا۔ آخر اٹھارہ گھنٹے کی شدید جنگ کے بعد التمش کو فتحِ کامل ہوئی اور دشمن میدان چھوڑ کر بری طرح بھاگ نکلا۔ اس طرح التمش نے 1225ء میں بنگال کو فتح کیا۔

۲۶

بختیار خلجی حاکمِ بنگال اس جنگ میں التمش کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس فتح کے بعد التمش کا تمام بنگال پر تسلط ہو گیا اور اس کی قوت کی دھاک تمام دشمنوں پر بیٹھ گئی۔ اس جنگ کی کامیابی کا سہرا بھی دراصل رضیہ کے حُسنِ تدبّر کے سر تھا۔ اس نے جنگ سے قبل چو طرف کے ناکے اس طرح روک دیئے تھے کہ نہ تو دشمن کے پاس سے کہیں سے کمک آ سکتی تھی نہ سامانِ جنگ۔

غریب احتشام زخموں سے چُور کئی روز تک تنہا اپنے خیمے میں پڑا رہا۔ سب فتح کی خوشی میں مگن تھے۔ التمش و رضیہ تو خیر بنگال کے نظم و نسق میں مصروف ہو گئے تھے۔ التمش کو یہاں برائے چندے قیام کرنا پڑا کیونکہ پنجاب و غزنی کی طرح اسے یہاں بھی امرا اور زمینداروں کا زور توڑ کر عوام کی حالت درست کرنی تھی۔ بنگال شروع ہی سے مسلمان فاتحین کی جولان گاہ رہا ہے مگر تعجب ہے کہ ہم آج بھی وہاں کے کلچر اور زبان پر ہندو تہذیب

کو غالب دیکھتے ہیں۔

عادل کی یہ کیفیت تھی گویا اس زبردست فتح کے بعد تعطیل منا رہی ہو۔ تقریباً تھوڑی سی سپاہ لے کر سیر و شکار کو نکل جاتی۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ قرب و جوار میں مخالفین کے وجود کو ختم کرا آتی۔ سرسبز بنگال کی چاندنی راتیں بھی کسی پرفضا جنگل میں اسے احتشام کی یاد دلاتیں مگر وہ دل میں یہ کہہ کر چپ ہو جاتی کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔ بادشاہ خود بنفسِ نفیس موجود تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ کس طرح حکم صادر کر سکتی تھی کہ احتشام کا خاص خیال رکھا جائے اور اس کی صحت کی طرف توجہ خاص کی جائے۔

احتشام کسی کا شاکی نہ تھا۔ اگر تھا تو اپنی قسمت کی نارسائی کا۔ زندہ جسم کا کٹا ہوا گوشت، اس سے بہا ہوا تازہ تازہ خونِ حیات یونہی بہتا رہا۔ اس کے آدمی ممکن تدابیر سے اس کی صحت میں کوشاں تھے مگر کسی کی غم خواری قبول نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کو وہ بزدلی اور اپنی سپاہیانہ شان کے خلاف سمجھتا تھا۔

التمش کسی کے حال سے غافل نہیں رہتا تھا مگر چونکہ اس نے ابھی نیا نیا ملک فتح کیا تھا تو نئی نئی ذمے داریوں میں پھنس گیا تھا۔ آخر اسے معلوم ہوا کہ احتشام کی حالت زخموں سے تشویشناک ہوتی جا رہی ہے تو وقت نکال کر ایک روز خود اس کی عیادت کو پہنچا تا کہ اس کی خاطر خواہ غور و پرداخت ہو سکے۔ اس کا خیمہ اپنے خیمہ کے ذرا قریب نصب کرا دیا۔

"عادل! اباجان فرما رہے تھے کہ احتشام اپنے شدید زخموں کے باعث بہت نڈھال ہو گیا ہے۔" رضیہ نے دو چار روز بعد عادل سے کہا۔

"کسی روز آپ اور ہم مل کر دیکھ آئیں گے انھیں۔" عادل نے کہا۔

"آج ہی کیا چیز مانع ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"اب تو رات ہو گئی ہے۔ ممکن ہے وہ سو گیا ہو۔" عادل نے کہا۔

"زیادہ نخرے نہ کرو۔ چلو ممکن ہے تمھیں دیکھ کر وہ راحت محسوس کرنے لگے۔"

رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

''آپ بھی حد کرتی ہیں باجی۔ خیر چلیے مگر یقین مانیے آپ کو دیکھ کر تو مُردے بھی جی اُٹھتے ہیں اور جیتے گھایل ہو کر تڑپنے لگتے ہیں۔'' عادلہ نے ہنس کر کہا۔ رضیہ مسکرانے لگی۔

''آپ کو کچھ خبر بھی ہے شہزادی آپا۔ جنگ کے جس محاذ پر آپ جا پہنچتی ہیں تو اپنے آدمی اور دشمن کے سپاہی شمشیر زنی بھول کر آپ کے حُسن کا تماشا کرنے لگتے ہیں۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ دشمن کے بیسیوں آدمی اس غفلت میں مارے گئے اور ہمارے بھی۔'' عادلہ نے کہا۔ رضیہ صرف مسکراتی رہی۔

''اب دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت احتشام مجھے دیکھ کر سکون محسوس کرتا ہے یا تمھیں اپنے سرہانے پا کر آسودگی پاتا ہے۔'' آخر اس نے کہا۔

''اس کا اندازہ کیسے ہوگا؟'' عادلہ نے مسکرا کر کہا۔

''ایسا کریں گے کہ تم چند منٹ بعد چلی جانا۔ میں ذرا رُک جاؤں گی، پھر دیکھنا ہے کہ تمھارے چلے جانے کے بعد اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

''واہ۔ آپ کا کیا اعتبار۔ جھوٹ موٹ کہہ دیں گی کہ میرے چلے آنے کے بعد وہ تڑپنے لگا تھا۔ میں تصدیق کے لیے وہاں موجود تو ہوں گی نہیں۔'' عادلہ نے کہا۔

''اچھا تو میں پہلے چلی آؤں گی تم ذرا رُک جانا۔ پھر تو دیکھ لو گی۔'' رضیہ بولی۔ عادلہ چپ ہو گئی۔

''باجی خدا گواہ ہے۔ آپ کے حُسن اور اس کے رعب سے ہر شخص کی میں نے کچھ عجیب سی حالت ہوجاتے دیکھی ہے۔'' عادلہ نے محبت سے رضیہ کا بازو تھام کر کہا۔

''اچھا اب قصیدہ گوئی ختم کرو۔ احتشام کا خیمہ آ گیا۔ ابا جان اسے غور و پرداخت کے لیے اپنے قریب لے آئے ہیں۔'' رضیہ نے کہا۔ خیمہ کے قریب پہنچ کر انھوں نے اپنے باڈی گارڈ کے لوگوں کو وہیں چھوڑا اور دونوں اندر داخل ہو گئیں۔

احتشام پٹیوں سے جکڑا پڑا تھا اور اشاروں سے نمازِ عشا ادا کر رہا تھا۔ عادلہ نے دیکھا کہ وہ گھل کر آدھا رہ گیا ہے۔ اس کا ایک بے کس ہاتھ خدا کے دربار میں بھی بے آسرا تھا اور دوسرا سالم ہاتھ رکنِ نماز کے طور پر سینے پر رکھا ہوا تھا۔ قصر کے دوگانہ ادا کرنے کے بعد احتشام کی نظر رضیہ پر پڑی تو بغرضِ احترام اس نے اُٹھ کھڑا ہونا چاہا مگر رضیہ نے مسکرا کر کہا:

''یہ آپ کیا گستاخی کر رہے ہیں۔ سب سے بڑے دربار میں تو پڑے رہے اور مجھے دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''لیٹے رہیے۔ کہیں زخم نہ کھل جائیں۔'' عادلہ نے بھی رضیہ کے پیچھے سے نکل کر کہا۔ احتشام کی خوبصورت مخروں آنکھیں اسے دیکھ کر مسرت و زندگی سے لبریز ہو گئیں اور وہ مسلسل اس کی جانب دیکھے جانے سے خود کو باز نہ رکھ سکا۔ پھر شہزادی کی موجودگی کا پاس کر کے اس نے آنکھیں جھکا لیں اور جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔

''براہِ کرم لیٹ جائیے۔ اٹھنے کی تکلیف نہ کیجیے۔'' رضیہ نے پھر فہمائش کی۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' شہزادی نے پھر اس کی مزاج پرسی کی غرض سے دریافت کیا۔

''شکر ہے اچھا ہوں۔'' احتشام نے نیچی نظروں سے جواب دیا اور شہزادی کا شکریہ ادا کیا۔

''آپ نے کسی کے ذریعے ابا جان کو بھی اطلاع نہیں کی کہ آپ کے زخم بگڑ گئے ہیں۔'' شہزادی نے کہا۔

''زخم تو کسی سپاہی کے لیے کوئی نئی چیز نہیں شہزادی صاحبہ۔ اس کے علاوہ اور ہزاروں بندگانِ خدا مجھ سے بھی زیادہ شدید طور پر زخمی ہوئے ہوں گے۔'' احتشام نے مؤدبانہ کہا۔

''بنگال کی مہم کو آپ نے کیسا پایا؟'' شہزادی نے دریافت کیا۔

''یہ تو بڑی معمولی سی مہم تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ جنگ دو چار روز تک تو جاری رہے گی

مگر دشمن تو بڑا کمزور نکلا۔" احتشام نے کہا۔ عادلہ نے دل میں اس کے حوصلے کی داد دی۔ وہ اب تک چپ تھی، صرف رضیہ ہی باتیں کیے جا رہی تھی۔

احتشام کا دل عادلہ کو پکار رہا تھا کہ تم کیوں نہیں بولتیں۔ کیوں چپ ہو۔ کیا مجھ سے ناراض ہو گئیں مگر رضیہ کی موجودگی میں وہ اس سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا البتہ اپنے خیمہ کو نہایت روشن پا رہا تھا۔ رضیہ کے حُسن کا اُجالا اور عادلہ کے جمال کی ٹھنڈک اسے روشن اور ٹھنڈی چاندنی سے بھی زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی۔ آخر ایک بار اس نے جرأت کر کے پھر عادلہ کی طرف دیکھا۔ معصوم خوبصورت مگر قیامت کی جلاد۔ اے خدا تو نے اپنے بندوں کو اس قسم کا انسان کیوں بنایا۔ تو نے پتھر پر ایسی گل کاری کیوں کر دی کہ آدمی اسے دیکھ کر دھوکا کھاتا رہے۔ احتشام عادلہ کے بوٹے سے قد کی طرف حیراں سوچ رہا تھا۔

"چلیں اب شہزادی باجی۔" آخر ذرا وقفہ کے بعد عادلہ نے کہا۔

"اچھا حضور کو جانے کی جلدی تھی تو تشریف آوری کی زحمت کیوں فرمائی۔" احتشام نے دل میں کہا۔

"آپ کے شدید گھاؤ کتنے ہیں۔" رضیہ نے صرف گفتگو کی خاطر دریافت کیا۔

"ایک بھی نہیں۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔

"پھر یہ اتنی پٹیاں کیوں ضائع کی گئی ہیں۔" عادلہ نے کہا۔ رضیہ نے اس کی شوخی سے دل میں لطف لیا۔ کیونکہ یہ مناظر اس کی زندگی سے تقریباً خارج تھے۔

"یہ تو حضور بادشاہ سلامت سے دریافت کیجیے کہ وہ اپنے غلاموں کو کیوں تو اذا کرتے ہیں۔" احتشام نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا اب آرام کیجیے۔ آپ ان شاء اللہ جلد اچھے ہو کر آیندہ کے معرکوں کے لیے تیار ہو جائیں گے۔" رضیہ نے اپنی عادتِ حسنہ کے مطابق حوصلہ افزائی کے طور پر کہا اور رخصت ہوئی۔ آگے آگے خود، پیچھے پیچھے عادلہ۔ احتشام کی حسرت نصیب نگاہوں نے دُور

تک عادل کا تعاقب کیا کہ ممکن ہے جاتے جاتے ستم گر پلٹ کر دیکھے مگر اس نے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ شہزادی دروازے سے نکل گئی۔ اب ایک سیکنڈ کے لیے عادل کی نگاہیں پلٹیں اور احتشام کی دیوانگی و محویت پر اُسے ہنسی آ گئی۔ احتشام نے تبسم کے ان پھولوں کو سمیٹ کر سینے سے لگا لیا۔

۲۷

بنگال کی فتح اب تک تمام فتوحات میں سب سے بڑی تھی۔ اس سے التمش کو ایک بڑا ملک مل گیا تھا۔ یہاں کی آب و ہوا بھی غزنی، پنجاب اور دہلی سے مختلف تھی۔ انسان بھی اور جگہ کے انسانوں سے کچھ مختلف نظر آتے تھے۔ اس فتحِ عظیم سے التمش اور اس کی تمام سپاہ خوش تھی۔ بنگال کی طرف مسلمان فاتحین نے 1197ء سے قبل باقاعدہ حملہ نہیں کیا تھا۔ آخر 1197ء میں سلطان محمود غوری کے ایک سپہ سالار اختیار الدین محمد بن بختیار نے بنگال کو فتح کر لیا تھا لیکن اس خاندان کو شکست دے کر 1225ء میں التمش نے بنگال فتح کیا اور پورا علاقہ اس کے زیرنگیں آ گیا۔

ہر شخص کی خواہش تھی کہ بادشاہ سلامت ابھی برائے چندے اس نئے علاقے میں ہی قیام فرما رہیں مگر التمش کو اس فتح کے بعد سندھ کی فکر تھی۔ سندھ ہر چند دہلی سے کافی دُور تھا مگر وہ ایک طرح راجپوتانہ کا دروازہ تھا اور التمش جیسے اولوالعزم بادشاہ نے راجپوتانہ کو پہلے تاک رکھا تھا۔ اس لیے وہ چاہتا تھا کہ سندھ کی مہم سے جلد فارغ ہو کر راجپوتانہ کے لیے راہ ہموار کر لے۔

ابھی بنگال کی تمام آبادی ہندو تھی کیونکہ یہاں مسلمانوں کی حکومت کے قیام کو ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری تھی۔ اس کے علاوہ بختیار حاکم بنگال اور اس کے پیشرو صرف حکومت سے کام رکھتے تھے۔ انھوں نے نہ تو عوام سے میل جول بڑھایا تھا نہ ہندوؤں پر

احسانات کیے تھے کہ تمام غیر مسلم آبادی کے قلوب اس کی جانب جھکتے۔

اب التمش نے بنگال فتح کر لیا تو اس کو ہندوؤں کا خیال آیا۔ یہاں کی کثیر آبادی جو کہ تمام تر پسماندگی کی زندگی گزار رہی تھی اور راجہ لکشمن سین بلکہ اس سے پہلے کہ ہندو حکمرانوں کے عہد سے چند جاگیرداروں کی غلام بنی ہوئی تھی۔ اب اس کثیر ہندو آبادی کے ساتھ ربط ضبط بڑھانے اور ان کے ساتھ سلوک کرنے کے لیے کافی وقت کی ضرورت تھی۔ التمش جیسے سیماب صفت بادشاہ کو اتنی مہلت نہ تھی۔ آخر اس نے مراجعت کا ارادہ کیا مگر مدبر وزیرک رضیہ نے اس کی عاجلانہ مراجعت کی مخالفت کی۔

''ابا جان اب تک ہم لوگ یہی کرتے رہے ہیں کہ ملک فتح کیا اور اپنی راہ لی۔ یہ محض خونریزی ہے۔ اس طرح ہم میں اور تاتاریوں میں کوئی فرق نہیں۔ خلد آشیانی محمود غزنوی ، شہنشاہ قطب الدین وغیرہ نے یہی کیا کہ ہندوؤں کے ملکوں پر چڑھائیاں کیں انھیں شکستیں دیں اور چلے آئے۔ حالانکہ خلیفۃ الاسلام کا حکم ہے کہ آشتی و محبت کے ساتھ غیر مسلمین میں تبلیغ اسلام کی جائے۔ بتائیے آپ نے یہ فرض اب تک کس حد تک پورا کیا۔'' رضیہ نے اپنے باپ کی خبر لیتے ہوئے کہا۔ التمش اس عاقلہ کے اعتراض پر کچھ کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا اور بولا:

''جانِ پدر مجھے قدرت نے اتنی مہلت کب بخشی کہ میں اس فریضہ کو ادا کرتا۔ حکومت سنبھالتے ہی دشمنوں میں گھر گیا۔ خدا خدا کر کے ان سے نجات ملی تو اب دُور کے دشمنوں کی فکر دامن گیر ہے مگر میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر زندگی نے وفا کی تو ان شاء اللہ اپنے بعد ایک مضبوط و طاقتور اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈال کر جاؤں گا۔ پھر اس کو قائم رکھنا تم لوگوں کا کام ہوگا۔''

''خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اگر مجھے آپ کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا تو ان شاء اللہ آپ کے تخیل کو تکمیل کر کے بتاؤں گی مگر سر دست میری یہ

درخواست ہے کہ آپ بنگال میں برائے چندے قیام فرمائیے۔ ہندوؤں سے ملیے جلیے۔ ان کے دُکھ درد کو سنائیے اگر آپ نے اپنے بندگانِ خدا کی خدمت کی تو ضرور ان کے دین حق کی طرف رجوع کریں گے۔'' رضیہ نے کہا۔

''یہ میرے لیے ثواب دارین ہوگا مگر رضیہ بیٹی میں دارالسلطنت سے زیادہ عرصہ تک غائب نہیں رہ سکتا۔ ابھی میرے سامنے بہت سے خدشات ہیں اس لیے میں دہلی کی طرف مراجعت کے لیے مجبور ہوں البتہ میری جانب سے تم یہ فریضہ ادا کرو۔ آدھی سے زیادہ فوج یہاں تمھارے پاس چھوڑ دوں گا۔ افسوس احتشام ایک ہاتھ کا سپاہی ہے مگر میں پھر بھی اسے ہمراہ لے جاؤں گا۔ شکر ہے اب اس کے زخم اچھے ہو گئے ہیں۔ مجھے اس کے مشورے بہت پسند ہیں۔'' التمش نے کہا۔

''بہتر ہے، یہاں برائے چندے قیام کر کے تبلیغ کا فریضہ کو ادا کروں گی۔ کوئی جبر و اکراہ نہ ہوگا، کسی غیر مسلم کے عقائد سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ خود اندازہ نہ لگالے کہ مسلمان کیسے کہتے ہیں۔'' رضیہ نے کہا۔

''کرچکیں آپ اسلام کی تبلیغ۔ آپ تو اُلٹا کفر پھیلائیں گی۔'' دوسرے روز عادلہ نے رضیہ کی رپورٹ سن کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیسے؟'' رضیہ نے دریافت کیا۔

''آپ کو دیکھ کر کون فرد و بشر اپنے دین و ایمان پر قائم رہ سکے گا۔ آپ کے اس جمال جہاں افروز سے یا تو لوگ لادین ہو جائیں گے یا اور بھی بت پرستی کرنے لگیں گے اور وہ بت آپ کا ہوگا۔'' عادلہ نے ہنس کر کہا۔ رضیہ بھی مسکرانے لگی۔

بنگال میں چند روز قیام کر کے، التمش تو فتح و ظفر کے شادیانے بجاتا ہوا دہلی روانہ ہوا۔ رضیہ بنگال کے مکمل نظم و نسق کے لیے رُک گئی۔ التمش اپنے لڑکوں سے بھی کام لینا چاہتا تھا مگر سوائے ناصر الدین محمود کے وہ سب کے سب نکمے اور عیاش تھے۔ التمش کو اکثر یہی فکر

دامن گیر رہتی تھی کہ جس سلطنت کو وہ اپنا اور اپنی فوج کا خون بہا کر وسیع کر رہا ہے، اس کا حشر اس کے لڑکوں کے ہاتھوں کیا ہوگا۔

بنگال کے ہندو راجہ لکشمن سین کی راج دھانی ندیا تھی۔ چنانچہ رضیہ نے ندیا اور اس کے مضافات کا دورہ شروع کیا تاکہ اندرونِ بنگال نظام قائم کر کے سلطنت کی جڑیں بھی مضبوط کرے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے بھی کچھ کام کرے۔ یہ چیز رضیہ کے کردار میں داخل تھی کہ شہزادگی کے زمانہ ہی سے اس کو ہمیشہ غربا و عوام کا خیال رہا اور سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد تو اس کی تمام تر توجہ اسی طرف ہو گئی تھی۔

رضیہ نے اپنے بنگال کے دورے سے قبل تمام علاقوں میں اعلان کرا دیا کہ فاتح بادشاہ التمش کی بیٹی آ رہی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو کچھ عرض و معروض کرنا ہو تو بے تکلف اپنے نمائندوں کے ذریعہ اپنے مطالبات پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ راج کماری سے عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے سب مل سکتے ہیں۔

بنگال فتح تو ہو گیا تھا مگر وہاں کی ہندو اکثریت نے نہ تو اس کے فاتح کو اپنا راجہ تسلیم کیا تھا نہ اس کی بیٹی کو راج کماری۔ اس زمانے میں بنگال کے اندر مسلمان تو صرف آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ کیونکہ پہلے والے مسلم فاتحین نے اپنے فسطائی نظام کے ماتحت ہندوؤں سے کوئی میل جول نہیں بڑھایا تھا۔ اسی طرح بنگال میں صوفیائے کرام اور درویشوں کا بھی گزر بہت کم ہوا تھا۔

چنانچہ رضیہ کی آمد کے سلسلہ میں ہندوؤں نے اس کے خیر مقدم کی کوئی تیاری نہیں کی بلکہ بائیکاٹ کا پروگرام بنانے لگے۔ رضیہ کو اطلاع ملی تو مسکرائی۔ اسے اپنے حُسن کی سحر کاری اور تدبر پر بھروسا تھا۔ ابھی چونکہ ملک نیا نیا فتح ہوا تھا، اس لیے احتیاطاً رضیہ نے تھوڑی سی فوج ساتھ لے لی تھی مگر اس کو بہت پیچھے رکھا۔

واقعی رضیہ کو مایوسی ہوئی کیونکہ جب وہ سب سے پہلے قصبہ میں پہنچی تو لوگ اس سے

ملنے آنے کے بجائے گھروں میں گھس کر بیٹھ گئے۔ رضیہ مردانہ لباس پہن کر باہر نکلا کرتی تھی مگر اس وقت وہ راج کماری کے شاہانہ ملبوس سے آراستہ تھی تاکہ دیکھنے والے اگر دیکھنے کی تاب لا سکیں تو پھر اس برق پاش جلوہ سے جل کر رہ جائیں۔

شہزادی کو اپنوں نے بھی عرصہ کے بعد اس کے اصلی روپ میں دیکھا تھا۔ چنانچہ سوائے عادلہ کے ہر شخص اس قیامت کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور التونیہ تو اس حُسنِ ہوش رُبا کی تاب نہ لا سکا۔ دیوانہ وار بڑھا اور شہزادی کی رکاب سے آنکھیں ملنے لگا۔ اس کا غرور و خودداری وغیرہ سب جل کر خاکستر ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد آخر کچھ بوڑھیاں اور چند بچے محض تماشے کی خاطر نکل آئے۔ بوڑھیوں نے جو یہاں ایک حور شمائل عورت کو دیکھا اور جب انھیں معلوم ہوا کہ یہی مسلمان راج کماری ہے تو وہ اس کو انسان کے علاوہ کوئی دیوی سمجھنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد تمام دوسری عورتوں میں بھی کھلبلی مچ گئی کہ کوئی دیوی راج کماری کے روپ میں ان کی بستی کے اندر آئی ہے۔ پھر کیا تھا تمام مخلوق پرشاد اور پھول بھینٹ چڑھانے کو دوڑ پڑی۔ نہ لوگ فوج سے ڈرے نہ اسلحہ سے، سب نے بڑھ کر رضیہ کو ہار پھولوں سے لاد دیا۔

مرد بھی دیوانہ وار ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں رضیہ کے سحرِ حُسن نے لوگوں کو دیوانہ بنا دیا۔ اس نے اس قصبہ میں کئی روز قیام کیا۔ دوسرے روز ہی آس پاس کی بستیوں میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ مسلمان راج کماری کے روپ میں دراصل کوئی دیوی درشن دینے آئی ہے۔ دیوانہ ہونے بس است۔ سب طرف سے خلقت ٹوٹ پڑی اور بستی جس میں رضیہ مقیم ہوئی تھی اچھا خاصا تیرتھ بن گئی۔

رضیہ بھی اپنی اس کامیابی سے بہت خوش ہوئی اور سجدۂ شکر بجا لائی۔ اس نے اسی روز ایک مندر بنانے کا حکم دیا۔ اپنا مندر نہیں بلکہ ہندوؤں کا مندر۔

اس طرح اس نے غیر مسلموں کے دل جیت لیے۔ اس کی غیر معمولی قدرت اور حُسن

کی شہرت رفتہ رفتہ پورے بنگال میں پھیلنے لگی اور لوگ جوق در جوق ذرہ ذرہ سے اس کی زیارت کو آنے لگے۔ رضیہ اپنے تمام پرستاروں سے نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آئی مگر محض لفظی مہربانیوں سے غریبوں کی مصیبتیں کم نہیں ہوا کرتیں۔ اس نے افتادہ زمینیں مفت عوام میں بانٹ دیں۔ حکومت کی جانب سے بیل اور ہل خرید کر دیے۔

مہاجنوں، سود خوروں اور جاگیرداروں نے لوگوں کا خون چوس ڈالا تھا۔ ان کی بوٹی بوٹی قرضے میں جکڑی ہوئی تھی۔ رضیہ نے سب کے قرضے ادا کیے۔ چھوٹی موٹی سڑکیں، پُل اور کنویں بنوائے، اس کے علاوہ بڑی بستیوں میں چند مساجد بھی تعمیر کرائیں اور اپنی فوج کے تمام سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان مساجد میں باجماعت نماز ادا کریں تاکہ ان کے طریقِ عبادت سے لوگ متاثر ہوں۔

یہ ایک روز کا کام نہ تھا۔ پھر اس کا نتیجہ دیکھنے کے لیے مدت درکار تھی مگر رضیہ کام کی ابتدا کر چکی تھی۔ وہ اپنے وسائل کی وسعت تک جلد جلد کام کر رہی تھی اور تمام لوگ اس سے مانوس ہوتے جا رہے تھے مگر التونیہ مایوس ہوتا جا رہا تھا۔ یہ تُرک نوجوان دلّی کے جوہری بازار میں رضیہ کی پہلی ہی نظر سے بسمل ہو گیا تھا۔ ایک وہی کیا اُسے جو دیکھ لیتا تھا اس کی سنانِ حُسن سے گھایل ہوئے بغیر نہ بچتا تھا مگر مغرور و خود پرست التونیہ پر تو رضیہ نے ایسا جادو کر دیا تھا کہ وہ ہر دم اس کی روح میں بسی رہنے لگی تھی۔

یہ ایک شہزادی سے محبت کرنے کا معاملہ تھا۔ پہلے بھی شاہانہ نازک ہستیوں کے عشق میں ہزاروں بدنصیب اور بے وسیلہ لوگ جانیں دے چکے تھے۔ شیریں کے نامعلوم کتنے پرستار ہوں گے مگر ایک تیشہ باز اپنے سر پر تیشہ مار کر تاریخِ عشق میں اپنا ایک بلند مقام پیدا کر گیا۔ التونیہ اپنے سر میں تیشہ یا تبر مارنے کے بجائے اپنے دل کی مکیں شہزادی کی خاطر میدانِ جنگ میں ایسے مافوق الانسان کارنامے انجام دینا چاہتا تھا کہ تاریخِ رزم میں وہ ایک اَن مٹ کردار بن کر رہ جائے۔ اس جاں فروشی سے ممکن تھا کہ اس کی ملکۂ حُسن اس کی

قدر کرنے لگے۔

بدقسمتی سے التونیہ کو حُسن کے ناز اُٹھانے کا سلیقہ نہ آتا تھا۔ کیونکہ وہ ایک اکھڑ اور جیوٹ سپاہی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ التمش کی فوج میں بھرتی ہونے کے بعد جب کبھی دو چار بار اس کو رضیہ کی خدمتِ ناز میں شرفِ باریابی حاصل ہوا وہ عاشقانہ نیاز وفدائیگی کا مظاہرہ کرنے کی سعادت سے قاصر رہ گیا تھا۔

چھ ماہ کے اندر اندر شہزادی کے موہ لینے والے حُسن اور مسخر کن حُسنِ سلوک نے بنگال کے کئی ہندو خاندانوں کو جیت لیا اور وہ صدقِ دل سے کافرِ حُسن کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر چکے تھے۔ شہزادی اپنی اس کامیابی سے بہت خوش تھی اور خدا کا شکر ادا کرتی تھی کہ اسے مخلوق کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔

۲۸

رضیہ چونکہ نہایت نفاست پسند واقع ہوئی تھی اس لیے اس نے اپنی عارضی جائے قیام کے گرد ایک چھوٹا سا خوش نما باغیچہ لگا لیا تھا۔ اب وہ شہزادیوں کے سے لباس ہی میں ملبوس رہتی تھی کیونکہ اس کے مردانہ فوجی لباس نے لوگوں کو بہت کم اُس کی جانب متوجہ کیا تھا۔ اپنے اس صحیح زنانہ لباس میں وہ خود اپنی سپاہ کی بھی ہیروئن بنی ہوئی تھی اور خوش قسمتی سے اس کی جائے قیام کے محافظ دستے کی قیادت التونیہ کے سپرد تھی۔ چنانچہ اکثر دُور سے اس ساحرہ کی زیارت کا اس کو موقع مل جاتا تھا۔

مگر یہ دید التونیہ کو لوٹنے لگی تھی۔ بارہا اس پر بےخودی سی طاری ہو جاتی اور ہوش میں آنے کے بعد وہ سوچتا کہ کیا کوئی معمولی سا بدبخت انسان کسی شہزادی کی قیمتی و بےرحمانہ توجہ جیتنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس خیال کے بعد اس کے قوی دل اور فولادی اعصاب پر مایوسی طاری ہونے لگتی مگر جلد اس پر سپاہیانہ ولولہ و حوصلہ مندی کا جوش طاری ہو جاتا۔

اس کی وہی پُر غرور فطرت عود کر آتی۔ تھوڑی دیر یہ عالم رہتا پھر جہاں رضیہ کی کوئی مہک نظر آتی، کلیجہ تھام کر رہ جاتا۔

ایک روز رضیہ اپنے دلکش باغیچہ میں چند خوش نما پھولوں کے پودوں کو دیکھ رہی تھی جو مرجھا رہے تھے۔ ان کی پرداخت کا اس کو وقت نہ تھا اور نہ کسی خاص آدمی کو اس نے ہدایت دے رکھی تھی کہ ان کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ اس نے پودوں کو مرجھایا ہوا پا کر ملازمہ کو حکم دیا کہ کسی سے جا کر کہے کہ پودوں کو پانی دے۔

ملازمہ کو معلوم نہ تھا کہ التونیہ کوئی افسر ہے، چنانچہ وہ اسی کو بلا لائی۔ شہزادی دوسری طرف چلی گئی تھی۔ ملازمہ نے جا کر عرض کیا کہ مالی حاضر ہے۔ شہزادی اس طرف آئی۔ اس وقت اس نے بالکل سادہ لباس زیب تن کر رکھا تھا مگر اس میں بھی حور نظر آ رہی تھی۔ اس کی نظر جو التونیہ پر پڑی تو چاندی پیشانی پر ذرا بل پڑ گئے کہ اس نے بغیر بلائے آنے کی گستاخی کیسے کی۔

''کیوں آئے ہیں آپ؟'' آخر اس نے دریافت کیا۔

''طلب کردہ آیا ہوں۔'' التونیہ نے حسب عادت اکھڑ لہجہ میں جواب دیا مگر اس کا دل خوشی، ورعب حُسن سے بلیوں اچھل رہا تھا۔

''کس نے بلایا تھا آپ کو؟'' رضیہ نے اسی طرح تادیبانہ انداز میں پوچھا۔

''اپنی ملازمہ سے دریافت کیجیے۔'' التونیہ نے روکھا سا جواب دیا۔ رضیہ اس کے ان اطوار سے جلنے سی لگی تھی مگر دل کی گہرائی میں ان کے لیے ہلکی سی پسندیدگی بھی تھی۔

''تم لائی ہو انھیں بلا کر؟'' رضیہ نے مڑ کر ملازمہ سے دریافت کیا۔ شہزادی کے تیکھے تیور سے غریب ملازمہ کانپ اٹھی اور مودبانہ بولی:

''حضور نے فرمایا تھا کہ مالی کو بلا لاؤ۔'' احمق ملازمہ کے مغالطہ پر شہزادی کو دل میں ہنسی آئی۔ خوب مالی کو پکڑ کر لائی ہے کمبخت۔ مزاج کے خوشگوار اثر سے اس کی پیشانی کی

شکن مٹ گئی۔ وہ ہنسی تو نہیں مگر جاں بخش لبوں پر تبسم آ کودنے سے باز نہ رہا۔

”تبسم کو ضبط نہ فرمایئے۔ دیکھیے باغیچہ کے مرجھائے ہوئے پھول از سرِ نو تر و تازہ ہوتے ہوتے رہ گئے۔“ التونیہ نے کہا۔ اس تبسم سے وہ بھی شہید ہو گیا تھا۔

ایک شہزادی کے حضور میں یہ گستاخانہ کلمات تھے مگر یہ گستاخی کچھ ایسے شاعرانہ انداز میں کی گئی تھی کہ شہزادی خفگی کا اظہار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ تاہم تادیب کے طور پر بولی:

”میں گستاخی کو معاف کرنے کی بہت کم عادی ہوں۔“

”لیکن میں تو کسی کے ساتھ گستاخی کے ساتھ پیش آنے کا عادی نہیں۔“ التونیہ نے جواب دیا اور اس کے والہانہ چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ شہزادی اس کے اس گستاخ تبسم سے دل میں اور بھی بھن گئی۔

”التونیہ! میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ تمھارے اطوار غیر مہذب ہیں۔“ آخر اس نے کہا۔

”شہزادی کو مغالطہ ہوا۔“ التونیہ نے جواب دیا۔ اس کے الفاظ و طرزِ عمل وغیرہ کسی طرح شائستہ نہ تھے، وہ شہزادی کو اپنی ہی ہستی، اپنی ہی روح سمجھتا تھا پھر اپنی جان کے ساتھ خود ادب سے پیش آنا کیا معنی۔ جب کوئی نہ ہوتا تھا تو رضیہ اس کے لیے سوائے ایک محبوب لڑکی سے کچھ نہ رہتی تھی۔

ممکن ہے شہزادی نے محسوس کیا ہو کہ یہ انسان دوسرے اس کے لاتعداد، ماتحت انسانوں سے قدرے مختلف ہے کیونکہ یہ شخص نہ اس کے جاہ و حسن سے مرعوب ہوتا تھا اور نہ اس کے کردار و شخصیت سے۔ اس کو تعجب تھا کہ یہ کس قسم کا بشر ہے۔

”کیا تم کو اندازہ نہیں ہوتا کہ تمھاری گفتار و اطوار میرے ساتھ کس قدر ناشائستہ و غیر مہذب ہوتے ہیں۔“ شہزادی نے چتون بدل کر کہا۔ التونیہ نے چاند کو شرمانے والے

اس چہرے کو دیکھا غزالانِ دشت کو اندھا کر دینے والی اُن مست آنکھوں کو دیکھا جن کی جون سے خوف ہوتا تھا کہ اب کہیں آگ لگنے والی ہے اور پھر وارفتگی سے لبریز ہو گیا۔

"کیا دیکھتے ہو۔ جواب کیوں نہیں دیتے۔" شہزادی نے اس کی گستاخ نظروں سے خفا ہو کر کہا۔

"میں اندازہ یا اٹکل کر کے کسی سے گفتگو نہیں کرتا۔ اچھا آپ ہی بتایئے کس طرح مخاطب ہوں آپ سے۔" آخر التونیہ نے کہا۔ اس کی چمکدار آنکھیں اب بھی شہزادی کے رُخ تاباں پر لگی ہوئی تھیں۔

"تہذیب و آداب سے عاری تم جیسے انسان کو شائستگی کی تلقین کرنا بے کار ہے۔ چلے جاؤ میرے سامنے سے۔" رضیہ نے اسی طرح خفگی سے کہا مگر اس ناراضی کا التونیہ پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ آواز کی شیرینی، لبوں کی پُر حلاوت جنبش اور خفگی کی پیدا کردہ چہرے پر تمتماہٹ دیکھ کر اُسے اور پیار آنے لگا۔

"جاتے ہو یا نہیں۔" بار دیگر کہا گیا۔ اس کا کیا کیا جاتا کہ غصہ بھی آواز کے رس کو نہ مٹا سکا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ خود محسوس کرتی ہوں گی کہ آپ کا حکم ہر حالت میں نہیں چلتا رہنا چاہیے۔" التونیہ نے شہزادی کے رعب و ادب، ڈانٹ اور ڈپٹ سب کچھ پیتے ہوئے کہا۔ وہ جھنجھلا کر رہ گئی۔

"میرا حکم ہر حالت میں چلتا ہے اور سرکشوں پر خاص طور سے۔ لہٰذا میں تمھیں سرکشی و تمرد کی سزا دیئے بغیر نہیں رہ سکتی۔" رضیہ نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شہزادگی کا غلط استعمال ہوگا۔" التونیہ نے اسی طرح پُرسکون انداز میں جواب دیا۔ عجیب اکھڑ عاشق تھا۔ اس کی روح شہزادی کی پرستش کرتی تھی مگر اسے اظہارِ پرستش کے طریقے نہیں آتے تھے اس کے ان الفاظ سے تو رضیہ جھلا اُٹھی اور اس بار تیزی سے بولی:

"میں تمھیں معزول کرتی ہوں بلکہ اپنی فوج سے خارج کرتی ہوں۔" ان کلمات کو سن کر التونیہ کے سپاہیانہ پندار کو پہلی بار ٹھیس سی لگی اور اس نے لہجے کی سختی کو ملائمت سے بدل کر کہا:

"یہ ایک سپاہی کی انتہائی تذلیل ہوگی۔ میں گوارا نہیں کروں گا کہ اپنے ہم چشموں میں ذلیل ہوں۔ لہٰذا اگر بزعم اختیارات آپ سزا ہی دینا چاہتی ہیں تو مجھے سزائے موت دیجیے۔"

"میں تمھیں سزائے موت دیتی ہوں۔" شہزادی نے انتہائی غیظ سے کہا۔

"بسروچشم، لیکن، اپنے ہاتھ سے۔" التونیہ نے بکمال سکون کہا۔

"میں اپنے ہاتھ تمھارے خون سے نہیں رنگنا چاہتی ایک تم جیسے...."

"بزدل، ناپاک، سفلہ کہیے نہ کوئی لفظ ان میں سے استعمال۔ قبیلہ البارّی کی توہین آپ کی زبان سے ہوگی۔ میرے الفاظ سے نہیں۔" التونیہ نے کہا یہ دونوں قبیلہ البارّی کے فرد تھے۔ رضیہ چپ ہوگئی۔ یوں بھی ان الفاظ میں سے اس کو التونیہ کسی لفظ کا مستحق نظر نہ آتا تھا۔

عین اس عالم میں جبکہ نامراد التونیہ کو شہزادی سزائے موت سنا چکی تھی۔ عادلہ آگئی اسے دیکھ کر التونیہ کا تمام طرز عمل یکسر بدل گیا۔ چہرے کے آثار چڑھاؤ، جسم کی کرختگی، بدتہذیبی و ناشائستگی وغیرہ سب کی سب جاتی رہی اور وہ شہزادی کے حضور میں اس طرح سراپا ادب نظر آنے لگا گویا کوئی ادنیٰ غلام.... البتہ رضیہ کی کیفیت میں بھی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔

التونیہ کی یہ فوری کایا پلٹ کچھ عادلہ کے احترام میں نہیں ہوئی تھی بلکہ خالص رضیہ کے لیے۔ وہ تنہائی میں شہزادی کے سامنے کرخت اور اکھڑ بنا رہتا تھا کیونکہ وہ اس وقت سوائے ایک عورت کے اس کے لیے کچھ نہ رہتی تھی مگر کسی دوسرے شخص کو دیکھتے ہی وہ فوراً ایک ضابطہ پسند اور نہایت مؤدب انسان بن جاتا تھا تاکہ شہزادی کی دوسروں کے آگے سبکی نہ

ہو۔ تا کہ اس کا وقار وعظمت، اس کی شاہانہ قدرت واقتدار سے لوگ انحراف کرنے کی جرأت نہ کرنے پائیں اور اس کی رضیہ کا سب پر بدستور رعب وجلال چھایا رہے۔

یہ التونیہ کے کردار کا زریں پہلو تھا اور اس سے شہزادی بھی اس وقت متاثر ہوئی مگر اس کا تیہا اب تک نہیں اترا تھا۔ لیکن عادلہ کو دیکھ کر اس نے اپنی پیشانی کو شکنوں سے صاف کر لیا تھا مگر عادلہ کی تیز نگاہوں نے بھانپ لیا کہ اس وقت شہزادی کا مزاج شگفتہ نہیں ہے۔ اس نے برہمی مزاج کے سبب پر غور کیا تو کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ کیونکہ وہاں سوائے التونیہ کے اور کوئی نہ تھا۔ رہی ملازمہ تو وہ دور ادب سے کھڑی تھی۔ عادلہ کی یہی سمجھ میں آیا کہ ممکن ہے شہزادی کی خفگی کا شکار ملازمہ ہی ہو۔

"اس وقت کچھ شگفتہ نظر نہیں آرہی ہیں شہزادی باجی آپ۔ کیا بات ہے؟" آخر عادلہ نے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں۔" شہزادی نے کہا اور عادلہ کے ساتھ جانے کے ارادے سے مڑی۔

"یہ پودے کچھ مرجھائے نظر آرہے ہیں شہزادی صاحبہ۔ اجازت ہو تو پانی دے دوں انھیں۔" التونیہ نے کہا تا کہ اپنے متعلق شہزادی کی آخری رائے کا اندازہ لگا سکے۔ شہزادی نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا مگر پھر اسے خیال آیا کہ اگر جواب نہیں دے گی تو عادلہ تاڑ جائے گی کہ اس کے عتاب کا شکار التونیہ ہے۔ اس کے بعد وہ وجہ سمجھنے یا معلوم کرنے کی کوشش کرے گی۔ چنانچہ معمولی لہجہ میں بولی:

"پانی ہے کہاں۔"

"مٹکے بھرے رکھے ہیں اس طرف۔" التونیہ نے کہا اور بڑا سا مٹکا لپک کر اٹھالایا مگر ہڑ بونگ میں مٹکا ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس کو اچھی طرح نہلاتا ہوا زمین پر گر کر پاش پاش ہو گیا۔

التونیہ اس وقت سراسیمگی اور چند منٹ پہلے کے مقابلہ میں مؤدبانہ اطوار اور پھر چوہے

کی طرح اس کے بھیگ جانے کے سین سے شہزادی کو ہنسی آ گئی۔ اس کو تبسم کناں پا کر التونیہ کا دل بہت خوش ہوا مگر اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی موت کا حکم ابھی برقرار ہے یا اس کی نحوست کو تبسم کی نکہت و برق پاشی نے ختم کر دیا۔

جب وہ جانے لگی تو التونیہ کی آنکھوں سے پھر اندوہ اتر آیا اور بحسرت کھڑا ہوا اس کو جاتا دیکھنے لگا مگر شہزادی نے مڑ کر نظر نہ ڈالی۔ عادل کو لے کر چلی گئی۔

۲۹

شہزادی تقریباً ڈیڑھ سال تک یہاں رہی اور اس نے اپنے حسن اور حسنِ سیرت سے تمام بنگال کو فتح کر لیا۔ اب تک کسی حکمراں طبقہ سے عوام اتنے مانوس نہیں ہوئے تھے جتنے اس مسلمان راج کماری سے قلیل مدت میں ہو گئے تھے۔ ہر شخص اس کی بخشی ہوئی مراعات و اصلاحات کا مداح تھا اور اپنے نئے فاتح کا حلقہ بگوش ہو گیا تھا۔ یہ خاندانِ غلاماں کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی کامیابی تھی۔

دراصل ہندو اب تک کے مسلمان حملہ آوروں سے سخت خار کھاتے رہے تھے۔ اس کے علاوہ اسلامی حکومت کا تصور انھیں دو وجوہ سے نہیں بھاتا تھا لیکن التتمش کا حسنِ انتظام اور راج کماری کا حسنِ سلوک و احسان تمام ہندوؤں کو مسخر کرنے لگا تھا اور وہ مسرت محسوس کر رہے تھے کہ اگر مسلمان ایسے ہی کریم النفس ہوتے ہیں تو ان سے تعاون و محبت کرنا عین باعثِ راحت و رحمت ہے۔

اس عرصہ میں التتمش نے تمام سندھ کو فتح کر لیا تھا اور دہلی کی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ یہ اتنا بڑا کام تھا کہ اس کو اب تک کوئی مسلمان حکمراں انجام کو نہ پہنچا سکا تھا۔ التتمش نے قلیل ہی عرصہ میں پنجاب، غزنی، سندھ اور بنگال فتح کر لیے اور سب جگہ ایسا مضبوط و استوار انتظام و انصرام قائم کیا کہ بغاوت کے تمام امکانات مٹ گئے۔ اس زمانہ میں جو بادشاہ جتنا

طاقت ور و بیدار مغز ہوتا تھا اتنی ہی اس کی سلطنت بھی مضبوط ہو جاتی تھی۔ التمش کی تمام ہند میں دھاک بیٹھ گئی تھی اور کوئی سر اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

اب اپنی وسیع سلطنت کی حدود کے پار صرف مغرور مگر غیر منظم راجاؤں، مہاراجاؤں کی بڑی بڑی ریاستیں رہ گئیں تھیں جن کو التمش نے مدت سے تاک رکھا تھا۔ پہلی خواہش تو اس کی یہ تھی کہ یہ مہاراجے اس کے دوست ہو جائیں مگر ان میں سے بیشتر محمود غزنوی اور محمود غوری کی تلوار کے زخم کھائے ہوئے تھے اس لیے مسلمانوں کے حق میں متعصب تھے۔

محمود غزنوی نے اگرچہ ہندوستان کے سب سے بڑے متعصب راجہ رائے پتھورا کا خاتمہ کر کے غیر مسلمین کے قلوب پر اپنی ہیبت طاری کر دی تھی مگر اندرونی راجپوتانہ اب بھی مسلمانوں کے لیے جہنم زار تھا۔ یوں راجپوتانہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت میراں شاہ خنگ سوار نے تصوف وسیف سے ہزاروں غیر مسلمین کو پرستار توحید بنا دیا تھا مگر پھر بھی میواڑ، مارواڑ اور وسط ہند میں اجین، مالوہ، مانڈو وغیرہ کے راجہ سخت کٹر تھے اور خدا پرستوں کے نام سے جلتے تھے۔

راجپوتانہ میں سب سے زیادہ مستحکم و مضبوط، رنتھمبور کا قلعہ تھا اور تقریباً اتنا ہی مضبوط و ناقابلِ تسخیر، میواڑ میں چتوڑ گڑھ بھی تھا۔ یہ دونوں قلعہ راقم الحروف نے بھی دیکھے ہیں۔ اب تو امتدادِ وقت نے ان کو کھنڈر سا کر دیا ہے مگر ان کو دیکھ کر اب بھی ان کے استحکام و مضبوطی کی ہیبت دل پر طاری ہوتی ہے۔ سات سو سال پہلے یہ قلعے کیا ہوں گے اور جن کے قبضے میں وہ تھے وہ لوگ بھی کسی بلا کے جیوٹ ہوں گے اور جن انسانوں نے ایسے قوی لوگوں کو شکست دے کر ان ناقابلِ گزر دہشت ناک فولادی قلعوں کو فتح کیا تھا وہ کس مادے کے سچے ہوئے ہوں گے۔

رنتھمبور کا قلعہ اپنے زمانے میں ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ یہ قلعہ ایک اونچے، وسیع اور ناقابلِ گزر پہاڑ کو گھیر کر بنایا گیا تھا۔ یہ کئی میل کے محیط میں چلا گیا ہے۔ اس کی دبیز چوڑی

اور اونچی فصیل بجائے خود پہاڑی ہے۔ دیواریں اس قدر چوڑی اور موٹی ہیں کہ اُن پر ہاتھی کھڑا ہو سکتا ہے۔ اوّل تو دشمن کا قلعہ کے دروازے تک پہنچنا ہی ناممکن تھا اگر وہ شامتِ اعمال سے اپنے ہزاروں آدمی ضائع کر کے دروازے تک پہنچ جاتا اور اس کو توڑ کر اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتا تو یہ اس عظیم الشان قلعہ کی عشرِ عشیر تسخیر بھی نہ تھی کیونکہ دروازے کے اندر داخل ہونے کے بعد دو طرفہ اونچی اور دبیز دیواروں کا درہ دُور تک چلا گیا تھا جس کے اندر دشمن کو گھیر کر آسانی سے ختم کر دیا جاتا تھا۔

اگر دشمن فولاد کا انسان تھا اور اگر درہ کو بھی فتح کرتا ہوا زندہ آگے بڑھ جاتا تو چڑھائی کی طرف پھر ایک پست دروازہ آتا تھا جس تک پہنچنا تقریباً ناممکن تھا، لیکن فرض کیجیے دشمن اس ناقابلِ فتح دروازہ کو توڑ کر بھی آگے بڑھتا تو پھر چڑھائی کی طرف نسبتاً تنگ درہ اور ملتا۔ غرض اس قسم کے فولادی دروازے اور بھیانک فصیلوں سے گھرے ہوئے کئی درے آتے تھے جن کو فتح کرنا اور قلعہ کی آخری استوار عمارتوں تک پہنچنا صرف خواب کی بات معلوم ہوتی تھی یہی کیفیت چتوڑ کے قلعہ کی تھی۔

التمش ان ناقابلِ تسخیر قلعوں کی مضبوطی کا حال تو سُن چکا تھا مگر ان کے اندر کی بھول بھلیاں اس کے بھی علم میں نہ تھیں۔ آخر اس نے چپکے چپکے ان قلعوں کی تسخیر کے لیے اُس زمانہ کے جو کچھ جدید اسلحہ و سامان ہو سکتے تھے بنوا لیے اور ایک سال میں تیاری کر لی مگر وہ اپنی اس تیاری سے اب بھی مطمئن نہ تھا۔ ان کی فتح کے لیے غیر معمولی جرأت و شجاعتِ سپاہیانہ کی ضرورت تھی۔ بہر صورت وہ تہیہ کر چکا تھا کہ یا تو ان قلعوں کو فتح کرے گا یا انہی مہمات میں جان دے دے گا۔

آخر اس نے چند روز بعد اپنے قابلِ اعتماد اور بھروسے کے جرنیلوں اور فوجی افسروں کو جمع کیا اور ان کے آگے اس کٹھن مہم کا پورا نقشہ پیش کیا۔ تجربہ کار افسروں کی آرا طلب کی، اپنی رائے کا اظہار کیا اور کئی روز کی بحث و مباحثہ کے بعد قلعہ پر حملے کے نقشے اور پلان بنائے گئے۔

اس زمانہ میں بھی آنکھ بند کر کے کہیں حملہ نہیں کر دیا جاتا تھا بلکہ بیدار مغز و مدبر بادشاہ فوجی افسروں کے ساتھ مل کر جنگی پلان بنایا کرتے تھے۔ مروّجہ ہتھیاروں کو ترقی یافتہ بناتے تھے، فوج کو قواعد سکھاتے تھے، پھر چڑھائی کیا کرتے تھے۔

التمش نے بڑی کاوش سے تاتاریوں کا طریقۂ جنگ اور ان کے اسلحہ معلوم کر لیے تھے کیونکہ تاتاری باوجود وحشی ہونے کے اپنے زمانہ کے ماہر حرب تھے۔ تمام داد کا مستحق صرف التمش تھا۔ وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے بزم آرائیوں سے گریز کر کے رزم کے معاملات میں جدید تحقیقات کی تھیں۔ کیونکہ وقت کا یہی تقاضا تھا اور دفاع کے لیے کسی وقت وزمانہ کی قید نہیں، اس کے لیے جدید اسلحہ کے ساتھ ہر دم تیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اس روز کی ملاقات کے بعد شہزادی سے التونیہ بالکل مایوس ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے نسوانی مگر سپاہیانہ دل کو فتح کرنا اسے رنتھمبور کا قلعہ سر کرنے سے بھی دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اب اُسے صرف اس امید کا آسرا رہ گیا تھا کہ اگر وہ کسی جنگ میں غیر معمولی شجاعت و بہادری کے جوہر کھائے تو ممکن ہے شہزادی اس کی دلیری و جانبازی سے متاثر ہو جائے کیونکہ وہ بھی بڑی بہادر اور دلیر لڑکی تھی۔

آخر بڑے ساز و سامان اور جمعیتِ کثیر کے ساتھ التمش نے رنتھمبور کے قلعہ کا رُخ کیا۔ موسم خوشگوار تھا مگر جیسے جیسے وہ راجپوتانہ کے تپتے صحراؤں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا موسم سخت ہوتا گیا۔ راہ میں معمولی معمولی قلعے اور گڑھیاں ملیں جن کو التمش بآسانی فتح کرتا چلا گیا تاکہ دہلی سے میدانِ جنگ تک رسل و رسائل کی راہ کھلی رہے مگر نہ تو گاؤں اور بستیاں لوٹی گئیں نہ فصلیں تباہ کی گئیں نہ راجپوتانہ کی حسین عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔

ممکن ہے راجپوتانہ کی عورتیں ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت نہ ہوں مگر جو شباب و جوانی ان کے جسموں پر گندھی ہوئی ہے وہ کسی اور عورت کے حصے میں نہ آئی ہوگی۔ پھر ان کا شباب بنگال یا پنجاب یا کسی دوسرے صوبے والی

عورتوں کا سا شبنمی وزو وزوال نہیں ہوتا بلکہ استادیر پا ہوتا ہے کہ عمر رسیدگی تک وہ جوان نظر آتی ہیں۔ عضو عضو گٹھا ہوا اور مسّی سے بھر پور۔ محنت ومشقت کی وہ اس قدر عادی ہوتی ہیں کہ صبح سے شام تک کام کیے جاتی ہیں مگر تھکنے کا نام نہیں لیتیں۔

جب رنتھمبور کا قلعہ قریب آ گیا تو شاہی لشکر میں جنگی کوس اور دمدمے بجنے لگے۔ اس دل ہلا دینے والی آواز کو سن کر راجپوتوں کا خون بھی شجاعت سے جوش کھانے لگا۔ دشمن کی آمد کی اطلاع ان کو پہلے ہی مل چکی تھی اور انھوں نے مکمل تیاری کر لی تھی۔ اُدھر سے بھی جواباً نقاروں پر چوبیں پڑنے لگیں جن کی آواز سے پہاڑ گونج اُٹھے۔

التمش نے اپنی فوج کو تین شعبوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک شعبہ قلعہ پر حملہ کرنے والے رضاکاروں کا۔ یہ بہت اہم و جانباز حصہ تھا۔ دوسرا دشمن کو مکر اور حیلے میں لانے والوں کا، ان کی تعداد بہت کم تھی، اور تیسرا اگر دشمن قلعہ کا دروازہ کھول کر لڑنے میدان میں نکل آیا تو اس سے مقابلہ کرنے والوں کا۔ ان تینوں شعبوں کا جنرل وہ خود ہی تھا۔

چونکہ یہ میدان کا مقابلہ نہ تھا بلکہ قوی دشمن قوی تر قلعہ میں بحفاظت بیٹھا ہوا قیامت برسانے والا تھا۔ جس میں کھلے میدان والا بڑے سے بڑا سورما بھی قلعہ کی حفاظت کے اندر سے ختم کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے التمش نے شہزادی اور عادلہ کو اگلی صفوں میں رہنے کی اجازت نہیں دی مگر جنگ شروع ہونے کے بعد وہ کہیں سے کہیں نکل جاتی تھیں۔

قلعہ کی چوڑی چکلی فصیلوں پر راجپوت چیونٹیوں کی طرح چھائے ہوئے تھے چنانچہ شاہی فوج نے قلعہ کو دور سے گھیر کر تیروں کی ایسی شدید بارش کی یہ کہ معلوم ہوتا تھا جیسے فضا میں ٹڈیوں کے دل اڑ رہے ہیں۔ بوچھاڑ کی طرح یہ تیر فصیلوں پر پڑتے تھے تو وہاں کی بھیڑ برائے چندے کم ہو جاتی تھی اس کے بعد پھر ٹھٹ لگ جاتے۔

راجپوتوں کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ قلعہ کی پناہ کو چھوڑ کر باہر لڑنے نکلتے۔ اطمینان سے اندر سے اور وہیں سے تیر آگ اور پتھر برساتے رہے مگر چونکہ شاہی فوج قلعہ کے

بالکل ہی متصل نہ تھی اس لیے راجپوتوں کے حربے زیادہ تر بے کار جا رہے تھے۔

میدان کے مقابلہ کی کوئی توقع نہ تھی۔ راجپوت اپنے مضبوط قلعہ میں محفوظ و مامون تھے اور حملہ آوروں پر قیامت برساتے رہتے تھے۔ اگر شاہی فوج بلغار کر کے قلعہ کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتی تو فصیلوں پر سے بڑے بڑے بے شمار پتھر، آگ اور تیر برسا کر راجپوت شاہی فوج کو بہ نقصانِ کثیر پسپا کر دیتے تھے۔ اس طرح حملہ آوروں کے بجز جانیں ضائع کرنے کے کچھ ہاتھ نہ آتا تھا۔

التمش کا اندازہ صحیح ثابت نہ ہوا کیونکہ رنتھمبور کا قلعہ اس کی توقع کے خلاف بہت مضبوط و محفوظ نکلا۔ اسی کے ساتھ بہادر راجپوت بھی باہمت اور مقابلہ کے لیے تلے رہتے تھے۔ شاہی فوج کی کثرت اور ساز و سامان سے وہ مطلق ہراساں نظر نہیں آتے تھے۔ آخر ایک جمعہ کو التمش نے حملۂ عام کا حکم دیا۔ جدید منجنیق اور جدید قسم کے تیز تیر استعمال کیے گئے۔ التمش سپہ سالار کی حیثیت سے آگے آگے تھا۔ اسے جاں نثاروں نے حلقہ میں لینا چاہا مگر اس نے محافظِ حقیقی کے سپرد ہر چیز کر کے ایسا شدید حملہ کیا کہ فصیلوں پر راجپوت کا صفایا ہو گیا اور میدان میں شاہی فوج کا۔

شاہی فوج لڑتی کٹتی کرتی پڑتی قلعہ کے قریب جا پہنچی اور تین تین پھل والے بھاری تیر، وزنی منجنیقیں نصب کر کے فصیلوں کو مسمار کرنے کی کوشش کی جانے لگی مگر کہیں چٹان میں سوراخ ہو سکتا تھا۔ التونیہ، احتشام، نظام الدین، رضیہ اور عادلہ اپنی اپنی تدبیریں کر رہے تھے۔ ادھر التمش نے ہزار جتن کیے کہ ایک فصیل تو فتح ہو مگر راجپوتوں نے ایسی پامردی سے مقابلہ کیا کہ تین گھنٹے کی شدید لڑائی کے بعد شاہی فوج کو پسپا ہونا پڑا۔

اس پسپائی سے راجپوتوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ اُدھر حملہ آور اور غضبناک ہو گئے مگر کوئی تدبیر بن نہیں پڑ رہی تھی۔ کم و بیش روزانہ حملے ہوتے تھے مگر ہر بار پسپا کر دیے جاتے تھے۔

اس طرح بیس اکیس دن گزر گئے مگر محاصرے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جنگ کو طول دینے کا وقت نہ تھا کیونکہ موسم روز بروز خراب ہوتا جا رہا تھا اور شاہی فوج میں وبا کے پھوٹ پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے التمش کو فکر لاحق ہو گئی تھی کہ محاصرے کا جلد فیصلہ ہو جائے۔ وہ راتوں کو قلعہ کے چکر لگاتا کہ کوئی کمزور حصہ نظر آئے تو اس پر حملہ کر کے کامیابی حاصل کی جائے مگر فصیلیں ہر دم آباد نظر آتی تھیں۔ راجپوت غافل تھے۔

قلعہ کی جز آخر میں ایک بلند پہاڑ سے لگی ہوئی تھی۔ اس حصے میں فصیل کا کام پہاڑی سے لیا گیا تھا جو گھنے جنگل سے ڈھکی ہوئی تھی اور جس پر چڑھنے کا باہر کوئی راستہ نہ تھا۔ ممکن ہے اس پہاڑ کے اُس طرف محلات ہوں اور یہ قلعہ کا آخری حصہ ہو۔ کسی کو علم نہ تھا کہ یہ قلعہ اندر سے کس قسم کا ہے۔ ممکن ہے جس قدر مضبوط باہر سے نظر آ رہا تھا اتنا ہی مستحکم اندر بھی ہو۔

اسلحے استعمال کیے جا چکے تھے۔ جس حد تک جاں فروشی ممکن تھی اس سے بھی دریغ نہ کیا گیا تھا۔ اب صرف کسی شدید طوفانی حملے کی ضرورت تھی جس میں چشم زدن کے اندر ہزاروں بندگانِ خدا موت کے گھاٹ اُتر سکتے تھے لیکن کیا التمش کوئی ایسا خطرہ مول لے سکتا تھا۔ اس نے اپنی عاقلہ بیٹی سے مشورہ کیا۔ سرداروں سے صلاح لی۔ سب نے تمام امور بادشاہ کی رائے پر چھوڑ دیئے۔ ان کا فرض صرف تعمیل رہ گیا تھا۔

آخر دوسرے ہفتے التمش نے ایک حملہ اور کیا۔ اب تک وہ بیسیوں حملے کر چکا تھا مگر آج کا حملہ شدید ترین تھا۔ اس محاصرے کا سب سے بڑا حملہ تھا۔ اس میں التمش نے اپنی فوج کو مرگ صریح سے کسی قدر بچانے کی خاطر مورچوں سے کام لیا جن کو کئی روز پہلے کھدوایا گیا تھا۔ اگر شاہی فوج مورچوں کی پناہ لیتی ہوئی حملہ نہ کرتی تو سب کا صفایا ہو جاتا کیونکہ محصورین نے اس قدر استقلال سے مقابلہ کیا تھا کہ تمام میدان پتھروں اور آگ کے گولوں سے اٹ گیا تھا۔

التونیہ بھی آج سر پر کفن باندھ کر نکلا تھا تاکہ اپنی شہزادی کی راہ میں جان دے دے۔ ادھر احتشام نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ ظالم عادلہ کی مفارقت میں تڑپنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کے سامنے دشمن سے دلیری کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو جائے۔ التونیہ نے اب مورچے کی پناہ چھوڑ دی اور اپنے طوفانی دستے کو بجلی کی طرح آگے لے کر بڑھا اور آناً فاناً فصیل کے نیچے پہنچ کر جلد جلد کئی اونچی اونچی سیڑھیاں فصیلوں سے کھڑی کر دیں پھر بے جگری سے اپنی فوج کو لے کر ان پر چڑھ گیا مگر اوپر سے ایسا شدید طوفان برسایا گیا کہ الاماں۔ تمام سیڑھیاں واپس دھکیل دی گئیں اور حملہ آوروں کے سر کچل دیئے گئے مگر التونیہ نے ہمت نہ ہاری پھر سیڑھیاں لگا کر چڑھا اور پھر دھکیل دیا گیا۔ اس طرح چار پانچ بار ہوا اور تمام لڑائی کا زور سمٹ کر اس فصیل پر آ گیا لیکن التونیہ نے اوپر سے آنے والی قیامت کے باوجود سیڑھیوں کا حملہ جاری رکھا۔ التمش اس کی جرأت پر دنگ تھا اور رضیہ اس کی شجاعت سے خوش۔ اسی طرح احتشام اپنے چند آدمیوں کو لے کر چھپتا چھپاتا ویران پہاڑی تک جا پہنچا پھر درختوں کی ٹہنیوں پر بندر کی طرح لٹک لٹک کر اور چٹانوں کے گوشوں پر قدم جما جما کر تین چار گھنٹے کی سخت محنت کے بعد مع اپنے آدمیوں کے پہاڑی پر جا پہنچا۔ اس کے کئی ہمراہی پہاڑی سے گر کر مر چکے تھے مگر پھر بھی وہ اوپر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

چونکہ راجپوتوں کی تمام فوج تقریباً سمٹ کر اس فصیل پر پہنچ گئی تھی جس پر التونیہ سیڑھیاں لگا کر چڑھنے کے لیے جنگ کر رہا تھا۔ اس لیے یہاں احتشام کو سناٹا نظر آیا۔ ویسے بھی یہ مقام راجپوتوں کے خیال میں محفوظ ترین تھا اس لیے یہاں کسی نگرانی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

رات کے اندھیرے میں احتشام نے اپنے آدمیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو قلعہ کے دروازے کی طرف روانہ کیا اور دوسرے کو خود لے کر فصیل فصیل ہو لیا۔ پھر ادھر تو اندر اتر کر دروازے پر احتشام کے دوسرے حصے نے حملہ کیا ادھر فصیل پر شور مچا کہ

احتشام نے راجپوتوں کی خبرلی۔

یہ دو طرفہ حملے ایسے اچانک اور غیر متوقع تھے کہ راجپوتوں کو مغالطہ ہوا کہ شاہی فوج کسی طرف سے کثیر تعداد میں قلعہ کے اندر آگھسی۔ اس سے وہ حواس باختہ ہو گئے۔ اسی اثنا میں راجپوتوں کی سراسیمگی سے فائدہ اٹھا کر التونیہ سیڑھیوں پر چڑھ کر اپنی سپاہ فصیل پر چڑھا لایا اور پھر ایسا حملہ کیا کہ دشمنوں کے پیر اکھڑ گئے اور فصیلوں پر ایسی بھگدڑ پڑی کہ سیکڑوں آدمی سراسیمگی میں وہاں سے گر کر مر گئے۔

اگرچہ احتشام کا دوسرا دستہ تقریباً تمام کا تمام کام آ گیا لیکن اس نے مرتے مرتے اندر سے قلعے کا دروازہ کھول گیا۔ فصیلوں پر چونکہ التونیہ نے قیامت مچا دی تھی، جس میں احتشام نے پہنچ کر اور اضافہ کر دیا تھا چنانچہ راجپوتوں نے پھر کسی فصیل پر دم نہیں لیا، جدھر جس کا منہ اٹھا جان بچانے کو بھاگ نکلا۔

یہ ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ آتش پھولا نہ سما رہا تھا۔ اس نے احتشام و التونیہ کی پیٹھ ٹھوکی اور عادلہ نے احتشام کو اپنے تبسم دلنواز سے نوازا۔ احتشام کو جنت مل گئی۔ اس کو اس کی بھی بے حد مسرت تھی کہ جب وہ فصیل پر دشمنوں میں گھرا ہوا لڑ رہا تھا تو مدافعت میں قاصر رہنے کے باعث کئی بار دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں کا شکار ہونے سے بال بال بچا تھا کیونکہ عین ایسے نازک موقع پر دشمنوں پر اچانک تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگتی تھی۔ یہ تیر عادلہ کی ترکش کے تھے۔ وہ اسی فصیل کے نیچے جمعیت کثیر کے ساتھ موجود تھی۔

کاش انھوں نے ایک تیر میرے سینے میں بھی پیوست کر دیا ہوتا۔ درد اور غم جدائی سے نجات تو ملتی۔ عادلہ کی وقتی عنایت مگر طویل بے التفاتی کے زیر اثر احتشام نے سوچا۔

۳۰

رتھمبور کی تسخیر نے راجپوتوں کی آنکھیں کھول دیں اور راجے مہاراجے یہ سمجھے ہوئے

تھے کہ ان کے قلعے اس قدر مضبوط ہیں کہ ان کو کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ خصوصیت کے ساتھ رنتھمبور اور چتوڑ گڑھ تو ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی پناہ میں راجپوت خود کو ہر حملہ سے محفوظ سمجھ کر آرام طلب ہو گئے تھے۔ بعینہٖ یہی کیفیت تھی جیسی میتھو لائن نے فرانس والوں کی حالت کر دی تھی وہ بھی اس نہایت مضبوط اور قلعات پر مشتمل دیوار کو ناقابل تسخیر سمجھتے تھے مگر جرمنی نے ان کو جلد بتا دیا کہ شجاعت و دلیری کے آگے فولاد کا پہاڑ بھی مٹی کی ڈلی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

رنتھمبور کا قلعہ فتح کرنے کے بعد وہاں التمش کسی ایسے افسر کو چھوڑنا چاہتا تھا جو نہ صرف قلعہ کو سنبھالے رہے بلکہ آس پاس کے راجپوت حکمرانوں کو بھی قابو میں رکھ سکے۔ چنانچہ اس کا پہلا خیال یاقوت غلام کی طرف گیا لیکن عادلہ نے اس کی تردید کی کیونکہ یاقوت خوش تدبیر نہ تھا۔ پھر نظام الدین کے متعلق سوچا وہ افسر تو اچھا تھا لیکن نظم و نسق کا اسے بھی تجربہ نہ تھا۔

''اچھا تو احتشام کے متعلق کیا خیال ہے؟'' التمش نے عادلہ سے دریافت کیا جو ہر تجویز کی مخالفت کر رہی تھی۔ اب عادلہ کی رائے ختم ہو گئی۔ احتشام کا نام کسی کی زبان سے سن کر اس پر خود بخود نہ جانے کیوں شرم دوڑ جاتی تھی۔

''میرے خیال میں ابا جان احتشام کو بھی یہاں نہ چھوڑیے۔'' اس بار رضیہ نے مخالفت کی اور کن آنکھوں سے عادلہ کی طرف دیکھا۔

''میرا تو خیال ہے کہ وہ بہت موزوں رہے گا۔'' التمش نے کہا۔ ''کیوں عادلہ؟'' اس نے عادلہ کی بھی رائے لی۔ اس وقت خیمے کے اندر ان تینوں کے سوا کوئی نہ تھا۔

''آپ کو اختیار ہے حضور ابا۔'' عادلہ نے کہا اور اس کا لہجہ شرمگیں سا ہو گیا۔

''پھر آخر کس کو چھوڑا جائے۔ اب الٹو نیہ رہ جاتا ہے۔ اس کو میں راجپوتانہ کی آیندہ مہمات میں ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ بڑا ہی نڈر اور دلیر افسر ہے۔'' التمش نے کہا۔

"میری ناقص رائے میں آپ اسی کو یہاں چھوڑ جائیے۔" رضیہ نے کہا۔ وہ اس کی گستاخیوں سے نجات پانا چاہتی تھی۔

"بہتر ہے۔" التتمش کو رضیہ کی تجویز سے اتفاق کرنا پڑا۔

دوسرے روز اس نے التونیہ کو بلایا اور اپنے ارادے سے اس کو آگاہ کیا۔ وہ فوراً آمادہ ہو گیا۔

"کیا میں قلعہ سے نکل کر اِدھر اُدھر دھاوے بھی کر سکتا ہوں قبلۂ عالم؟" التونیہ نے التتمش سے دریافت کیا۔

"نہیں اس کے برعکس تمھیں قلعہ کی پناہ کو نہ چھوڑنا چاہیے حتیٰ کہ میں دوسرے راجاؤں کو زیر کر لوں۔" التتمش نے جواب دیا۔ چنانچہ التونیہ کے تحت میں پندرہ ہزار فوج چھوڑ کر التتمش نے مانڈو کا رخ کیا۔

مانڈو کی فتح میں التتمش کی فوج ظفر موج کو زیادہ دن صرف نہیں کرنے پڑے جس کا کمانڈر التتمش جیسا اولوالعزم انسان ہو اس کے تو جلو میں فتح و ظفر چلتے ہیں۔ چند روز میں اس نے مانڈو کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر دی۔

مانڈو اس زمانے میں بڑا ہی رومانی اور دلفریب مقام تھا۔ وہاں کی آب و ہوا، وہاں کی مٹی، شجر و حجر بوڑھوں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بنا دیا کرتے تھے۔ یہ دلہن کی طرح حسین قصبہ اور اتنے ہی دلکش اس کے مضافات التتمش کو بھی ایسے بھائے کہ ایک دفعہ اس نے سوچا کہ اپنا پایۂ تخت دہلی سے منتقل کر کے مانڈو میں لے آئے مگر دہلی کب کسی کو چھوڑتی ہے۔ پھر بھی مانڈو کی لطافت سے مسحور ہو کر التتمش چند روز کے لیے وہاں رہ پڑا۔

کس کو معلوم تھا کہ رومانی چھوٹی ریاست آئندہ کی چند صدیوں میں دیول دیوی اور خضر خاں کی ایسی داستانِ محبت قائم کرنے والی تھی کہ وہ صفحاتِ تاریخ میں ثبت ہو کر رہ جائے گی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیول دیوی اور خضر خاں کے عشق کے ہراول کے طور پر کئی

برس پہلے یہاں عادلہ اور احتشام آئے تھے اور اپنی خاموش محبت کا یہاں سنگِ بنیاد رکھ گئے تھے۔

احتشام ہر دم بے چین رہتا تھا کہ اپنی ماہ پارہ محبوبہ کے درشن کی کوئی سبیل نکالے مگر ظالم عادلہ یا تو آتش کے ساتھ ہوتی یا ہر دم اپنی شہزادی باجی رضیہ کے پاس گھسی رہتی۔ اس امنگ خیز قصبہ کی آب وہوا اور مناظر نے اس کے جوان سپاہیانہ سینے میں کبھی کبھی احتشام کے تصور کی زنجیر ہلائی شروع کر دی تھی۔ جب شب کی خنک اور شفاف چاندنی میں وہ خودرو پھولوں کی مہک اور موروں کی رسیلی آواز سے مست سی ہو جاتی تو اس کا دوپٹا شانوں سے ڈھل جاتا۔ اس وقت نوجوان سینے کی بلندی و پستی سے اندازہ ہوتا کہ اس میں کسی کی یاد کی شمع روشن ہے۔ آنکھوں کی جوت اور رخساروں کی گلابی رنگت پتہ دیتی کہ کسی پسندیدہ انسان کا گرم گرم سانس اس کو دہکانے تصور میں آ رہا ہے۔

رضیہ بھی یہاں کے جمیل مناظر میں کھوئی ہوئی تھی مگر صرف ایک فطرت پرست انسان کی طرح۔ ورنہ اس کے دل میں نہ کسی کی یاد تھی نہ محبت کا کوئی ناسور تھا۔ رضیہ کی تقلید میں عادلہ بھی خود کو فریب دینے کی کوشش کرنے لگی جیسے وہ بھی علائق دل میں آزاد ہے۔ گویا اس کا بھی دل بالکل خالی ہے مگر جب چاند چپکے چپکے آسمان پر سے اس کے اوپر مترنم کرتا۔ جب رومان سے مہکی ہوئی ہوا اسے گدگداتی اور ماحول ولطیف فضا کا سکوں اسے پکڑ لیتا تو اس کی آنکھیں کسی جانے بوجھے مگر نگاہ سے اوجھل انسان کو تلاش کرنے لگتیں۔

ایک ایسی ہی رومانی رات میں عادلہ ہرن کے ایک خوبصورت بچے کو لیے ذرا فاصلے پر ٹہل رہی تھی۔ ہرن کا بچہ اس سے اتنا مانوس ہو گیا تھا کہ جدھر وہ جاتی اسی طرف وہ بھی کلیلیں کرتا دوڑتا ہوا چلا جاتا۔ بھاگتے میں اس کے گلے میں پڑے ہوئے چاندی کے گھنگرو بجتے اور فضا میں ایک خوشگوار ترنم پیدا کر دیتے۔

چاند پورے شباب پر تھا۔ عادلہ ایک لیٹے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گئی اور ہرن

کے بچے کی شوخیوں کا تماشا دیکھنے لگی۔ یک بارگی بستی کا کوئی آوارہ کتا بتلاشِ رزق آ نکلا، جس کو دیکھ کر چھوٹا سا بچہ ایسا ڈرا کہ اپنی مالکہ کو چھوڑ کر بے تحاشا ایک طرف بھاگا۔ کتا نامعلوم کھیل کے سلسلے میں یا اس کا ملائم گوشت چبانے کے لیے اس کی طرف دوڑا اور دونوں آگے پیچھے بھاگے۔ عادلہ اپنے ہرن کے بچے کی جدائی سے تڑپ اٹھی۔ اس نے کتے کی طرف پتھر اٹھا کر پھینکا، چیخی مگر اس نے بچے کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اب تو وہ گھبرا گئی اور دیوانہ وار دونوں کے تعاقب میں بھاگی۔

کتا اور ہرن کا بچہ کافی دُور نکل گئے تھے اور ان کے پیچھے عادلہ، یہاں تک کہ نازک اندام بچہ تھک کر گر پڑا اور قریب تھا کہ کتا اس کو بھنبھوڑ ڈالے کہ کسی نے اس کے زور سے پتھر کھینچ کر مارا اور وہ ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا ہوا بھاگ گیا۔ جس آدمی نے کتے کے پتھر مارا تھا وہ قریب آیا اور اس نے ہرن کے بچے کو گود میں اٹھالیا۔ اس اثنا میں عادلہ بھی ہانپتی ہوئی آ پہنچی۔ وہ آدمی عادلہ کو دیکھ کر آداب بجالایا۔

"کیا یہ آپ کا ہے؟" عادلہ نے خوش ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ پھولے سانس سے دلربا سینے کی پستی و بلندی، ہوا کے تموج سے خوش نما بالوں اور کپڑوں کی بے ترتیبی سے وہ اس خاموش مگر اشاروں سے باتیں کرتی ہوئی چاندنی رات میں حورِ صحرا نظر آ رہی تھی۔ وہ شخص آداب و تکریم کے باوجود اس دلکش نظارہ میں کھو گیا۔

"کون۔ احتشام صاحب! شکریہ آپ اس نے اس وقت آ کر اس کی خوب جان بچائی۔" عادلہ نے ذرا سانس پر قابو پا کر کہا۔

"مجھے تو اس ہرن کے بچے کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے ایک غزالِ رعناں سے مجھے ملا دیا..... معاف کیجیے....." احتشام کے منہ سے نکلنے کو پہلا کلمہ بے اختیار نکل گیا مگر پھر عادلہ کی خفگی کے خوف سے فوراً ہی معذرت خواہ ہوا۔ اپنے الفاظ کے اثرات مٹانے کے طور پر بولا:

"لیجیے، یا میں لے چلوں اسے آپ کے خیمے تک؟"

"نہیں بس چھوڑ دیجیے اسے۔ اب نہیں بھاگے گا۔ یہ مجھ سے بہت مانوس ہے۔" عادلہ نے کہا۔ احتشام کے الفاظ اس کے کان میں پڑ چکے تھے مگر اظہار استغنا کے طور پر پی گئی۔

"اگر آپ یہ نہ کہتیں تب بھی مجھے باور کرلینا پڑتا۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔

"کیا نہ کہتی؟" عادلہ نے چاند کی طرف سے زاویہ بدل لیا تاکہ گستاخ دیکھنے والے کو شکل اچھی طرح نظر نہ آئے مگر اب بھی اس کا رشک ماہتاب چہرہ صاف نظر آرہا تھا جیسے اب خود اس میں سے انوار نکل رہے ہوں۔

"کہ یہ ہرن کا بچہ آپ سے مانوس ہے۔" احتشام نے جواب دیا۔

"اچھا اب اسے گود سے اُتار دیجیے۔ یہ میرے پیچھے پیچھے چلا آئے گا۔" عادلہ نے سُنی ان سُنی کرتے ہوئے کہا۔

"حضور کے پیچھے پیچھے تو کائنات چلتی ہے۔ میں بھی اس کا جزو ہوں، اس لیے میں ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔" احتشام نے جرأت کرکے کہا۔ ایک مدت میں تو یہ ستمگر ہاتھ لگی تھی اور اب بھی اس کی کچھ کہے سنے بغیر بھاگنا چاہتی تھی۔ اس لیے احتشام نے سوچا کہ ان حاصلِ حیات لمحات میں ڈرتے ڈرتے جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالے۔ اس کے وجیہ مردانہ چہرے پر چاند پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا اور یہ منظر عادلہ کو بھلا معلوم ہو رہا تھا مگر شرم وحیا اسے دھکا دینے لگی اور اس نے جانے کے لیے قدم اُٹھائے۔ احتشام بھی کھنچتا چلا گیا۔

"آپ کہاں آرہے ہیں؟" اس نے پیچھے مڑکر دیکھتے ہوئے کہا۔

"عرض نہیں کرسکتا کیونکہ ؎

قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

احتشام نے جواب دیا۔

"نہیں اب آپ جائیے۔ میں چلی جاؤں گی۔" عادلہ نے کبھی رُک کر کبھی چلتے ہوئے کہا۔

"کیسے چلا جاؤں شہزادی صاحبہ!" احتشام نے اس کے رُخِ روشن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ سے کتنی دفعہ کہوں کہ میں شہزادی نہیں ہوں۔" عادلہ نے بال دوپٹے میں سمیٹنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا کہوں آپ کو؟" احتشام نے اس کے ذرا قریب آ کر کہا۔ اس کی گود میں اب تک ہرن کا بچہ تھا جس کے گرد اس نے اپنا کٹا ہوا ہاتھ کر رکھا تھا۔ عادلہ کی اس ہاتھ پر جب نظر پڑتی تھی تو اس کے دل کو صدمہ ہونے لگتا تھا اور احتشام پر ایسا ترس آنے لگتا تھا جس کے عقب میں رفاقت و محبت کا جذبہ ہوتا تھا۔

"اچھا میں جا رہی ہوں۔" عادلہ نے مڑتے ہوئے کہا۔

"عادلہ!" احتشام نے لجاجت سے کہا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میں کچھ نہیں جانتی ابا حضور سے کہیے۔" آخرکار احتشام کی بے تابیٔ دل سے تنگ آ کر یا اس کی تسکین کے لیے عادلہ نے ایسے لہجہ میں کہا جس کے اندر سرور کا شائبہ تھا۔ پھر حیا سے مغلوب ہو کر بھاگ گئی۔ احتشام فرطِ مسرت سے گُنگ ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو ریت پر عادلہ کے چھوٹے چھوٹے قدموں کے بنے ہوئے نشانات کو چومنے لگا۔

۳۱

عادلہ کو شب میں بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ اس کے مسرت سے معمور دل میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ اب دو چار روز میں احتشام بادشاہ سلامت سے اپنا مدعائے دل عرض کر دیں گے اور اُمید ہے کہ وہ احتشام کی خدمات و دلیری کے اعتراف کے طور پر اس کی آمد کو مسترد نہ فرمائیں گے۔ اب رہا احتشام کا حسب نسب تو وہ سپاہی زادہ ہے پھر ابا جان اسلامی دستور کے پابند ہیں وہ شجرۂ نسب کو ہماری خوشیوں کے راستے میں حائل نہیں ہونے دیں

گے۔ ابھی دل خوش کن تصورات میں عادلہ سو گئی۔

احتشام کے لیے تو یہ رات گویا شب عید تھی۔ سونا تو کجا اس کا جی چاہتا تھا کہ تمام رات اس راہ کو چومتا پھرے جس پر سے اس کی عادلہ گزری تھی۔ کیسا پیارا پیام مسرت چھوڑ گئی تھی وہ۔ بارے انھوں نے اسے شرف قبولیت بخشا ورنہ یہ کہہ کر کیوں جاتیں کہ بادشاہ سلامت سے رجوع کر کے اپنا درمان دل حاصل کروں۔

لیکن التمش کی ہیبت کا تصور کر کے اس کے حوصلے پست ہو جاتے تھے۔ کس طرح اسے بارعب بادشاہ سے اس کی منہ بولی بیٹی کو مانگنے کی ہمت پڑ سکتی تھی۔ بات معمولی سی تھی۔ معاملہ خالص شرعی تھا اور التمش ایک خدا پرست انسان تھا مگر اس انسان سے بڑے بڑے سورما کانپتے تھے۔ اس کے جلال سے لوگوں کی گھگی بندھ جاتی تھی، لب کھولنا تو کجا۔

تو پھر شہزادی رضیہ سے رجوع کروں اور ان سے سفارش چاہوں کہ اپنے جلیل القدر باپ کی خدمت میں وہ میرا پیغام پہنچائیں مگر ایک تو وہ خود ابھی کنواری ہیں کس طرح شادی کے مسئلہ میں کسی کی پیغامبر بن سکتی ہیں۔ دوسرے مجھے ان سے اچھی طرح شرف نیاز حاصل نہیں، وہ مجھے گستاخ اور بے ادب سمجھیں گی۔ اس خیال کے بعد اسے مایوسی ہونے لگی۔ وہ التمش سے فوجی معاملات پر دوٹوک گفتگو کر سکتا تھا مگر یہ معاملہ تو بہت ہی نازک و حسین تھا جو اکثر دوست واحباب کے ذریعہ طے کیا جاتا ہے۔

اپنے معاصر سرداروں میں اس کا کوئی بے تکلف دوست نہ تھا۔ دفعتاً اسے نظام الدین کا خیال آیا جو معمر ہونے کے ساتھ بادشاہ کی نظر میں مقام بھی حاصل کر چکا تھا۔ نظام الدین کا خیال آتے ہی اس کی مایوسی مٹ گئی اور اس نے گدگدانا شروع کر دیا۔ بے شک یہ معمر سردار اس مبارک ولطیف کام کے لیے بہت ہی موزوں تھا۔ احتشام نے سوچا اور ماہ رخ عادلہ کے تصور ہم آغوشی میں آخر سو گیا۔

صبح اٹھتے ہی نماز و ناشتے سے فارغ ہو کر احتشام دوڑا ہوا نظام الدین کے پاس

پہنچا۔ وہ تلاوت میں مصروف تھا، اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ احتشام بیٹھنے کے بجائے بے تابانہ ٹہلنے لگا۔ آخر خدا خدا کر کے تلاوت ختم ہوئی اور نظام الدین نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"چچا میرے لیے بھی دعا کرنا، میری مراد بر آئے۔" احتشام نے کہا۔

"میں کوئی ولی تو ہوں نہیں کہ کسی کے لیے دعا کروں۔ کس دلی مراد کے لیے دعا کر رہے تھے؟" نظام الدین نے دعا ختم کر کے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ایسی مراد کہ آپ ضرور میرے لیے اس میں کوشاں ہوں گے۔" احتشام نے کہا۔

"معلوم تو ہو۔" نظام الدین نے کہا۔ احتشام پہلے تو ذرا جھجکا۔ آخر نظام الدین کے نورانی چہرے سے اس کی ہمت ہوئی اور اس نے اپنی تمام داستانِ محبت اس کو سنا ڈالی۔ نظام الدین اس کو سن کر حیران سا رہ گیا اور برائے چندے خاموش ہو گیا۔

"چپ کیوں ہو گئے چچا!" احتشام نے اس کو خاموش پا کر بے چینی سے دریافت کیا۔

"کیونکہ عادلہ کے دستِ سیمیں کا طالب خود شہزادہ رکن الدین ہے۔" نظام الدین نے جواب دیا۔

"مگر عادلہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔" احتشام نے فخر و مسرت سے کہا۔

"تو تم بڑے خوش قسمت ہو۔ کیونکہ عادلہ شہزادے کو پسند نہیں کرتی۔" نظام نے کہا۔

"میں واقعی بڑا خوش نصیب ہوں۔" احتشام نے مسرت سے کہا۔

"لیکن بادشاہ سلامت کی خواہش بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ عادلہ رکن الدین کو قبول کر لیں۔" نظام نے کہا۔ اس انکشاف سے احتشام کے دل پر گھونسہ لگا اور اس کا منہ اتر گیا۔

"کیا شہزادی بھی یہی چاہتی ہیں؟" آخر اس نے دریافت کیا۔

''نہیں وہ اس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ شہزادہ رکن الدین کی طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔''

''خیر چچا آپ کوشش تو کریں۔ عادلہ کو میں اپنا مقدر بنا چکا ہوں۔ اگر وہ میری نہ ہوئیں تو میرا جینا وبال ہو جائے گا۔'' احتشام نے کہا۔

نظام الدین نے وعدہ کیا اور وہ اسی روز اس مسئلہ پر گفتگو کرنے التمش کے پاس جا پہنچا۔ رضیہ بھی وہیں موجود تھی۔ التمش نے احتشام کا پیام سنا اور رضیہ کی طرف قدرے پریشانی سے دیکھا۔ رضیہ صرف مسکرا کر چپ ہو گئی۔

''لیکن نظام الدین تمھیں معلوم ہے کہ میں عادلہ کو رکن الدین کے لیے نامزد کر چکا ہوں۔'' التمش بولا۔

''درست ہے آقا مگر اس معاملہ میں حضور نے شہزادی عادلہ کے بھی خیالات معلوم کیے؟'' نظام الدین نے کہا۔

''ہمیں توقع ہے کہ عادلہ ہمارا کہنا نہ ٹالے گی۔'' بادشاہ نے کہا مگر پھر دفعتاً اسے خیال آیا کہ ممکن ہے عادلہ احتشام کو پسند کرتی ہو۔ چنانچہ پھر بولا:

''عادلہ رکن الدین کو ناپسند تو نہیں کرتی۔ کیوں بیٹی رضیہ؟''

''مجھے کیا خبر ابا جان۔ عادلہ سے دریافت فرمائیں۔'' شہزادی نے مسکرا کر کہا۔

''میں ایک ترکیب بتاؤں ابا۔ میں عادلہ سے اس مسئلہ پر گفتگو کروں گی۔ آپ ہماری باتیں چھپ کر سُن لیں۔'' رضیہ نے تجویز پیش کی۔

''اچھا نظام۔ احتشام سے کہہ دینا کہ ہم اس کی درخواست پر غور کریں گے۔''

نظام الدین کورنش بجالایا اور چلا گیا۔

دوسرے روز جبکہ عادلہ شہزادی کے خیمے میں تھی تو شہزادی نے اِدھر اُدھر کی بہت سی باتیں کر کے عادلہ سے سوال کیا کہ اب وہ شہزادہ رکن الدین کی خوش قسمتی میں کب اضافہ

کرے گی۔

"ابا جان صرف تمہارے ایما کے منتظر ہیں۔" شہزادی نے آخر میں مسکراتے ہوئے کہا۔ عادلہ خاموش ہو گئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جواب دو۔ منہ سی کر کیا بیٹھ گئیں۔" شہزادی نے اسے چپ پا کر ٹہوکا دیا۔

"میں نے اس مسئلہ پر اب تک غور نہیں کیا۔" آخر عادلہ نے دھیمے سے کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ پہلے بڑی بہن کے سہرے کے پھول کھلنے چاہئیں۔" عادلہ نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے درمیان میں کیوں لپیٹتی ہو۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ مجھے امورِ سلطنت اور عوام کی بہبود کے خیال سے فرصت نہیں۔" رضیہ نے کہا۔

"تو مجھے بھی ابا حضور اور آپ کی خدمت سے کب فرصت ہے۔" عادلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن احتشام کا تمہارے فراق میں برا حال ہوا جا رہا ہے۔" اور شوخ نظروں سے عادلہ کی طرف دیکھنے لگی۔ عادلہ پہلے تو شرما گئی۔ پھر اپنی با حیا و خوبصورت آنکھیں اٹھا کر آہستہ سے بولی:

"آپ کو کس طرح معلوم ہو گیا باجی؟" رضیہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جو کچھ اس نے ازراہِ شرافت کہا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔

"مجھ سے کون سی چیز چھپی رہتی ہے۔" آخر رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"آپ تو جادوگرنی ہیں شہزادی آپا۔" عادلہ نے لجاتے ہوئے کہا۔

"کیا عادلہ واقعی تمہارے دل میں خوش قسمت احتشام کا خیال ہے؟"

"آپ کو سب کچھ معلوم ہے پھر بھی دریافت کرتی ہیں۔"

"مجھے تفصیل سے کچھ معلوم نہیں۔" رضیہ نے کہا۔

"حکایتِ دل کی تفصیل نہیں ہوا کرتی۔"
تفصیلِ عشق و عاشقی بحر و غریق بحر است
عادلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اچھا تو میں ابا جان کو یہ خوشخبری سنا دوں کہ احتشام و عادلہ یکدل ہیں۔" رضیہ نے پوچھا۔ عادلہ نے فرطِ مسرت و محبت سے رضیہ کی گردن میں ہاتھ حمائل کر دیئے۔ اتمش بھی عادلہ کے فیصلے کو سن کر مطمئن ہوا اور چلا گیا۔

۳۲

اتمش نے اپنے کانوں سے عادلہ کے الفاظ سن لیے تھے اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ عادلہ احتشام کی جانب ملتفت ہے لیکن وہ عادلہ کے اس فیصلہ سے اپنے لڑکے رکن الدین کا دل بالکل ہی توڑ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ ساتھ ہی اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ عادلہ کی خوشیوں میں حائل نہ ہو لیکن پھر بھی رکن الدین کو تمام تر مایوسیوں سے ہمکنار دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ دونوں کو اُلجھائے رکھنے کے لیے اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ دوسرے ہفتے آخر اس نے نظام الدین کو بلا لیا اور اس سے بولا:
"ہم نے احتشام کے بیان پر غور کیا۔ ہمیں اس کے اور عادلہ کے اتحاد سے خوشی ہوگی لیکن عادلہ کی عمر چونکہ ابھی کم ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ سر دست عادلہ کی احتشام سے صرف منگنی کر دی جائے۔ پھر جب ہم مناسب سمجھیں گے تو کچھ سال کے بعد شادی ہو جائے گی۔" نظام آخر زیرک آقا کا غلام تھا۔ وہ اتمش کو خوب سمجھتا تھا۔ اس کے یہ الفاظ سن کر سمجھ گیا کہ اس کا آقا اس مسئلہ کو صرف التوا میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اس کی مخالفت کی جرأت تو نہیں کر سکتا تھا پھر بھی احتشام کی ممکن وکالت کرتا ہوا بولا:
"درست ارشاد ہوا لیکن احتشام کے دل کو شاید اتنی بات سے تسکین نہ ہو، اس لیے کیا

قبلۂ عالم یہ فرمائیں گے کہ شادی کتنی مدت کے بعد ہوگی۔"

"اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ابھی ہم اہم مہمات میں مصروف ہیں۔" التمش نے جواب دیا۔ یہ اس کے فیصلہ کن الفاظ تھے اس لیے نظام مزید جرح کی جرأت نہ کر سکا اور چلا آیا۔ جب اس نے احتشام کو آ کر واقعہ کی اطلاع کی تو پہلے تو وہ فرطِ مسرت سے اُچھل پڑا مگر پھر مدتِ وصل کا تعین نہ پا کر سخت افسردہ و مضمحل ہو گیا۔ نظام نے اس کو اصل بات نہ بتائی کہ بادشاہ عادلہ کو اپنے لڑکے کے لیے بھی محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے اس دوران میں عادلہ اس کی جانب سے ملتفت ہو جائے تو وہ اس منگنی کو منسوخ کر کے اس کا عقد رکن الدین سے کر دے۔

"لیکن اس میں بادشاہ سلامت کی کیا مصلحت تھی کہ انھوں نے کسی مدت کا تعین نہیں فرمایا؟" آخر ذرا وقفہ کے بعد احتشام نے پوچھا۔

"بادشاہ سلامت اپنی مصلحتوں کو خود ہی سمجھتے ہیں۔ ان کا علم کس کو ہو سکتا ہے۔" نظام نے ٹالنے کے طور پر کہا۔

"اس میں کہیں خود عادلہ کے ایما کو تو دخل نہیں چچا؟" احتشام نے دریافت کیا۔ اس کی مایوسی پر نظام کو رحم آیا۔ چنانچہ اس کی تسکین کی خاطر بولا:

"میرا خیال ہے کہ یہ تو بادشاہ سلامت کی اپنی رائے ہے۔"

"خیر میں عادلہ جیسی بے بہا ہستی کے نام پر عمر گزار سکتا ہوں چچا۔ کاش وہ خود اپنی زبان سے کوئی کلمۂ تسکین ادا کر دیں۔" احتشام نے حسرت سے کہا۔

کئی روز تک سخت ملول رہا۔ رضیہ کے علم میں بھی آ چکا تھا کہ اس کے والد نے غریب احتشام کی مسرت کے فیصلہ کو معلق کر کے اس کی نامرادیوں میں اضافہ کر دیا تھا لیکن چونکہ خود کنواری تھی اس لیے غیر مرد کی سفارش شادی جیسے نازک معاملے میں کرنے سے قاصر تھی۔ اسی طرح عادلہ بھی جامِ مسرت کو اپنے لبوں سے دور دیکھ کر دل میں افسردہ سی ہو گئی

تھی مگر اس نے اپنی افسردگی کو کسی پر نمایاں نہیں ہونے دیا۔ حتیٰ کہ شہزادی بھی اس کی دلی کیفیت سے واقف نہ ہو سکی۔

التمش جیسا عالی حوصلہ انسان کب تعطیل کی زندگی گزارنے کا روادار ہو سکتا تھا، اس نے مانڈو کی پُرفضا سرزمین میں اتنے دن قیام کر لیا تھا یہی تعجب کی بات تھی۔ آخر مانڈو کا نظم و نسق مکمل کر کے چند روز بعد ریاست اجین کا رُخ کیا۔

اجین نہ صرف ہندوؤں کا زبردست تیرتھ تھا بلکہ وہاں کا راجہ بھی نہایت کٹر اور متعصب واقع ہوا تھا مگر اس پر التمش کی فوج کشی کرنے کا سبب یہ نہ تھا کہ وہ ہندوؤں کے تیرتھ کو تباہ کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اجین کے علاقہ میں پھنسے ہوئے فرزندانِ توحید کی گلو خلاصی ہو اور راجہ سے دوستانہ معاہدہ کے بعد اس کی مسلمان رعایا کے غصب شدہ حقوق بحال کرائے۔

اجین چونکہ سنٹرل انڈیا کا علاقہ تھا جہاں اب تک کسی مسلمان بادشاہ کا باقاعدہ گزر نہیں ہوا تھا اور نہ وہاں بزرگانِ دین کے مبارک قدم پہنچے تھے۔ جس طرح راجپوتانہ، سندھ اور پنجاب وغیرہ میں اولیاء اللہ کے ذریعہ اسلام کی شعاعیں پھیلی تھیں۔ ریاست اجین میں اوّل تو مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ پھر وہ زبوں زندگی گزار رہے تھے۔ انھیں مذہبی زندگی کی آزادی تو کجا غیر اسلامی روش اختیار کرنے پر مجبور ہو جانا پڑا تھا۔ چنانچہ التمش نے یہ سوچ کر وہاں کے راجہ سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے بعد ان مظالم کا سدِباب کرے گا، اس طرف کا رُخ کیا تھا۔

''ابا جان اجین کی قوت کا کچھ حال معلوم کیا آپ نے؟'' راہ میں رضیہ نے اس سے دریافت کیا۔

''بیٹی میں انسانوں کی قوت و طاقت خاطر میں لانے والوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ جس ہستی کی قوت کی ہیبت میرے دل پر بیٹھی ہوئی ہے وہ تمام انسانوں سے بہت قوی

ہے۔" التمش نے جواب دیا۔ رضیہ خاموش ہو گئی۔

"سنا ہے کہ اجین کے راجہ کے پاس چالیس ہزار سے زیادہ سپاہ، ہاتھی، گھوڑے اور بے شمار رتھ ہیں۔" رضیہ نے کہا۔

"اور یقین و اعتقاد ہے کہ جو اس کرو فر سے نہیں ڈرتا، اس کے جلو میں ملائکہ کی فوج چلتی ہے۔" التمش نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ابا حضور ہم اب تک کئی راجپوت راجہ مہاراجہ کے معرکے سر کر چکے ہیں لیکن مجھے اب تک ان کی کوئی راج کماری نظر نہیں آئی۔ سنا ہے کہ راجپوت لڑکیاں بھی بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"ہوتی ہوں گی۔ راجپوت چونکہ بڑی غیور و بہادر قوم ہے اس لیے اگر کوئی راجہ کسی غیر قوم سے شکست کھا جاتا ہے تو افسوس رانیاں اور لڑکیاں ستی ہو جاتی ہیں۔ یعنی وہ فرط غیرت سے آگ کے شعلوں میں کود کر اپنی قیمتی جان ضائع کر دیتی ہیں لیکن عزت پر آنچ نہیں آنے دیتیں۔" التمش نے جواب دیا۔ رضیہ و عادلہ کے لیے یہ جدید انکشاف تھا اس لیے ان کو بڑا تعجب ہوا اور انھوں نے رانیوں اور راج کماریوں کی غیرت کی بے حد غائبانہ داد دی۔

"سب کچھ سہی لیکن وہ شہزادی باجی سے زیادہ خوبصورت نہ ہوتی ہوں گی۔" عادلہ نے کہا۔

"اب تمھارے ہاتھ کہیں کوئی راج کماری لگ جائے تو اپنی باجی سے اس کا مقابلہ کر لینا۔" التمش نے مسکرا کر جواب دیا۔

"لیکن ابا جان خدا کے واسطے اس ستی کی رسم کو روکیے۔" رضیہ نے کہا۔

"اگر راجپوتوں سے میرے دوستانہ تعلقات ہو گئے تو میں ان سے اس کی درخواست کروں گا لیکن چونکہ ان کے ہاں یہ مذہبی فریضہ سا ہو گیا ہے اس لیے اُمید نہیں کہ وہ اس رسم کو ترک کریں گے۔" التمش نے کہا۔

"میری بھی یہی خواہش ہے کہ جنگ وجدال کے بجائے امن آشتی قائم ہو۔ اگر وسطِ ہند اور راجپوتانہ کی راجپوت ریاستوں سے ہمارے دوستانہ مراسم قائم ہو جائیں تو یہ بڑی بابرکت چیز ہو گی۔" رضیہ نے کہا۔

"دُنیا نے افسوس ابھی امن کی برکتوں کا اندازہ نہیں کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بات بات پر تلوار کھنچ جاتی ہے۔ اب اپنے حالات کو بدلو۔ میں نے اپنے امرا اور جاگیرداروں کو کس قدر مراعات دے رکھی تھیں تاکہ خود امن سے رہیں اور دوسروں کو مامون رہنے دیں مگر انھوں نے بیٹھے بٹھائے مجھے چھیڑا، پریشان کیا اور میرے خلاف میرے دشمنوں سے سازش کی۔ تمام بندگانِ خدا کا خون ان کی گردن پر ہے۔" التمش نے کہا۔

"ابا حضور کیا کوئی صورت ایسی ممکن نہیں کہ روئے زمین کے ملکوں کی ایک واحد سلطنت ہو اور اس کا ایک واحد بادشاہ حکمراں ہو؟" عادلہ نے دریافت کیا۔ التمش مسکرایا اور بولا:

"کیوں نہیں بیٹی عادلہ۔ اسلام اسی تخیل کو تو لے کر اٹھا تھا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تمام عالم کا مالک خدا ہے۔ اس لیے اسی مالک الملک کی روئے زمین پر حکومت ہونی چاہیے۔ وہی تمام دُنیا و کائنات کا بادشاہ ہے۔ ہم تو اس کے ادنیٰ بندے ہیں لیکن اس کے ملک پر غاصبانہ قبضہ کر کے اپنی دانست میں بادشاہ بن بیٹھتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں شہنشاہی اسی کو سزاوار ہے۔" التمش نے کہا۔

"اگر زندگی نے وفا کی تو ہم حقیقی مالک کا دُنیا میں بول بالا کر کے رہیں گے۔" رضیہ نے کہا۔

"اب حضور کس طرف کا رُخ فرمائیں گے۔" عادلہ نے دریافت کیا۔

"ریاست اجین کے حالات مسلمانوں کے حق میں سخت تنگ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اسی طرف کا رُخ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہاں کا راجہ صلح سے راہِ راست پر آجائے تو اچھا ہے

ورنہ جو خدا کا حکم ہوگا وہی کیا جائے گا۔" التمش نے کہا اور نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

۳۳

التمش نے پہلے تو ارادہ کیا کہ ریاست مانڈو کے نظم و نسق کے لیے احتشام کو چھوڑ جائے مگر اس سے وہ اجین کی مہم کے لیے ایک بہادر افسر سے محروم ہو جاتا۔ التونیہ بھی لشکر میں نہیں رہا تھا کیونکہ اس کے چارج میں التمش رنتھمبور کے قلعہ کو دے کر اسے وہیں چھوڑ آیا تھا۔ اجین کا معرکہ بھی زبردست تھا۔ شاہی فوج میں تربیت یافتہ و تجربہ کار جرنیلوں کی پہلے ہی کمی تھی اب اگر احتشام کو بھی مانڈو میں چھوڑ دیا گیا تو تمام بار التمش کے کاندھوں پر آ پڑے گا۔ بے شک رضیہ بھی رزم میں ایک اعلیٰ درجہ کی کمانڈر ثابت ہوئی تھی۔ اسی طرح عادلہ بھی اپنے فراست و شجاعت کے لحاظ سے قابل فخر تھی مگر التمش ان شہزادیوں کو کٹھن مہمات سے بچانا چاہتا تھا۔ لاکھ وہ دلیر و شجاع تھیں مگر پھر عورت تھیں اور پرستش کی حد تک نازنین۔

آخر التمش نے عارضی طور پر اپنے باوفا غلام یاقوت کو مانڈو کا انچارج مقرر کیا اور دہلی سے کمک طلب کر کے اس کی نگرانی میں دے دی پھر وہ اپنے طریقہ کے مطابق لشکر لے کر اجین کی طرف روانہ ہوا۔ اس باب میں اس کا کوچ کا طریقہ وہی تھا جو آج کل بھی رائج ہے یعنی عام سپاہ تو کجا افسروں تک کو اطلاع نہیں ہوتی تھی کہ کس طرف دھاوا بولا جا رہا ہے، اس کے علاوہ رات کا سفر کیا جاتا تھا اور بہت تیزی کے ساتھ۔

یہ کوچ اس قدر تیز رفتاری سے ہوتا تھا کہ راستے کی بستیاں تک غافل رہ جاتی تھیں کہ شب کے کس حصے میں ان کے قریب سے کوئی لشکرِ عظیم گزر رہا ہے۔ دن کے وقت بستیوں سے میلوں دور گھنے جنگلوں کی پناہ میں آرام کیا جاتا اور پچھلی رات کو پھر سفر شروع ہو جاتا۔ اس طرح یہ لشکرِ جرار بارہ گھنٹے میں کئی کئی منزلیں طے کر جاتا لیکن رنتھمبور اور مانڈو کے سقوط کے

بعد سے راجپوت راجے غافل نہیں رہے تھے، انھوں نے بھی اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔

آخر دو ماہ کا طویل سفر ایک ماہ سے کم مدت میں طے کر کے التمش اجین کے قریب جا پہنچا۔ یہ ریاست اب دو منزل کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ اتنے قریب پہنچ جانے کے بعد کہیں جا کر اجین کے راجہ کو غنیم کی آمد کی اطلاع ملی چنانچہ دشمن کو دور ہی روک دینے کے لیے وہ ایک کثیر فوج کے ساتھ تیزی سے روانہ ہوا اور ایک چھوٹے سے قصبے کے قریب خیمہ زن ہو کر دشمن کا انتظار کرنے لگا۔

اس قصبہ کی پشت پر ایک پہاڑی تھی۔ درمیان میں ایک بڑا دریا بہتا تھا اور اس کے سامنے کہیں دو گھنٹے کہیں کھلا ہوا میدان تھا۔ التمش کو بھی خبر مل گئی تھی کہ راجہ انبوہِ عظیم لے کر تھوڑے فاصلے پر مقابلہ کے لیے آ پڑا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو دم لینے کی مہلت دے کر دوسرے ہی روز رد نگی کی ٹھانی اور طلوع آفتاب سے قبل دشمن کو جا لیا۔

التمش کی عقابی آنکھوں نے مقابلے کے میدان کا فوراً جائزہ لے کر اندازہ لگا لیا کہ یہ میدان دشمن کے حق میں سود مند اور خود کے لیے ضرر رساں ہے۔ اگر حملہ سامنے سے کیا گیا تو پہاڑی اور غاروں سے دشمن پورا فائدہ اُٹھائے گا۔ دوسری طرف دریا حائل تھا چنانچہ اس طرف سے حملہ کرنے اور حملہ ہونے کا کوئی خیال ہی نہیں کر سکتا تھا۔ تیسری جانب میدان تھا اور عام فوجی کے نقطۂ نگاہ سے وہی رزم و معرکہ کے لیے موزوں نظر آتا تھا۔ اسی لیے دشمن نے اپنی فوج کا وزن سب سے زیادہ اسی طرف رکھا تھا۔

مگر یہ راجہ کی عسکری غلطی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ التمش کس قدر چالاک جرنیل ہے۔ وہ ہمیشہ ایسے مقام سے حملہ کرتا تھا جس کو اس کے مقابل محفوظ اور حملہ نہ ہونے کے قابل سمجھتے تھے۔ التمش نے یہاں بھی حملہ کے لیے دریا کی راہ کو دماغ میں بٹھا لیا اور حریف کو فریب دینے کے لیے اپنی فوج کی نقل و حرکت میدان کی طرف رکھی۔

لڑائی شروع کرنے سے قبل التمش نے راجہ کے حوصلے یا تاب مقاومت آزمانے کی خاطر یا آشتی کوشی کی غرض سے مصالحت کا پیغام بھیجا جس کو راجہ نے نہایت غرور سے مسترد کر دیا بلکہ جواب میں اپنی طرف سے ایک نامور سورما کو میدان میں روانہ کیا۔ جس نے آ کر مقابلہ کے لیے شاہی فوج میں سے مردِ میدان کو چیلنج کیا۔ التمش نے اس طریقہ کو پسند کیا۔ اس وقت اس کے گرد رضیہ، عادلہ، نظام اور احتشام، امیر الدین وغیرہ کھڑے تھے۔

التمش نے جواب میں راجہ کو کہلا بھیجا کہ ہم بھی اس طریقہ کو پسند کرتے ہیں۔ بشرطیکہ طرفین دو یا اس سے زیادہ بہادروں کی باہمی شمشیر آزمائی پر جنگ کا خاتمہ رکھا جائے تاکہ دوسرے بے شمار بندگانِ خدا کا خون نہ ہو۔ لیکن راجہ کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ اس دوران میں راجپوت سورما میدان میں آ کر مقابلہ کی گرج گرج کر دعوت دینے لگا۔ آخر اس کے مقابلہ کو خود التمش بڑھا۔ کیونکہ مقابل بڑا ہیبت ناک و قوی تھا لیکن احتشام تیزی سے آگے بڑھا اور بادشاہ کی رکاب کو بوسہ دے کر دشمن کے مقابلہ کو جا پہنچا۔ عادلہ کلیجہ پکڑ کر رہ گئی۔ کیونکہ دشمن کے پاس نہ صرف تمام اسلحے تھے بلکہ ایک بڑی سی ڈھال بھی تھی۔ اس کے برعکس احتشام ڈھال سے محروم تھا۔ ہاتھ ایک ہی تھا، اب اس سے چاہے تلوار چلا لے، نیزہ بازی کر لے یا ڈھال سنبھال لے۔ چنانچہ پرانے زمانے کے سب سے زیادہ کارآمد حربے یعنی تلوار لے کر وہ مقابلہ کے لیے جا پہنچا۔

عادلہ نے گھبرا کر رضیہ کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر بادشاہ کے حضور میں زبان کس طرح کھل سکتی تھی۔ عادلہ کی پریشانی کو شاید بادشاہ بھی تاڑ گیا تھا۔ چنانچہ مسکرا کر بولا:

"بیٹی عادلہ پریشان نہ ہو۔" عادلہ چپ ہو گئی مگر اس کی بے چینی نہیں ہٹی۔

جن کے ایک آنکھ، ایک ٹانگ یا ایک ہاتھ رہ جاتا ہے ان کے اس واحد عضو میں دو ہاتھوں کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ احتشام کا سیدھا ہاتھ بھی فولاد کا ہو گیا تھا۔ جب دشمن نے

اپنا بھرپور اور لانبا کھانڈا اس کے سر پر مارا تو اس نے صفائی سے اس کو اپنی تلوار پر لیا کہ قوی حریف حیران رہ گیا مگر کھانڈ ایک تو وزنی تھا۔ دوسرے ضرب اتنی شدید تھی کہ احتشام کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ تو دشمن ابھی خود اپنے وار کی جھونک سے سنبھلا نہ تھا اگر وہ فوراً ہی دوسرا وار کر دیتا تو عادلہ کے دل کا چراغ آناً فاناً میں بجھ جاتا۔

احتشام نے تیزی سے گھوڑا دوڑا کر اپنے کسی لشکری سے تلوار طلب کی۔ راجپوت سور ما دشمن کو میدان سے پسپا دیکھ کر کھڑا ہنستا رہا۔ آخر التمش نے بسرعت تمام اس کے قریب پہنچ کر اس کو اپنی تلوار دی۔ احتشام نے اس کو بوسہ دیا اور میدان کی طرف بھاگتے بھاگتے بولا: ''ان شاء اللہ اس شاہی عطیہ کے وقار کو گرنے نہ دوں گا۔'' اس کے بعد اپنے مقابل کے سامنے پہنچ کر ایک تلوار کا ہاتھ مارا جس کو راجپوت سردار نے آسانی سے ڈھال پر لے لیا۔

اس کے بعد دونوں طرف سے ایسے پے در پے وار ہونے شروع ہوئے کہ دیکھنے والے ششدر رہ گئے اور دونوں جانب کے لشکری قریب آ کر لڑائی کا تماشا دیکھنے لگے۔ احتشام اس قدر تیزی سے حملہ کر رہا تھا کہ راجپوت نیزہ استعمال کرنے کا موقع نہیں پا رہا تھا۔ ناچار وہ بھی کھانڈے سے کام لیے جا رہا تھا مگر کھانڈا بھاری ہونے کی وجہ سے جلد جلد چمکنے سے قاصر تھا۔ احتشام کی برق دم تلوار لیکن تابڑ توڑ وار کیے جا رہی تھی۔

کھانڈا یوں تو بڑا خطرناک تھا مگر اس کا وزن، چوڑا پھل اور لمبائی احتشام کے سامنے اپنی نااہلی ثابت کرنے لگی تھی۔ دوسری چیز یہ تھی کہ سردار خود بھاری بھرکم آدمی تھا، اس لیے جثہ کے تناسب سے اس کی چستی بھی ڈھیلی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنبھلنے اور دم لینے کی مہلت نہ ملنے سے وہ جلد ہانپ اٹھا۔ دم احتشام کا بھی پھولنے لگا تھا مگر اس کی پناہ اسی میں تھی کہ دشمن کو کم از کم وار کرنے کا موقع دے کیونکہ اس کے وار کو روکنے کے لیے اس کے پاس دوسرا ہتھیار نہ تھا۔

کھانڈا صرف کاٹ سکتا تھا، گھونپا نہیں جا سکتا تھا۔ احتشام کی تلوار میں یہ دونوں خوبیاں تھیں۔ چنانچہ وہ کاٹ کرنے کے مقابلہ میں دشمن کے موٹے جسم میں پیوست ہونے کو بار بار بڑھتی تھی اور اس میں ڈھال کی مدافعت زیادہ سودمند ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سردار کے جسم پر چھوٹے بڑے کئی زخم آچکے تھے اور اس کے سفید انگرکھے پر گلکاری کرنے لگے تھے۔

مگر یہ اس بلا کی شمشیر زنی تھی اور دونوں حریف ایسے جیوٹ تھے کہ غالب و مغلوب کا فیصلہ ہونے کی کوئی اُمید نظر نہیں آرہی تھی۔ دونوں کو گتھے ہوئے بیس منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے۔ آخر راجپوت سردار گھوڑے پر سے کود پڑا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر احتشام قریب آجائے تو اس کے خنجر گھونپ دے۔ احتشام مکلّف نہ تھا کہ خود بھی تقلیداً گھوڑے پر سے اُتر جائے مگر اس نے اِسے شانِ شجاعت کے خلاف سمجھا اور دشمن کی خاطر وہ بھی گھوڑے سے علیحدہ ہو گیا۔

۳۴

بڑی گرما گرمی سے مقابلہ جاری تھا۔ وقت گزر رہا تھا لیکن احتشام اور راجپوت سردار زندگی کی جنگ میں مصروف تھے۔ سردار کا دم کافی پھول چکا تھا اس کی وجہ سے اُس کی چستی بھی جواب دے چکی تھی۔ پھر احتشام نے مسلسل حملوں سے ناک میں دم کر دیا تھا۔ آخر سردار نے ایک بار فیصلہ کن انداز میں کھانڈا گھما کر احتشام کے سر پر مارا۔ اس وار کو احتشام نے بجلی کی سرعت سے پینترہ بدل کر خالی کر دیا اور سردار کو پلٹنے کا موقع دیئے بغیر نہایت تیزی سے اس کی بغل میں اپنی شمشیر آبدار گھونپ دی۔ سردار نے درد کی سسکی لی نہ موت کی گرانی سے چیخ ماری کیونکہ یہ اس کی شانِ شجاعت کے خلاف تھا۔ مہلک گھاؤ کھا کر چپ چاپ گر پڑا اور خاموشی سے جان دے دی۔

اس شاندار فتح پر التمش، رضیہ اور عادلہ وغیرہ نے احتشام کو داد دی۔ ابھی احتشام میدان سے ہٹا ہی تھا کہ راجپوت فوج میں سے نکل کر ایک شخص اور اس کے مقابلہ کو آیا۔ اس کو احتشام نے چند ہی منٹ میں زیر کر لیا۔ اس کے بعد ایک آدمی اور آیا مگر وہ بھی احتشام کے ہاتھ سے مارا گیا اس طرح اپنے تین آدمی ضائع کرنے کے بعد راجہ نے حملہ عام کر دیا۔ التمش چاہتا تھا کہ فوراً ہی جنگ شروع نہ ہو مگر جب دشمن نے دھاوا بول دیا تو شاہی فوج بھی میدان میں اتر آئی۔

التمش مصلحتاً شام تک جنگ مغلوبہ لڑتا رہا۔ وہ اپنی فوج کو بچانا چاہتا تھا۔ یہ اس کا کمال تھا کہ بڑے سے بڑے حملے میں وہ اپنے کم سے کم آدمی ضائع کرتا تھا مگر آج اس کا پروگرام دوسرا تھا۔ وہ رات ہو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ شاہی فوج کو مدافعت کی جنگ لڑتے دیکھ کر راجپوت بھی کھٹکے، وہ بے وقوف نہیں تھے کہ حملہ آوروں کی ترتیب کو نہ سمجھتے۔ یہ بات تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ التمش رات کے اندھیرے میں ایک ناممکن مقام سے حملہ کرنا چاہتا ہے لیکن اتنا ضرور سمجھ گئے تھے کہ شاہی فوج کی مدافعانہ جنگ کوئی معنی ضرور رکھتی ہے۔

آخر اسی طرح شام تک سست جنگ جاری رہی یہاں تک کہ اندھیرا چھا گیا اور دونوں لشکر میدانِ جنگ سے ہٹ آئے۔ رات کو شاہی فوج نے ذرا آرام کیا مگر التمش ایک منٹ کے لیے گھوڑے کی پشت سے جدا نہ ہوا۔ دشمن کی نگاہوں سے پوشیدہ دریا کے کنارے کا چکر لگاتا رہا یہاں تک کہ اس کی باریک بین نگاہوں نے صحیح جگہ کو تاک لیا۔

رات کے تین بجے ہوں گے کہ التمش پانچ ہزار سواروں کو لے کر دریا کے کنارے پہنچا۔ میدان میں سناٹا تو نہ تھا مگر دریا کے اُس پار تقریباً سکوت طاری تھا کیونکہ راجپوت اس حصے کو محفوظ سمجھ کر اس طرف نہیں آئے تھے۔ پہلے التمش نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا، اس

کے بعد تمام سواروں نے تقلید کی اور تھوڑی دیر تک موجوں سے کشمکش کر کے سب نے دریا پار کر لیا۔ اس کے بعد ایک منٹ ضائع کیے بغیر التمش نے شدید حملہ بول دیا۔

راجپوت اس ناگہانی و غیر متوقع آفت سے گھبرا اُٹھے اور آناً فاناً میں کھلبلی مچ گئی لیکن سب سمٹ کر آ گئے اور مقابلہ کے لیے ڈٹ گئے۔ اِدھر میدان کی طرف سے شاہی فوج کے دوسرے حصے نے دباؤ ڈالا اور دو طرفہ محاذ پر رات کے اندھیرے میں جنگ ہونے لگی۔

اس جنگ میں راجپوتوں کا زیادہ نقصان ہونے لگا۔ کیونکہ میدان اور دریا کی طرف سے حملہ ہونے کے سبب سے وہ گھرتے جا رہے تھے لیکن پھر بھی مقابلے پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ دو طرفہ گھیرا پڑ جانے سے اِن کا صفایا ہونے لگا۔ راجہ بہت جنگ آزمودہ انسان تھا۔ اس نے اپنی فوج میں بھگدڑ نہیں پڑنے دی بلکہ مدافعانہ پسپائی اختیار کی۔ یہاں تک کہ ایک میل تک پیچھے ہٹتا چلا گیا مگر مقابلے سے منہ نہ موڑا۔ اب التمش نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اندازہ نہ تھا کہ آگے کا میدان کس قسم کا ہے اس لیے وہیں رُک گیا۔ اِدھر راجپوت پیچھے ہٹنے کے بعد جم گئے لیکن لڑائی موقوف ہو گئی۔ کیونکہ اندھیرے میں دوست و دشمن کی تمیز نہیں ہوتی تھی۔ بہرحال التمش کا مدعا حاصل ہو گیا تھا وہ دشمن کو اچھے مقام سے ہٹا کر دریا پار کر گیا تھا۔

جنگ کی بھیانک رات ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ صبح ہوتے ہی دونوں فوجیں پھر فیصلہ کن لڑائی کے لیے صف آرا ہو گئیں۔ التمش گزشتہ رات کو راجپوتوں کی شجاعت آزما چکا تھا اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ قوم مر جاتی ہے مگر ہٹنے کا نام نہیں لیتی۔ اس لیے آج التمش کو اپنی تمام چالاکی، شجاعت اور حربے آزمانے تھے۔

یہاں بھی وہی کیفیت تھی۔ راجپوتوں کے جسم پر وہی دقیانوسی ہتھیار تھے۔ اسی طرح ان کا طریقہ جنگ بھی بدستور پرانا تھا۔ اس کے برعکس التمش کی سپاہ ایک تو اپنے زمانہ کی جدید ترین تربیت سے آراستہ تھی، اسی طرح اس کے پاس کئی نئے اور خطرناک اسلحے تھے۔

آخر تھوڑی دیر بعد راجپوتوں نے اپنی رات کی پسپائی کا انتقام لینے کی غرض سے حملہ اتنا شدید کیا کہ التمش کو کافی دیر تک جوابی حملہ کی مہلت نہیں ملی، وہ مدافعانہ لڑتا رہا۔

آخر آفتاب طلوع ہونے کے ذرا دیر بعد التمش نے احتشام اور نظام الدین کو حکم دیا کہ دشمن کے داہنے اور بائیں بازو کو دبائیں۔ ادھر قلب پر اس نے ایسا شدید زور ڈالا کہ راجپوت قلیل ہی وقفہ کے بعد بڑھ کر حملہ کرنے کے بجائے بچاؤ کی لڑائی لڑنے لگے۔ اس کے بعد تو ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ تمام میدان دہل گیا۔

رضیہ بہت دیر سے دیکھ رہی تھی کہ ایک بالکل نوعمر بلکہ لڑکا سا راجپوت سردار اپنی فوج کے وسط میں سے شاہی فوج پر اس قدر تیروں کی بارش کرتا تھا کہ التمش کے آگے بڑھتے ہوئے دستے کو فوراً پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔ رضیہ نے کئی بار کوشش کی کہ اس فتنے کو جالے مگر وہ فوج کے درمیان سے نکلتا نہ تھا اور رضیہ دشمن کے سمندر کو عبور کر کے اس حد تک پہنچ نہیں پاتی تھی۔ ایک دفعہ رضیہ تیزی سے حملہ کر کے اس کے قریب پہنچ گئی تھی مگر نوعمر سردار کے جاں نثاروں نے اسے پھر پیچھے دھکیل دیا۔

رضیہ چونکہ اس کو قریب سے دیکھ چکی تھی اور یہ معلوم کر چکی تھی کہ اس کی بڑی حفاظت کی جا رہی تھی، اس لیے اسے معاً خیال ہوا کہ ہو نہ ہو یہ راجہ کا لڑکا ہے۔ کیونکہ وہ عام مردوں کے مقابلہ میں خوبصورت اور نازک اندام بھی تھا، لیکن اس کی کمر کی لچک اور نزاکت کو دیکھ کر رضیہ کے دماغ میں بجلی کی طرح یہ خیال کوندا کہ یہ کہیں کوئی لڑکی نہ ہو۔ وہ سن چکی تھی کہ راجپوت لڑکیاں بڑی حسین ہوتی ہیں اور بہادر بھی۔ رضیہ کا یہ خیال بہت جلد پختہ ہو گیا کہ یہ خوبصورت لڑکا یقیناً راجہ کی بیٹی ہے کیونکہ اس کی جاں نثار فوج نے اس کو چو طرف سے بغرض احتیاط گھیر رکھا تھا۔ رضیہ حیرت سے اس کے حسن و جرأت کا تماشا دیکھ رہی تھی کہ عاولہ بھی کہیں سے گھوڑا کداتی اس کے پاس آ پہنچی اور اس کی محویت پر بولی:

"یہ اس قدر غور سے کیا دیکھ رہی ہو باجی۔ کس پر نظر پڑ گئی؟"

"تم اس نوعمر و خوبصورت لڑکے کو دیکھ رہی ہو۔ بتا سکتی ہو وہ کون ہے؟" رضیہ نے دریافت کیا۔

"کون وہ؟ خدا جانے کون ہے۔ آخر آپ اس قدر حیرت سے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" عادلہ نے کہا۔

"کیونکہ وہ راجہ کی بیٹی ہے۔ مجھے اشتیاق ہے کہ راجپوت شہزادی کو قریب سے دیکھوں۔" رضیہ نے کہا۔

"اچھا وہ لڑکی ہے؟ راجہ کی لڑکی ہے!" عادلہ نے حیرت سے کہا مگر فاصلے کی وجہ سے اس کو اچھی طرح دیکھ نہ سکی۔

"اگر وہ لڑکی ہے تو چلیے اسے پکڑ لیں۔" عادلہ نے اشتیاق سے کہا۔

"کس طرح پکڑیں وہ کوئی چڑیا یا فاختہ تو ہے نہیں کہ جال ڈال کر پکڑ لیا جائے۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"وہ دیکھیے احتشام بھی اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر پیری نہیں چل رہی ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"میں نے بھی کوشش کی تھی اور احتشام تو کئی بار بڑھا تھا مگر ہر دفعہ پیچھے ہٹا دیا گیا۔ مشکل یہ ہے کہ وہ فوج کے بیچوں بیچ سے نکلتی ہی نہیں۔" رضیہ نے کہا۔ دفعتاً شور بلند ہوا۔ شاہی فوج نے ایک بڑا حملہ کیا تھا چنانچہ یہ دونوں اپنے اپنے موریچوں کی طرف ہوا ہوئیں۔

جنگ شروع ہوئے چھ گھنٹے گزر گئے تھے۔ اس عرصہ میں ہزاروں آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ التمش نے لڑائی کا تمام نقشہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور ایسے ایسے ہتھکنڈوں سے فوج کو لڑا رہا تھا کہ دشمن سراسیمہ ہوا جا رہا تھا۔ شام کے پانچ بجے ہوں گے کہ راجپوتوں کا ایک بہت بڑا دستہ التمش کے ہاتھ سے شکست کھا کر پیچھے ہٹا۔ اس کے ساتھ ہی پلان کے مطابق نظام الدین نے ایک شور و غل مچا کر تیروں کی ایسی بارش کی کہ راجپوت

گھبرا گئے وہ سمجھے کہ شاہی فوج کی کمک آ گئی۔ چنانچہ دبتے چلے گئے۔ دوران کا نظام درہم برہم ہو گیا۔

میدانِ جنگ سے راجہ کی راج دھانی یعنی اجیتن دس پندرہ میل کے فاصلہ پر ہو گا۔ جہاں سے وہ میدان میں دن بھر کمک طلب کرتا رہا۔ یہی وجہ تھی کہ راجپوت اب تک جمے ہوئے تھے مگر اب دو گھنٹے سے کوئی کمک نہیں آئی تھی اسے معلوم ہوا کہ فوج میدانِ جنگ میں آ چکی ہے۔ صرف محل کی حفاظت کے لیے تھوڑے سے آدمی رہ گئے ہیں۔ ادھر التمش کے دباؤ نے دشمن کی صفوں میں نہایت بے ترتیبی پیدا کر دی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راجپوتوں کے پیر اکھڑ گئے مگر جانباز بہادر راجہ نے میدان نہ چھوڑا، وہ بدستور شمشیر بکف ڈٹا رہا۔ یہاں تک کہ التمش نے اس کو جا لیا۔

مہاراجہ نے آج تک التمش کی شکل نہ دیکھی تھی۔ اب جو اس نے اپنے سامنے ایک قوی ہیکل و دیو قامت شخص کو دیکھا تو گھوڑا بڑھا کر مقابلہ کو آیا۔ راجہ خود بھی باوقار و بارعب تھا۔ التمش نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولا:

"التمش میں ہی ہوں راجہ۔ اب آپ کا لڑنا بے کار ہے۔ آپ کی تمام فوج کام آ چکی ہے اس لیے ہتھیار ڈال دیجیے۔"

"راجپوت کے ہاتھ سے موت بھی تلوار نہیں چھین سکتی، سلطان سنبھل جایئے۔" راجہ نے کہا اور بڑی تیزی سے التمش پر حملہ کر دیا۔ کئی منٹ تک یہ دونوں دیو پیکر حکمراں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے مگر نتیجہ برابر تھا۔

راجپوت راج دھانی کے بجائے پہاڑوں میں پناہ لینے جا چھپے تھے اس لیے میدان تقریباً صاف تھا۔ عادل احتشام کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ کیونکہ وہ بہت دیر سے نظر نہیں آیا تھا۔ جب اس کا پتا نہ چلا تو عادلہ کا دل بیٹھنے لگا۔ کہیں وہ قتل تو نہیں ہو گیا۔ اس خیال سے اس کا جی ڈوبنے لگا۔ مردوں اور زخمیوں کے درمیان میں سرسری سی نظر ڈالی مگر وہ لاپتا تھا۔

دوسری طرف التتمش اور راجہ کے درمیان زور سے تلوار چل رہی تھی۔

احتشام نہ تو قتل ہوا تھا نہ زخمی بلکہ وہ راجہ کی راج دھانی اجین پر قبضہ کرنے اور محلات پر شاہی نشان نصب کرنے کے لیے روانہ ہو گیا تھا اور اس کی روانگی کا کسی کو علم نہ تھا۔ میدانِ جنگ سے اجین کا فاصلہ دس میل سے بھی کم رہا تھا۔ لہٰذا احتشام کو وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی مگر اس دوران میں اجین کی شرمیلی راجپوتی کلیاں جل کر راکھ ہو جانے کا انتظام کر چکی تھیں۔

راجہ کی دھرم پتنی کا تو کئی سال پہلے انتقال ہو چکا تھا یعنی بڑی مہارانی تو پہلے ہی سدھار چکی تھی۔ چھوٹی رانی ستی ہونے کی تیاری کر رہی تھی اور اس سے پہلے ایک دو خاص باندیاں چتا میں بیٹھ کر اپنے جسموں کو آتشِ سوزاں کے حوالے کر چکی تھیں۔ احتشام نے محل کے صحن میں غیرت وعفت کا بڑا لرزہ خیز منظر دیکھا۔ اس کی نظر جہنم زار چتاؤں پر پڑی جن کے بےرحم مگر پردہ پوش شعلوں میں راجپوتی غیرت کی پتلیاں اپنے زندہ جسموں کو بھسم کرنے جانے والی تھیں۔

کوئی ماتم واویلا یا رنج وغم کے آثار نہ تھے بلکہ گہرے دھوئیں کی بو اور آگ میں ڈالی ہوئی خوشبویات کی مہک اُٹھ رہی تھی۔ برہمن آہستہ آہستہ اشلوک پڑھ رہے تھے۔ ان کے درمیان احتشام نے ایک حورِ بہشت بلکہ ستی ساوتری کو دیکھا جس کے چہرے پر عصمت کا نور اور جسم سے پاک دامنی وعفت کی شعاعیں نکل رہی تھیں، وہ سر سے پیر تک سرخ لباس میں ملبوس تھی اور اپنے شعلۂ حسن میں خود ایک آتشِ متحرک نظر آ رہی تھی۔ روشن جبین پر صندل کا بڑا سا قشقہ، کہکشاں سی مانگ میں سیندور بھر کھلے ہوئے بال معاذ اللہ! بال اتنے لمبے تھے کہ حسین کولہوں سے نیچے تک لٹک رہے تھے اور اتنے گھنے کہ رستی ہوئی سیاہ گھٹا کا منظر پیش کرتے تھے۔ ہر چند اس حسین ستی کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں مگر ان پر چھائی ہوئی دراز پلکوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑی اور بےحد خوبصورت ہیں۔ اس کی چال میں وقار و

تقدس تھا۔ اس کے نطیین ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور ان سے صرف ست ست کی آواز نکل رہی تھی کیونکہ یہ راج کماری ستی ہونے چتا کی طرف جا رہی تھی۔

۳۵

احتشام نے اس رقت خیز و دبدبہ انگیز منظر کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ اس نے آج تک یہ سین نہیں دیکھا تھا۔ اس نے تو کیا التتمش کی نگاہ سے بھی یہ نظارہ کبھی نہ گزرا ہوگا۔ ممکن ہے صرف کہانیوں میں پڑھا ہو کہ ہندوستان میں راجپوت قوم ہے جس کی باوفا دیا حیا عورتیں شکست کی صورت میں جلتی آگ کے اندر گر کر اپنی قیمتی جانیں دیتی ہیں۔ اس سین کو دیکھ کر احتشام کو بڑی ہی عبرت ہوئی مگر اسے پھر فوراً بجلی کی طرح یہ خیال آیا کہ اگر یہ لڑکی اسی تن کے حال میں ہزیمت خوردہ راجہ کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے یا اس کی بیٹی ہے تو اس کو بچانا چاہیے، اپنے تنِ نازنین کو آتشِ سوزاں کے حوالے کرنا غیر انسانی فعل ہے اور مہذب انسانیت کے منافی چیز ہے۔

پھر اگر وہ راج کماری ہی ہے تو بھی اس کا باپ زندہ ہے۔ ہر چند وہ صاحبِ سطوت التتمش سے شکست کھا گیا مگر ابھی قتل نہیں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ التتمش کا لشکر مسلمانوں کا لشکر ہے جو دوسرے کی بہو بیٹی کی عزت ایسی ہی کرتا ہے جیسی اپنی ناموس کی۔ راج کماری ناحق اپنی قیمتی جان ضائع کر رہی ہے۔ اس کی بیش بہا آبرو شکست کے باوجود ہر طرح محفوظ رہے گی۔

وہ ابھی خیالات میں تھا کہ ستی جوشِ عقیدت وفرطِ غیرت سے جلنے کو چتا کے قریب جا پہنچی۔ چتا کی خشک لکڑیوں نے چڑ چڑا کر اس کا خیر مقدم کیا اور آگ کے منتشر شعلے اس نازک و معصوم پھول کو بھسم کر ڈالنے کے لیے سمٹنا ہی چاہتے تھے کہ احتشام بجلی کی طرح گھوڑا اڑا کر چتا کے قریب پہنچا اور بسرعتِ تمام راج کماری کو اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا لیا۔

اس کے بعد ہوا ہو گیا۔ برہمنوں میں ایک دم ہل چل مچ گئی۔ انھوں نے پتھر کھینچ کر احتشام پر برسائے مگر وہ نکل گیا۔

محل کے پہرے داروں نے جو دیکھا کہ ان کی راج کماری کو ایک ملیچھ ترک اُٹھا کر لے بھاگا ہے تو وہ اسی وقت سوار ہو کر مارا مار سے احتشام کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ احتشام نے راج کماری سے کوئی بات نہیں کی، بس اس کو اپنے آگے بٹھا کر اُڑا چلا جا رہا تھا۔ ستی کے کپڑوں کی مہک، اس کے گھنے لانبے اور حسین بالوں کا ہوا میں لہراتا اور عفیف جسم کا محتاط قُرب احتشام پر نشے کی کیفیت طاری کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے محسوس کیا کہ تعاقب کنندگان قریب آگئے ہیں۔

دن بھر کی جنگ کی وجہ سے احتشام کا گھوڑا تھکا ہوا تو پہلے ہی تھا اور زخمی علیحدہ۔ پھر بھی اس نے اپنے راکب کو خطرے سے بچا لے جانے کی انتہائی کوشش کی مگر تازہ دم گھوڑوں نے آناً فاناً اُسے آلیا اور سپاہی تلواریں سونت کر احتشام پر ٹوٹ پڑے۔ افسوس اس وقت اس کے واحد قوی ہاتھ کو دو نفر کی مدافعت کرنے پر مجبور ہونا پڑا، اپنی اور راج کماری کی۔ چنانچہ اس نے اپنی مدافعت کا کم خیال کیا اور راج کماری کا زیادہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زخمی ہو گیا۔ پھر ہر چند سنبھلنے کی کوشش کی مگر آخر گھوڑے پر سے گر پڑا۔

اس کے گرتے ہی قریب تھا کہ دشمن کے سپاہی اس کی بوٹیاں اُڑا دیں مگر راج کماری تیزی سے گھوڑے پر سے کود پڑی اور اپنے سپاہیوں سے ڈانٹ کر بولی: ''خبردار ان کو ہاتھ نہ لگانا۔'' پھر احتشام کے قریب آئی۔ احتشام نے اُن سحر افگن آنکھوں کو اپنی طرف متوجہ پایا تو بدقت ذرا اُٹھ کر بیٹھا اور راج کماری سے بولا:

''اگر آپ راجہ اجین کی صاحبزادی ہیں تو میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ آپ کے والد میدان جنگ سے میری روانگی تک زندہ تھے اور اُمید ہے کہ اب بھی زندہ ہوں گے، لہٰذا آپ فوراً رزمگاہ پہنچیے۔ حفاظت کے لیے اپنے سپاہیوں کو ساتھ لیتی جائیے۔''

"یہ جھوٹا ہے راج کماری۔ دھوکا دے کر آپ کو ترکوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔"
ایک سپاہی نے کہا۔

"مسلمان کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ راج کماری میں سچ کہہ رہا ہوں۔" احتشام نے کہا۔

اپنے والد کی خیریت معلوم ہونے پر راج کماری کا چہرہ پھول کی طرح کھل اُٹھا۔ اب احتشام کی مزید یقین دہانی پر اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر بولی:

"چلو اسی وقت رن بھومی کی طرف رُخ کریں۔ فوراً آؤ" یہ کہہ کر وہ گھوڑے کو ایڑ دینے والی تھی کہ اپنے دو آدمیوں سے پھر بولی:

"تم انھیں محل میں لے جاؤ اور اچھی طرح ان کی مرہم پٹی کرو۔" اس کے بعد اپنے بقیہ سواروں کو لے کر تیزی سے میدانِ جنگ کی طرف بھاگی۔

خدا کی پناہ! التمش اور راجہ اب تک شمشیر زنی میں مصروف تھے۔ التمش شروع سے غالب تھا مگر وہ راجہ کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کو بچا بچا کر تلوار چلا رہا تھا۔ پھر بھی برق آسا تلوار نے راجہ کے جسم میں کئی بڑی بڑی خراشیں لگا دی تھیں جن سے خون نے بہہ کر راجہ کے کپڑوں کو جگہ جگہ سے رنگ دیا تھا۔ اسی طرح راجہ کے کسی حصہ جسم کو غیر محفوظ پاتا تو التمش اس کو خبردار کر دیتا کہ یہاں تلوار مار کر تمھارا کام تمام کیا جا سکتا ہے مگر معاف کرتا ہوں اس سے غیور راجہ اور بھنا جاتا، پھر اندھا دھند التمش پر وار کرنے شروع کر دیتا۔

رضیہ دیر سے کھڑی ہوئی اپنی لیل صفت و بہادر باپ کی شمشیر زنی کا تماشا دیکھ رہی تھی ور سوچ رہی تھی کہ اگر اس کا والد اس جنگ میں راجہ کی اسی طرح رعایت کرتا رہا تو یہ مقابلہ گھنٹوں تک ختم نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بہادر راجہ کی غیرت و جرأت کی بھی داد دے رہی تھی کہ زخم کھا رہا تھا مگر اپنے قوی تر مقابل کے آگے پہاڑ کی طرح ڈٹا ہوا تھا۔ چند منٹ بعد آ کر التمش نے یا تو جنگ ختم کرنے یا راجہ کو نہتا کر دینے کو حملوں میں شدت پیدا

کردی اور تھوڑی ہی دیر بعد بہادر راجہ کو اتنا سراسیمہ کردیا کہ وہ ڈوبنے لگا اور اس کی حالت قابل رحم نظر آنے لگی۔ عین اس حالت میں گھوڑا اڑاتی ہوئی راج کماری نمودار ہوئی۔

وہی دلہنوں کا سا تقدس کا مقدس لباس، وہی لہراتے ہوئے دراز گیسو، نشیلی آنکھوں میں خون اور فرط تکان و غم سے نازک جسم پر رعشہ مگر اس کے باوجود بھی چہرے پر راجپوتی وقار۔ ایک حسینہ کے اس طرح یکایک نمودار ہونے پر ہر شخص اس کو سخت اچنبھے سے دیکھنے لگا۔ رضیہ کی بھی اس پر نظر پڑی تو وہ بھی نسوانی حسن کے اس اجنبی پیکر کو حیرت سے دیکھنے لگی کہ یہ کون لڑکی ہے۔ راج کماری نے آکر اپنے پیارے باپ کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کے قوی جسم سے جابجا خون بہہ رہا ہے۔ ضعف و تکان سے نڈھال ہے تو اس کا ہیبت ناک دشمن برابر اُسے دباتا چلا جا رہا ہے تو وہ چیخ پڑی۔

اسی حالت میں چند ہی سیکنڈ بعد ایک دفعہ جو راج کماری نے دیکھا کہ اس کے باپ پر التمش نے اپنی مہیب تلوار اٹھائی اور قریب تھا کہ یہ خطرناک تلوار کام کر جائے کہ راج کماری بجلی کی طرح تڑپی اور دلدوز آواز میں پکاری:

"پتا جی!" اس کے بعد اپنے والد سے لپٹ کر اس کی سینہ سپر ہو گئی۔ تاکہ التمش کی بے رحم تلوار اس کے شفیق باپ کا کام تمام کرنے کے بجائے اس کے ٹکڑے اڑا دے۔

اس دلدوز آواز اور اس پر رقت سین سے التمش چونکا اور اس کا قوی ہاتھ خود بخود رک گیا۔ باپ پر بیٹی کو فدا ہوتے دیکھ اس کا دل نہ صرف تھرا اُٹھا بلکہ اس پر رقت طاری ہو گئی۔ اس جگر دوز نظارے سے التمش اس قدر متاثر ہوا کہ برائے چندے اپنے گردوپیش سے غافل ہو گیا۔ اپنے خطرناک حریف کو غافل پاتا تھا کہ راجہ تیزی سے ایک ختم وار کے ارادے سے آگے بڑھا تاکہ التمش کا کام تمام کر ڈالے مگر اس دفعہ اپنے والد کو بچانے کے لیے دوسری اولاد تڑپی۔ رضیہ بے تاب ہو کے مثل برق بڑھی اور اس کی زبان سے انتہائی محبت سے نکلا۔

"ابا جان!" اس کے بعد اپنے باپ کی ڈھال بن کر اس نے راجہ کی تلوار کے سامنے اپنا سینہ کر دیا۔ اس دل گداز نظارے نے راجہ کو ہلا دیا اور رقت یا محبت کے تاثرات سے وہ ایسا مغلوب ہوا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ ادھر رضیہ نے اپنے والد کے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ دونوں صاحب اولاد دشمنوں نے ایک دوسرے کی بیٹی کی طرف دیکھا جیسے وہ بھی اس کی بچی ہو اور دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"کیا یہ آپ کی لڑکی ہے سلطان؟" راجہ نے مصافحہ کے طور پر التمش کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، اور یہ کیا آپ کی بیٹی ہے مہاراجا؟" التمش نے اس سے مصافحہ کر کے پوچھا۔

"ہاں یہ میری لاڈلی چندرا ہے۔ دیکھیے اس نے راجپوت دھرم کے مطابق ستی کا لباس پہن رکھا ہے مگر شاید مجھے زندہ دیکھ کر میرے آخری درشن کرنے آ گئی تھی۔" راجہ نے کہا۔ اسے کیا خبر تھی کہ اس کی لاڈلی بیٹی کو آتشِ جہنم سے ایک ترک نے بچا کر یہاں بھیجا ہے۔

"اگر یہ پیاری پیاری راج کماری ستی ہو جاتی تو میں خود کو تمام عمر معاف نہ کرتا۔" التمش نے کہا، پھر مسکراتا ہوا راج کماری سے مخاطب ہوا۔

"بیٹی تمھارا بہادر پتا تمھیں مبارک ہو۔ ہم لوگ راکشس نہیں ہیں کہ جان بوجھ کر انسانوں کو ماریں۔ میں نے تلوار اٹھانے سے پہلے تمھارے والد سے کہہ دیا تھا کہ اب لڑائی سے کوئی فائدہ نہیں۔" راج کماری نے کوئی جواب نہیں دیا مگر ان الفاظ سے اس کی مخمور آنکھوں سے جو وحشت عیاں تھی، وہ فوراً مٹ گئی۔ اس کے بعد اس نے غور سے سلطان کی بیٹی کو دیکھا۔

سراسیمگی اور باپ کو خطرے میں پا کر رضیہ نے خود وغیرہ ایک طرف پھینک دیا تھا جس سے اس کے بھورے بھورے دلکش گیسو چو طرف بکھر گئے تھے۔ راج کماری کو شاید یہ

زخم ہوگا یا اس کی سہیلیوں نے اس کو یہ زخم دلایا ہوگا کہ اس کے برابر کوئی لڑکی حسین نہیں ہو سکتی، اپنی جگہ پر یہ زخم باطل نہ تھا۔ اس وقت تک تو باطل نہ تھا جب تک کسی سے تقابل کی نوبت نہ آئی ہوگی مگر جب الغ قا چاند کا مقابلہ میدانِ جنگ کے برج خونیں میں سورج سے ہوا تو چاند اپنی حقیقت سے آگاہ ہوگیا۔

عادلہ کو بھی اپنے حُسن پر ناز تھا اور اس ناز کی معترف خود رضیہ بھی تھی۔ مشہور ہے کہ رضیہ اپنے زمانہ کی حسین ترین عورت تھی اور اس حقیقت سے وہ خود بھی واقف تھی۔ ایک حکایت ہے کہ ایک روز رضیہ نے عادلہ سے پوچھا کہ اگر تم سے کوئی دریافت کرے کہ حورِ جنت کتنی حسین ہوتی ہے تو تم شبیہ میں کس کو پیش کرو گی؟ عادلہ جواباً مسکرا کر بولی کہ مثال میں آپ کو پیش کیا جا سکتا تھا مگر مشکل یہ ہے کہ آپ کے برابر حسین ساتویں جنت کی کوئی حور ہو تو ہو، اس لیے سوال کرنے والے سے یہی کہنا پڑے گا کہ جسے جنت کی حور کی شکل دیکھنی ہو وہ مجھے دیکھ لے۔ اس جواب سے رضیہ خوب ہنسی تھی۔

چنانچہ حسین راج کماری نے جو یہاں ساتویں بہشت کی اس حور کو دیکھا تو وہ دنگ رہ گئی۔ اچھا مسلمان شہزادیاں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں۔ اس نے تعجب سے دل میں کہا اور رضیہ کا قریب سے نظارہ کرنے کو اس کے پاس آگئی۔ اس طرح رضیہ نے راجپوت راج کماریوں کا غائبانہ شہرۂ حُسن تو سنا تھا مگر انھیں دیکھنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ آج شاہی خاندان کی ایک راجپوت لڑکی کو دیکھ کر اس ششِ و پنج میں پڑ گئی کہ پہلی جنت کی حور اب عادلہ کو سمجھا جائے یا اس راج کماری کو۔ بہرنوع شہزادی اس شعلۂ جوالہ کو اپنے قریب پا کر مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ راج کماری بھی مسکرا رہی تھی۔ اس طرح اس خونیں میدان میں دونوں طرف پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ اے عورت تیرے ہی کارن سر بھی کٹتے ہیں اور تیرے ہی دم سے دنیا میں محبت کی مہک ہے۔

"تم اس طرح ایک دوسرے کو اچنبھے کی نظروں سے دیکھنے کے بجائے آپس میں

گلے ملو گی تو مجھے اس سے بہت خوشی ہو گی۔" راجہ نے مسکراتے ہوئے شہزادی اور راج کماری سے کہا مگر یہ دونوں شعلے ایک دوسرے سے علیحدہ ہی رہے۔ شاید ان کا ایک دوسرے کو دیکھنا ہی ان کا باہمی معانقہ تھا۔

التمش نے اپنا پٹکا کھول کر راجہ کا خون صاف کیا پھر بولا:

"راجہ آپ کو ہمارے متعلق بڑا مغالطہ ہوا۔ آپ سمجھے کہ ہم آپ کے ملک کو تاراج کرنے آئے ہیں۔ حالانکہ ہم نے آتے ہی آپ کے پاس دوستی کا پیغام بھیجا تھا۔ کاش اسے آپ نے قبول کر لیا ہوتا تو اتنے بندگانِ خدا کا خون تو نہ ہوتا۔ خیر دونوں کے ارمان نکل گئے۔ اب آپ کا ملک وحکومت آپ کو مبارک۔ ہم نہ تو آپ سے جنگ کا تاوان طلب کریں گے نہ آپ کے ملک کا کوئی حصہ مانگیں گے۔" ان کلمات کو سن کر راجہ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ وہ اپنی شکست کے صدمہ کو بھول گیا۔ فرطِ خوشی سے چیخ اُٹھا:

"سلطان! آپ بھی مجھے عمر بھر نہایت وفادار دوست پائیں گے۔ یہ ایک راجپوت کے الفاظ ہیں۔ اگر آپ پر کوئی حملہ کرے گا تو میں خود آپ کے دشمن سے لڑنے آؤں گا اور اس کو شکست دوں گا۔"

"ہم بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اگر آپ پر کسی نے چڑھائی کی تو ہماری تلوار آپ کے دشمنوں کا خاتمہ کر دے گی۔" التمش نے کہا۔

اس فتح اور صلح کی خوشی میں احتشام کو سب بھول گئے۔ صرف عادلہ اپنے طور پر اس کو میدانِ جنگ میں تلاش کرتی پھر رہی تھی مگر اس کا کوئی پتہ نہ تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ احتشام کی راج کماری کو ستی ہونے سے بچا کر اس کے باپ سے ملانے لا رہا تھا کہ راجہ کے سپاہیوں نے اسے زخمی کر کے ڈال دیا ہے۔ راج کماری اس کی آسائش و آرام اور مرہم پٹی کرنے کا حکم دے آئی تھی مگر اس کے برعکس راجپوت سپاہیوں نے اس کو اپنا دشمن تصور کر کے محل کی بھول بھلیوں سے آگے ایک پرانے قلعے میں لے جا کر قید کر دیا تھا۔ اس ویرانے

میں کسی کا گزر نہ ہوتا تھا۔

"چلیے سلطان محل میں چل کر آرام کیجیے۔ جب تک یہاں آپ کا قیام ہے آپ میرے مہمان ہیں۔" راجہ نے کہا۔

"مجھے اس سے بڑی مسرت ہوگی لیکن میرے خیال میں مقدمہ یہ ہے کہ پہلے ہم اپنے زخمی سپاہیوں کو اٹھوائیں اور مردوں کی تجہیز و تکفین کریں۔" التمش نے کہا۔ راجہ نے بھی اس کی تائید کی۔

"اس سے فارغ ہو کر مگر آپ ہمارے محل میں ہی آ کر قیام کریں گے اور اپنی پتری کو بھی ساتھ لیتے آئیں گے۔" راج کماری نے کہا۔

"میری دلی تمنا ہے بیٹی لیکن میں اپنے قیام میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔" التمش نے کہا۔

"اچھا تو شہزادی کو تو میرے ساتھ جانے کی آگیا دے دیجیے۔" راج کماری نے بادشاہ سے کہا اور رضیہ کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔

"یہ شہزادی موجود ہے اگر یہ تمہارے ہمراہ جانے کو آمادہ ہے تو میری طرف سے اجازت ہے۔" التمش نے ہنس کر کہا۔

"چلیے نہ میرے ساتھ میں آپ کو اپنے محل بلکہ اپنے کمرے میں ہی ٹھہراؤں گی۔" راج کماری نے رضیہ کے قریب آ کر کہا۔

"تم نے اب تک اپنی محبت کا کوئی ثبوت نہیں دیا بلکہ لشتلی آنکھوں سے نامعلوم کیوں مجھے دیکھے جا رہی ہو۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"کیونکہ آپ کی صورت ہی ایسی ہے۔" راج کماری نے تبسم سے کہا اور اس کا تبسم بہت ہی دلکش تھا۔

"اطمینان رکھو میں بھی ابا جان کے ساتھ تمہارے پاس آؤں گی۔ آج تو معذرت خواہ

ہوں۔ کل آئیں گے ہم۔" رضیہ نے کہا۔ آخر راج کماری وعدہ لے کر خوش خوش اپنے باپ کے ساتھ راجد ھانی کی طرف روانہ ہو گئی۔

۳۴

التمش کشتوں اور زخمیوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر اپنے خیمے میں آیا۔ اس کی فوج کا بھی چونکہ نقصان ہوا تھا۔ اس سے متاسف تھا مگر جب اپنی فتح عظیم کا خیال کرتا تو اس کو بڑی خوشی ہوئی۔ حقیقتاً اس نے ایک بہت بڑے اور کٹر راجہ کو زیر کیا تھا جس کی متعصبانہ حکومت میں مسلمانوں کی بہت بری حالت تھی۔ کوئی کلمہ گو علی الاعلان خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتا تھا بلکہ اسے غیر مسلم کا سا بھیس پہن کر اپنا اسلام چھپانے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ شکر ہے اس تعصب کی شکست ہو چکی تھی۔ اب التمش راجہ سے مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لیے کہے گا کیونکہ آخر وہ اسی کی وفادار رعایا ہے۔ اختلاف مذہب و تہذیب کے باوجود ہر ملک کے شہری کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے حقوق حاصل کرے۔

اب التمش میدانِ جنگ سے ہٹ کر کسی علیحدہ جگہ پر خیمہ زن ہو گیا تھا۔ اس نے مناسب نہ سمجھا کہ جا کر راجہ کا مہمان ہو، اس لیے دوسرے روز راجہ کو کہلوا دیا کہ ہفتہ عشرہ کے بعد ملاقات کو آئے گا۔ اس کے علاوہ التمش نے راجہ کو یہ مراسلہ بھی بھیجا کہ اپنی حکومت میں ہر جگہ، علانِ امن و صلح کرا دے تاکہ پریشان حال عوام مصیبت سے نجات پائیں اور اپنے اپنے کاروبار سے لگ جائیں۔ خوف و دہشت اور ہراس سب کے دل سے مٹا دیا جائے۔ مسلمان فتح اور صلح کا احترام ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ بدعہدی نہ کی جائے۔

چنانچہ ایک دو روز بعد ہی نہ صرف راجدھانی میں بلکہ تمام قلمرو میں امن و امان قائم ہو گیا اور سب جگہ نارمل حالات پیدا ہو گئے۔ التمش تو اپنے دشمنوں کا بھی دوست تھا اور جو

خلوص سے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا تھا اس کا ہمیشہ دوست ہو کر رہتا تھا۔ ہندوستان میں بہت سے سلاطین گزرے ہیں مگر کوئی مسلمان بادشاہ رزم و بزم میں اس کا ثانی نہیں گزرا۔ وہ پہلا اور شاید آخری مسلمان بادشاہ تھا جس نے نہایت زیرک دماغ اور بڑی بلند روح پائی تھی۔

راج کماری نے چونکہ احتشام کے واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا حتیٰ کہ اپنے والد سے بھی چھپایا تھا اس لیے پریشان تھی کہ اس کا کیا کیا جائے۔ یہ بہادر عفیف اور حسین راج کماری خانہ نشین نہ تھی بلکہ وہ بھی اپنے باپ کے ہمراہ لڑائیوں میں شریک ہوا کرتی تھی اور اس کی نظر سے بھی بہادر وجیہہ راجپوت نوجوان گزرتے تھے مگر کوئی اس کے دل کی بند کلی کو اب تک چھیڑنے میں کامیاب نہ ہوا تھا۔

مسلمانوں کے متعلق اس کو اب تک یہ بتایا گیا تھا کہ وہ گندے، راکشس صفت اور بھیانک وحشی قوم ہے مگر جب اس نے اپنی حال کی ہاری ہوئی لڑائی شروع ہونے سے قبل ایک ایسے وجیہہ اور نہایت شجاع مسلمان کو دیکھا جس نے تنہا راجہ کے نہایت مشہور اور بہت بڑے تین سورماؤں کو نہایت شجاعت سے مقابلہ کر کے قتل کیا تھا تو اس کی شکل و بے مثل بہادری سے اس کے دل کی بند کلی کھلنے لگی تھی۔ پھر اس مسلمان افسر نے عام جنگ چھڑ جانے کے بعد جس دلیری سے جنگ کر کے راج کماری کی فوج کا خاتمہ کرنا شروع کیا تھا اس کا نقش اس کھلی ہوئی کلی پر اور بھی بیٹھنے لگا تھا۔ پھر اتنا ہی نہیں ہوا تھا بلکہ نازک دلوں کو بے چین کر دینے والا یہ نوجوان سردار آخر میں احسان کی مار بھی مار گیا۔ راج کماری کی فوج بالکل لوٹ کر ختم ہو چکی تھی، اس کا بہادر باپ دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر موت کے قریب پہنچ چکا تھا اور چند گھڑیوں میں راجپوتوں کی اس پرانی سلطنت کا سہاگ اُلٹنے والا تھا جس کا بھیانک سماں دیکھنے سے قبل اور فرط غیرت سے اپنی موت سے آبرو بچانے کی خاطر یہ راج کماری اپنے تن نازنین کو آتش سوزاں کے حوالے کرنے ہی والی تھی کہ وہی بہادر

نوجوان افسر اسے بے رحم شعلوں سے بچا لایا تھا۔ کتنی سہولت سے اُس نے اس کے جسم زار کو اُٹھا کر اپنے آگے گھوڑے پر رکھ لیا تھا اور اس کے باپ سے ملانے کے لیے لے چلا تھا۔
جب راج کماری اس کے آگے گھوڑے پر بیٹھی ہوئی رواں تھی تو اس بہادر نوجوان کے دل کی دھڑکن وہ زور زور سے اپنی پشت پر محسوس کر رہی تھی جس سے اُس کے نازک دل نے بھی بانداز دیگر دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ وہ یہ محسوس کرنے لگی تھی گویا اس کا دل کسی کیف میں ڈوب کر بہادر سردار کے سینے میں چلا جانا چاہتا ہے۔ اس وقت اس نے آرزو کی تھی کہ کاش یہ اس افسر سے اس کو پشت کی طرف سے اپنے آگے بٹھانے کے بجائے سینے سے سینہ ملا کر بٹھایا ہوتا۔
مگر وہ افسر ہے کہاں۔ راج کماری نے اپنے خیالات سے بیدار ہو کر دل میں کہا۔ آتے ہی اُس نے غسل کیا اور علامتِ مرگ لباس یعنی ستی کے کپڑے اُتار پھینکے تھے۔ ان کے بجائے اعلیٰ درجے کا ریشمی لباس اور بیش بہا زیورات زیبِ تن کر کے اپنی کنیزوں کے درمیان بیٹھی تھی لیکن ان کی چہل میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی بلکہ کچھ کھوئی کھوئی سی تھی۔
ایک مشکل یہ آ پڑی تھی کہ وہ اپنے ان سپاہیوں کو نہیں پہچانتی تھی جنھوں نے احتشام کا تعاقب کر کے زخمی کیا تھا۔ کسی سے ان کا نام اور پتہ بھی دریافت نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ان لوگوں نے حسبِ ہدایت احتشام کی مرہم پٹی کر کے محل کے کسی حصے میں اس کو چھوڑ دیا ہوگا مگر اس نے آتے ہی محل کا چپا چپا چھان مارا۔ احتشام وہاں ہوتا تو نظر آتا۔
آخر اس نے شام کو کھانا کھانے کے بعد اپنی معتمد دایہ کو بلایا اور اس سے کہا کہ جن بہادر سپاہیوں نے کل مجھے ایک ترک کے پنجے سے چھڑایا تھا ان کو تلاش کر و تا کہ انھیں انعام و اکرام دیا جائے مگر یہ تلاش بالکل خاموشی سے کی جائے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ دایہ چلی گئی اور گھنٹا بھر کے بعد آ کر بولی کہ ان میں ایک سپاہی مل سکا ہے جو ڈیوڑھی پر حاضر

ہے

راج کماری محل کے فراخ صحن میں ایک زرنگار چھوٹے سے چبوترے پر بیٹھی تھی۔ اس وقت اس کے پاس صرف دو تین کنیزیں تھیں، ان کو اس نے بھگا دیا۔ اپنی دایہ کو رہنے دیا۔ اس کے بعد سپاہی کو حاضری کا حکم دیا۔ سپاہی آ کر کورنش بجا لایا اور اپنی راج کماری کے آگے آداب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کل اُس ترک کو زخمی کرنے والوں میں تم تھے؟" راج کماری نے اس سے دریافت کیا۔ غریب سپاہی سمجھا کہ اب اس کارگزاری پر انعام ملے گا۔ چنانچہ مبالغہ سے اپنی حسنِ خدمت کا ذکر کرتا ہوا بولا:

"جی ہاں اَن داتا۔"

"وہ ہے کہاں؟ کہاں لے گئے ہو تم لوگ اُسے؟" راج کماری نے پوچھا۔ چونکہ لے جانے کے معاملہ میں انھوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی اس لیے اب سپاہی ٹپٹایا اور گردن جھکا کر چپ ہو گیا۔

"بولتے کیوں نہیں۔ کہاں ہے وہ؟" اس بار راج کماری نے چتون بدل کر دریافت کیا۔

"جان کی امان ملے تو عرض کروں حضور۔" سپاہی نے لرز کر کہا۔

"کہو۔"

سپاہی نے بتایا کہ وہ زود رکھنڈر محل کے ایک حصہ میں قید ہے۔ یہ سن کر راج کماری کو غصہ ہی تو آ گیا۔

"کیا میں نے تم لوگوں سے یہی کہا تھا کہ اس کے لے جا کر ایسے بھیانک مقام میں قید کر دینا؟"

"یہ میرا دوش نہیں اَن داتا۔ پتا وار نہیں مانا۔ میں تو زخمی کو محل میں لا رہا تھا۔" سپاہی نے عرض کیا۔

"اچھا اس کی مرہم پٹی بھی کی تم لوگوں نے یا اس کے زخم اب تک سڑ رہے ہیں؟"

"مرہم پٹی تو اس کی اچھی طرح کردی گئی ہے۔ حضور کسی سے بھی دریافت کرلیں۔"

"کیا تم نے سب سے اس کا ذکر کر دیا ہے؟"

"نہیں سرکار۔"

"اچھا پنادار کو ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی سزا میں جیل میں ڈال دو اور ہمیں زخمی کے پاس لے چلو۔ تمھیں نہیں معلوم اس نے میری جان بچا کر پتاجی کی جان بچائی تھی۔ خبردار کسی کو خبر نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور ہم اس کی دیکھ بھال کے لیے جا رہے ہیں۔" راج کماری نے کہا۔ پھر اندر گئی بھاری زیورات اُتارے، صرف ہلکے سے رہنے دیئے کیونکہ اپنی زینت و جمال سے ابھی غریب احتشام کو ہلاک بھی تو کرنا تھا۔ اس کے بعد سر سے پیر تک چادر اوڑھی اور دوسرے پوشیدہ دروازے سے محل کے باہر آ گئی۔ یہاں پہلے ہی وہ سپاہی دو گھوڑے لیے حاضر تھا۔ اپنی مخدومہ کو دیکھ کر اسے گھوڑے پر سوار کیا پھر اس کی رکاب کو بوسہ دے کر رہبر کے طور پر آگے آگے ہولیا۔

بڑی سہانی رات تھی۔ ابتدائی سردی کی خوشگوار خنکی اور ہوا کی لطافت دل میں اُمنگ پیدا کرتی تھی۔ راج کماری کو ہاری ہوئی جنگ کے بعد اپنا ملک و حکومت سلامت رہ جانے کی بے انتہا خوشی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک پردیسی غیر مذہب نوجوان کو چوبیس گھنٹے پہلے میدانِ جنگ میں پھر گھوڑے پر اپنے ساتھ دیکھ کر اس کے معصوم سینے میں دل ایک عجیب کیف سا پا رہا تھا۔ ایسا کیف جیسے وہ دفعتاً کل ہی بالغ ہوئی تھی۔ گویا کل ہی اس کے نوجوان مگر خاموش دل میں مرد کا پہلا تخیل جاگا تھا۔

۳۷

سپاہی ایک میل کے قریب مسافت طے کر کے کھنڈر محل کے ایک ناہموار حصے کے

پاس جا کر رُک گیا۔ یہ ویران محل کسی زمانہ میں راجگانِ سلف کا عالیشان مسکن ہوگا مگر اب اس کا بیشتر حصہ مسمار ہو کر کھنڈر کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ چوطرف دیو پیکر ستون، دبیز چھت اور بڑے بڑے ضخیم پتھر کچھ انبار کی صورت میں اور زیادہ تر پھیلے پڑے تھے جس پر سے خاموش رات کی ہوا سنسناتی ہوئی گزرتی تھی تو ایک سیٹی کی سی آواز پیدا ہو جاتی تھی جیسے آوارہ روحیں چیختی پھر رہی ہوں۔

یہاں چوطرف ایک سکوتِ مطلق طاری تھا۔ نعم پروردہ راج کماری کا گزر اس منحوس کھنڈر کی طرف کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ راجپوت لڑکی تھی، جو خوف دہراس کو جانتی بھی نہ تھی اور جو میدانِ جنگ میں بھی دادِ شجاعت دیتی تھی مگر اس ویرانے کو دیکھ کر اور اس کو گھیرے ہوئے سناٹے میں آنے کے بعد اس کے دل پر کچھ خوف سا طاری ہونے لگا۔ جس رومان انگیز اور امنگ خیز رات کو وہ اپنے شاندار محل اور اس کے نواح میں پیچھے چھوڑ کر آئی تھی وہ یہاں کتنی بھیانک اور ڈراؤنی بن گئی تھی۔

سپاہی رُک گیا۔ احتیاطاً مشعل ساتھ لیتا آیا تھا۔ چقماق سے آگ جھاڑ کر اس کو روشن کیا اور چھوٹے پتھر کے ڈھیروں کو عبور کر کے راج کماری کی رہبری کرتا ہوا تاریک، وسیع اور مہیب دالانوں میں سے گزرا۔ مشعل کی مضمحل روشنی خاموشی سے کھڑی ہوئی شکستہ دیواروں پر پڑ رہی تھی اور ان دونوں کے چلنے سے ویران دالانوں میں پیروں کی آواز سے گونج پیدا ہو رہی تھی۔ آخر تھوڑے فاصلے کے بعد راج کماری کو ایک کوٹھری میں سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آئی۔

”وہ ترک اس کوٹھری میں قید ہے اَن داتا“ سپاہی نے روشن کوٹھری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اچھا تم یہاں ٹھہرو اور مشعل مجھے دے دو۔ یہ بتاؤ کہ اس کو کچھ کھلاتے پلاتے بھی ہو یا بھوکا مار ڈالا۔“

"کھانے کا انتظام پتّادار کے سپرد ہے حضور۔ خبر نہیں کہ اس نے قیدی کو کھانا کھلایا یا نہیں۔" سپاہی نے جواب دیا۔

راج کماری کو ان غفلت شعاروں پر بڑا غصہ آیا۔ اس وقت یکھ نہیں بولی۔ مشعل لی اور کوٹھری میں بے تابانہ داخل ہوئی۔ پہلے پیروں کی چاپ پھر روشنی اور باتوں کی آواز سن کر احتشام اُٹھ بیٹھا تھا۔ اب جو اس نے مشعل بدست چادر میں لپٹے ہوئے کسی کو کوٹھری میں داخل ہوتے دیکھا تو حیران ہوا۔ راج کماری نے اپنی چادر اُتار کر ایک طرف ڈال دی اور تاسف و رنج کے ملے جلے اثرات چہرے پر لیے ہوئے احتشام کے قریب پہنچی۔

احتشام کی متحیر نگاہوں نے ایک نہایت حسین لڑکی کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ اس نے راج کماری کو نہیں پہچانا کیونکہ ایک تو اس نے جب پہلی بار اسے دیکھا تو وہ ستی کے لباس میں تھی، دوسرے عجلت و ہیبت میں اس کے چہرے کو اچھی طرح نہ دیکھ سکا تھا۔ معاً اسے خیال آیا کہ اس محل میں مری ہوئی کسی جوان شہزادی کی روح نہ ہو۔

احتشام کے زخموں پر بے شک پٹیاں تو بندھی ہوئی تھیں مگر ساتھ ہی قیدیوں کی طرح اس کے پیروں میں زنجیریں بھی پڑی ہوئی تھیں اور وہ چوبیس گھنٹے میں کافی نقیہ نظر آنے لگا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" آخر احتشام نے حیران حیران اس کی جانب دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"ارے آپ اس قدر جلد بھول گئے مجھے؟" راج کماری نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجیے میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" احتشام نے اسی طرح حیرانی سے کہا۔

راج کماری اس کے قریب آ بیٹھی اور مشعل نیچی کر کے بولی:

"کیا اب بھی نہیں پہچانا؟"

"میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کوئی بہت ہی حسین لڑکی ہیں، اس کے علاوہ

افسوس مجھے آپ کی شکلِ زیبا یاد نہیں آ رہی ہے۔" احتشام نے بغور اس کے رُخ تاباں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تعجب ہے۔" راج کماری کی زبان سے نکلا اور اس کے نازک دل کو قدرے صدمہ بھی ہوا کہ اس کے پہلے نظارے سے یہ شخص متاثر نہیں ہوا تھا۔

"ذرا ٹھہریئے مگر یہ ممکن نہیں۔ پھر بھی میں آپ کی دلکش صورت میں کل والی راج کماری کی کسی قدر مشابہت پا رہا ہوں مگر وہ یہاں کہاں۔" احتشام نے حافظہ پر زور دے کر کہا۔

"کیوں۔ کیا راج کماری یہاں نہیں آسکتی ہے؟" راج کماری نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"کوئی امکان نہیں۔ کیا خبر ان کا اور ان کے والد راجہ کا کیا حشر ہوا۔" احتشام نے جواب دیا۔

"وہ دونوں زندہ ہیں اور سلطان کی دوستی کا دم بھرتے ہوئے اپنے محل میں آ گئے تھے۔" راج کماری نے کہا۔

"بڑی مسرت ہوئی۔ کیا آپ راج کماری کی رشتہ میں کوئی بہن ہوتی ہیں؟"

"کیا خبر جب آپ پہچانتے ہی نہیں تو کیوں بتائیں آپ کو۔"

"صاحب کچھ تو بتایئے۔۔ آپ کو دیکھ کر تو میں نے اپنے جسم میں تازگی سی پانے لگا ہوں۔" ان کلمات سے حسین راج کماری کی خوبصورت رخساروں پر رنگِ حیا دوڑ گیا۔

"کچھ نہیں۔ بس میں ایک راجپوت لڑکی ہوں۔" آخر راج کماری نے کہا۔

"کیسے زحمت فرمائی آپ نے؟" احتشام نے پوچھا۔

"آپ کی خیریت دریافت کرنے آئی تھی۔ بڑا افسوس ہوا کہ راج کماری کے حکم کے خلاف سپاہیوں نے آپ کو اس ویرانے میں لا کر قید کر دیا۔ اب آپ آزاد ہیں۔ ان تمام سپاہیوں کو راج کماری سخت سزا دینے والی ہے کیونکہ سلطان کا ہر آدمی ہمارا دوست و مہمان ہے۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔ کیا میں آپ کا نام معلوم کر سکتا ہوں؟"

"چندرا۔" راج کماری نے جواب دیا۔

"اگر چندرا چاند کو کہتے ہیں تو آپ نے بڑا صحیح نام پایا ہے۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔ راج کماری لجا گئی۔

"آپ نے کھانا کھایا؟"

"اب ضرورت نہیں رہی۔" احتشام نے اسی طرح مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ خدا نے چند صورتیں ایسی بنائی ہیں کہ ان کو دیکھ کر بھوک بھاگ جاتی ہے۔" احتشام نے جواب دیا۔

"پھر بھی تھوڑا بہت کھا لیجیے۔" چندرا نے کہا اور سپاہی کو آواز دی۔

"حضور راج کماری۔" سپاہی نے نمودار ہو کر ادب سے کہا۔

"راج کماری! یہ خود راج کماری ہے! یہاں میرے پاس!" احتشام نے حیرت سے دل میں کہا۔

"دیکھو میرے گھوڑے کے ساز سے جو کھانا بندھا ہوا ہے کھول کر لے آؤ۔" راج کماری نے سپاہی سے کہا جو تعمیل میں سر جھکا کر چلا گیا۔

"آپ راج کماری ہیں؟" احتشام نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔ راج کماری صرف مسکراتی رہی۔

"آپ کل والی راج کماری ہیں۔ یہ آپ نے اب تک کیوں نہ بتایا۔" احتشام نے باردیگر دریافت کیا۔

"کیا پہلے کے مقابلہ میں اب میری حیثیت آپ کی نگاہ میں کچھ بدل گئی؟" راج کماری نے مسکرا کر پوچھا۔

"بدلنی تو چاہیے۔" احتشام نے جواب دیا۔

"یہ آپ کا خیال ہے ورنہ میں صرف میزبان کی حیثیت سے یہاں آئی ہوں۔ جس پر آپ کا شکریہ بھی واجب ہے۔" راج کماری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس اثنا میں سپاہی کھانا لے آیا۔ احتشام نے اُٹھ کر ہاتھ دھویا۔ اس کے پاؤں کی زنجیریں کھڑکھڑا اٹھیں۔

"آپ کا ایک ہاتھ شاید کسی لڑائی میں ضائع ہو گیا ہوگا۔" راج کماری نے اس بہادر سپاہی کا ایک ہاتھ دیکھ کر تاسف سے دریافت کیا۔ احتشام مسکرایا اور مختصر الفاظ میں اپنا ہاتھ کٹ جانے کا واقعہ دہرایا جس میں عادلہ سے اپنے لگاؤ کو بالکل حذف کر دیا۔

"بڑا رنج ہوا۔ اس لڑکی کو آپ پر دیا نہیں آئی کہ ایسے بہادر آدمی کا ہاتھ بے کار کر دیا۔ اب وہ لڑکی کہاں ہے؟" آخر راج کماری نے عادلہ کے متعلق کرید کی۔ احتشام چپ ہو گیا۔ وہ حسینہ کے سامنے عادلہ کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اسے چپ پا کر راج کماری نے پھر کسی وقت کے لیے اس سوال کو اٹھا رکھا اور انگوچھا بچھا کر اس پر کھانا چننے لگی۔

علاوہ پوری کچوری اور حلوے کے، سموسے اور بھنا ہوا گوشت بھی تھا۔ راج کماری وہیں بیٹھ گئی پھر بولی:

"شروع کیجیے۔"

"اور آپ۔" احتشام نے کہا۔

"میں کھا کر چلی تھی۔" راج کماری نے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ساتھ دینا پڑے گا۔" احتشام نے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے کہا۔ راج کماری نے اپنا ہاتھ آزاد کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس نئے لمس نے اس کے جسم میں ایک نئی سی سنسنی دوڑا دی، آخر شرمگیں آواز میں بولی:

"میں نہیں کھا سکتی۔"

"کیوں؟ کیا اس لیے کہ میں اجنبی انسان ہوں۔" احتشام نے کہا۔

"نہیں یہ وجہ نہیں۔" راج کماری نے اب کسی قدر معذرت آمیز لہجہ میں کہا۔

"پھر کیا وجہ؟"

"آپ کو بُرا تو نہیں معلوم ہوا؟" راج کماری نے اپنی نشیلی آنکھیں ذرا اُٹھا کر دریافت کیا۔

"مطلق نہیں۔" احتشام نے جواب دیا۔

"ہم مسلمانوں کے ساتھ نہیں کھا سکتے۔" راج کماری نے ندامت سے کہا۔

"اچھا!" احتشام نے انتہائی حیرت سے کہا اور راج کماری کا دستِ نازنین چھوڑ دیا۔ پھر بولا:

"آخر کیوں؟"

"کیونکہ مسلمان اچھوت ہیں۔" راج کماری نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"اچھوت! اچھوت کیا؟" احتشام نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔ یہ لفظ اس نے آج تک نہیں سنا تھا۔ اس کا مفہوم تو کجا تمام عمر میں یہ لفظ اس نے آج پہلی بار سنا تھا۔

"دیکھیے آپ شاید بُرا مانیں گے مگر آپ پیچھے پڑے جا رہے ہیں تو بتانا پڑتا ہے۔ اچھوت اُسے کہتے ہیں جو ہندو دھرم کی رو سے نیچ ہو اور پوتر خون نہ رکھتا ہو۔" آخر راج کماری کو وضاحت کرنی پڑی۔ اِن الفاظ کا احتشام بُرا تو نہ مانا مگر مسلمان سے اِس نفرت کا اس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ کھانے کے پاس سے ہٹ گیا۔

اب راج کماری کو بھی انتہائی تکلیف ہوئی اور وہ اپنی محجوبیت کے باوجود اسے منانے لگی۔ کمرہ نا سرکا کر اس کے قریب لے گئی اور آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی:

"مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ آپ کو میرے الفاظ سے صدمہ پہنچا مگر کیا کیا جائے ہم اپنے دھرم سے مجبور ہیں۔"

"درست ہے لیکن راج کماری صاحبہ اگر ہم لوگ آپ کے اور آپ کے دھرم کی نگاہ میں اتنے ہی ناپاک ہیں تو کھانا لانے کی زحمت ہی کیوں فرمائی آپ نے، دوسرے اتنے بڑے فرق کے ہوتے ہوئے آپ لوگوں کی اور ہماری دوستی سرے سے کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔" احتشام نے اندوہ گیں لہجہ میں کہا۔

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ اگر ہم مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہ کھا سکیں تو اُن سے دوستانہ تعلقات رکھنے میں کوئی چیز مانع ہو۔" راج کماری نے جواب دیا۔

"یہ کس طرح ممکن ہے۔ مسلمانوں کو شریکِ طعام نہ کرنے میں آخر کیا جذبہ کار فرما ہے۔ اس پر بھی تو غور کیجیے۔ اپنی برتری اور مسلمانوں کی کمتری۔ برتری کا جذبہ ہمیشہ طبقات پیدا کرتا ہے۔ جس میں آویزش و نفرت کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ آپ کو اپنے دھرم کی رو سے میرے ساتھ کھانا کھانے میں اسی لیے تو اعتراض ہے کہ آپ اس طبقہ کو جس سے میرا تعلق ہے بربنائے نفرت فروتر سمجھتی ہیں۔ افسوس مجھے معلوم نہ تھا کہ کوئی دھرم ایسا بھی ہو سکتا ہے جو منافرت کی تعلیم دیتا ہو۔" احتشام نے اسی طرح تاسف سے کہا۔ راج کماری شرمساری ہو کر خاموش ہوگئی۔ اُسے چپ پا کر احتشام پھر بولا:

"معاف کیجیے میرا مقصد آپ کا دل آزاری یا آپ کی ذات پر کوئی اعتراض کرنا نہ تھا۔ اچھا یہ تو بتایئے جبکہ آپ مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے اور کھانے پینے کی روادار نہیں تو ان کو اپنے ہاں رکھنے، ان سے میل جول کرنے، شادی بیاہ کے تعلقات پیدا کرنے سے تو ہزاروں قدم پیچھے ہٹتی ہوں گی۔" راج کماری نے درد آگیں انداز میں اپنی خوبصورت آنکھیں اُٹھائیں اور افسردہ لہجہ میں بولی:

"آپ کا خیال غلط نہیں ہے۔"

"خیر ہم یہاں کسی کا دھرم بدلنے یا اصولِ حیات توڑنے نہیں آئے۔ اگر دوسرے بندگانِ خدا کو نجس و کمتر سمجھنا آپ کے عقیدے میں داخل ہے تو اپنے اچھوت جوہا...آپ

سے محبت نہیں کریں گے۔ اچھا چھوڑیے اس قصے کو آپ نے اپنی سماجی اور مذہبی بندشوں کے باوجود جو حسنِ سلوک اپنے طور پر میرے ساتھ روا رکھا اس کا میں ممنون ہوں۔"

"آپ مجھے کافی شرمندہ کر چکے! اب کھانا کھا لیجیے۔" راج کماری نے دبی آواز سے کہا۔

"آپ میرے متعلق غلط رائے قائم کر رہی ہیں۔ میں آپ کو شرمندہ یا خجل کرنے کا کیا حق رکھتا ہوں۔"

"خیر۔ خیر لقمہ اٹھایئے۔ میں تو آپ کے ہاں کے آداب سے بالکل ناواقف ہوں کہ آپ کس طرح کھانا شروع کرتے ہیں۔" راج کماری نے اصرار سے کہا۔

"کھانا تو تمام انسان ایک ہی طرح کھاتے ہیں لیکن راج کماری میں معذرت خواہ ہوں یہ کھانا میں نہیں کھا سکوں گا۔ کیونکہ اس کا ہر نوالہ لقمۂ نفرت ہوگا۔"

"لیکن میں آپ سے نفرت نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں یہاں آتی ہی کیوں؟"

"یہ تو آپ کی نیک نفسی کی دلیل ہے۔ ورنہ جہاں تک آپ کے اور ہمارے اختلافات کا تعلق ہے وہ آپ کے دل میں بیٹھا ہوا ہے۔"

"اچھا دیکھیے میں اس کا ثبوت دیتی ہوں کہ باوجود اختلاف کے میں آپ کی قوم سے متنفر نہیں ہوں۔" راج کماری نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے دستِ ناز سے لقمہ بنا کر اس کے منہ کے قریب لے گئی۔

احتشام واقعی اس عنایت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کرم ارزانی کو دیکھ کر متعجب رہ گیا۔ آخر خود لقمہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا اور ہنستا ہوا بولا:

"رہنے دیجیے میرے منہ سے آپ کا پوتر ہاتھ لگ جائے گا تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔"

چونکہ صبح سے بھوکا تھا۔ ادھر حسین میزبان نے ہر چند زہر چکائی کی تھی مگر ان ہاتھوں سے تو زہر میں امرت بن سکتا تھا۔ احتشام کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ راج کماری اسلامی

طریقے سے اس کے کھانا کھانے کو قدرے محویت سے مسکراتی ہوئی دیکھتی رہی۔

"آپ گوشت نہیں کھاتے۔ مسلمان تو سنا ہے گوشت پر مرتے ہیں۔" راج کماری نے کہا۔

"میں بھی مرتا ہوں گوشت پر۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔

"پھر یہ ماس کیوں نہیں کھاتے؟" راج کماری نے کہا۔

"کیونکہ مسلمان کسی غیر مسلم کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہیں کھاتا۔" احتشام نے جواب دیا۔

"اچھا! تو آپ لوگ بھی ہم کو ناپاک سمجھتے ہیں!" راج کماری نے حیرت سے کہا۔

"اتفاقاً نہیں، بلکہ کچھ بات ہی ایسی ہے۔ کئی حالات میں ہم آپ لوگوں کے ہاتھ کا کھانا کھانا بھی پسند نہیں کرتے" احتشام نے کہا۔

"تعجب ہے اور اچھوت تو بڑے فخر اور خوشی سے ہمارا کھانا کھاتے ہیں۔"

"ہاں لیکن ہم اچھوت نہیں ہیں بلکہ دُنیا کی طاہر و پاک ترین قوم ہیں۔" احتشام نے جواب دیا۔

"کس طرح؟"

"یہ آپ کو پھر کبھی بتاؤں گا یا کوئی اور سمجھائے گا۔" احتشام نے کہا اور کھانا ختم کر کے ہاتھ دھویا۔ کلّی کی۔ پھر کھانا سمیٹنے سے قبل ہاتھ اٹھا کر رزاقِ حقیقی کا شکر بجالایا۔

"اچھا اب میں جاتی ہوں۔ کل پھر اس وقت آؤں گی اور آپ کی زنجیریں کھول دوں گی۔ اس وقت تو اسی طرح سو جایئے۔"

"ابھی مجھے مالک کی پوجا کرنی ہے۔" احتشام نے کہا۔

"مندر تو یہاں سے دُور ہے، آپ جائیں گے کیسے؟"

"میرا مالک مندروں میں قید نہیں ہے۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔ راج کماری اس کی

باتوں پر حیرت کرتی ہوئی اور اس پر ایک نگاہ ڈال کر چل دی۔

۳۸

اس پہلی ملاقات سے راج کماری تو بہت خوش تھی۔ احتشام کو یہ مسرت تھی کہ راجہ نے التمش سے صلح کر لی، اس لیے اب وہ آزاد ہے اور جلد اپنوں میں جا ملے گا۔ راج کماری کے چلے جانے کے بعد پھر وہی اس کی قید تنہائی تھی اور وہی زخموں کی تکلیف۔ جب تک وہ اس نیم روشن کوٹھری میں بیٹھی رہی اس کے حُسن کے اُجالے سے وہ منور رہی۔ اس کے چلے جانے کے بعد پھر چوطرف تاریکی پھیل گئی۔

راج کماری چندرا کو ابھی گلشنِ بلوغت میں قدم رکھتے ہوئے دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اس کے دستِ سیمیں کے خواہاں ہو گئے۔ اس لڑکی کا نازک دل اب تک عشق و محبت کی آنچ سے محفوظ تھا۔ اس کو صرف وہ معزز و بہادر راجپوت سردار ذرا پسند آیا تھا جس نے اپنی فوج سے نکل کر التمش کے بہادروں کو تنہا مقابلہ کے لیے چیلنج کیا تھا مگر جب وہ اس سے جری تر احتشام کے ہاتھ سے مارا گیا تو پہلی بار اس کا دل زیادہ سرگرمی سے اس کی بہادری کو دیکھ کر متاثر ہوتا چلا گیا تھا۔ کیونکہ احتشام نے نہ صرف ایک بہت بڑے سورما کو شکست دی تھی بلکہ پھر جو دوسرے سورما اس کے مقابلے کو آئے تھے ان کو بھی زیر کر کے ختم کر دیا تھا۔

اتفاق کی بات کہ اسی پسندیدہ تُرک نے آ کر اسے ستی ہونے سے بھی بچا لیا تھا اپنی عادتِ گریز کے باوجود اس کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھنے کے بعد وہ ننھی مُنّی بچی کی طرح ہمہ تن سپرد ہو گئی تھی۔ آج رات کو جو اس بہادر و خوشرو نوجوان کو اتنے قریب سے دیکھا تو دل میں ایک نئی تمنا کی پھوٹی ہوئی کونپل اور تر و تازہ ہو گئی اور یہ تُرک اس کو دل سے پسند آ گیا۔

مگر احتشام نہ تو خود کوئی راجہ یا شہزادہ تھا نہ اس کی رگوں میں شاہی خون تھا کہ کسی

شاہی خاندان کی لڑکی کو حاصل کر سکتا۔ اگر اس رسم دُنیا کو خاطر میں نہ لایا جاتا تب بھی اختلاف مذہب اور چھوت چھات کی ناقابل عبور خلیج حائل تھی۔ کاش وہ کوئی راجپوت راج کمار ہوتا اور چندرا کے آئندہ سال منعقد ہونے والے سوئمبر میں شریک ہو کر اس کو جیت لے جاتا۔ محل میں پہنچ کر راج کماری بہت دیر تک انہی لطیف و بعض اوقات تکلیف دہ خیالات میں پھنسی رہی۔

مگر راج کماری کو قدرے تعجب کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی تکلیف اس چیز سے بھی ہوئی کہ احتشام اس کو دیکھ کر اس قدر بے اختیار کیوں نہ ہوا، جس قدر اور بڑے بڑے سردار ہو جاتے تھے۔ اس کی وجہ پر اس نے غور کیا تو یہی سمجھ میں آیا کہ ممکن ہے یہ سردار اپنی قوم کی کسی لڑکی کو پہلے سے چاہتا ہو۔ دفعتاً اس کے خیال میں رضیہ کا ہوش ربا چہرہ آیا، جس کو دیکھ کر وہ خود چندھیا گئی تھی، ہوسکتا ہے کہ احتشام اسی پر مرتا ہو۔ یہ مسلمان لوگ تو سب آپس میں برابر ہوتے ہیں چاہے بادشاہ چاہے فقیر۔

اس تکلیف دہ خیال کے بعد راج کماری کو ایک فکر سی لگ گئی۔ اس پر مایوسی تو پہلے ہی طاری ہو چکی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا پریم ناکام بنا دیا جائے گا۔ اس کا مہاراجہ پتا اور اس کے راجپوت سردار کیوں اس محبت کو گوارا کرنے لگے۔ اس نامراد محبت کا کیا انجام ہوسکتا تھا۔

ان ہی پریشان کن خیالات میں اس حسینہ کو بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ اپنی اس باطنی کیفیت کا کسی سے اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ آخر اپنی دایہ کا خیال آیا مگر وہ بے چاری کیا کر سکتی تھی۔ صرف اس کو دلاسہ دینے پر قادر تھی ورنہ جہاں تک مددگار ثابت ہونے کا تعلق ہے وہ کسی امداد سے قاصر تھی۔ شاید وہ کوئی اچھی صلاح دے سکے۔ راج کماری نے سوچا اور اپنے آرام دہ مخملیں بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی پھر باندی کو آواز دے کر دایہ کو بلوایا۔

رات کے دس بج چکے تھے۔ دایہ گھبرائی ہوئی آئی اور اپنی پیاری بچی کی بلائیں لے

کر بولی:

"خیریت میرے چاند کیا بات ہے؟" راج کماری نے بلانے کو تو دایہ کو بلا لیا مگر پھر اس سے اپنی نو دمیدہ محبت کے ذکر کرنے کا ارادہ بدل دیا۔ پہلے احتشام کی بھی تو صحیح کیفیت معلوم ہونی چاہیے اس لیے اس اہم راز کو ابھی چند روز مخفی رکھنا بہتر ہے اس نے دل میں کہا اور بات بناتی ہوئی بولی:

"میں نے یہ کہنے کو بلایا تھا ماں کہ کل میرا اچھی طرح سنگھار کرنا۔ شاید سلطان اور اس کی شہزادی محل میں پتا جی سے ملنے آئیں۔"

"مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ وہ اگلے شکر (جمعہ) تک آئیں گے، پر تیرا سنگھار کر دوں گی۔ ایسا سجاؤں گی تجھے کہ سلطان کی سندری پتری بھی تیری بلائیں لینے لگے گی۔" دایہ نے کہا۔

"اچھا بس جاؤ۔ کل شام کو سنگھار کر دینا۔" راج کماری نے کہا اور اپنے ملائم بستر پر دراز ہو کر کروٹیں بدلنے لگی۔

دوسرے روز شام سے پہلے ہی اس کی دایہ نے اس طرح دلہن کی طرح اس کو سجایا جیسے سوئمبر میں جانے والی ہو۔ اپنی راج کماری کے جمال کو دیکھ کر باندیاں بھی عش عش کرنے لگیں اور نظر اُتارنے کے طور پر اس پر سے بہت کچھ نچھاور کیا مگر راج کماری بے چینی سے رات کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے کل والے سپاہی کو بلا کر احتشام کے پاؤں کی زنجیروں کی کنجی طلب کی اور اپنے کمرۂ خاص میں پہنچ کر اضطراب سے گھڑیاں گننے لگی، بیٹھے بٹھائے اس نازنین کے معصوم دل کو احتشام نے چھیڑ دیا تھا ایسے شخص نے جس کے متعلق جانتی تھی کہ اس سے اتصال کو ممکن نہیں ہونے دیا جائے گا۔

اتنا بڑا محل تھا، پھر کس کی مجال تھی کہ راج کماری پر نظر رکھے۔ آخر خدا خدا کر کے آٹھ بجے۔ رات پھیل چکی تھی۔ راج کماری نے سرور و کیف کے عالم میں چادر سے جسم چھپایا۔

ضروری چیزیں ساتھ لیں اور پوشیدہ دروازے سے نکل کر گھوڑا لیا اور پھر سوار ہو کر راہ دلدار پر ہولی۔ محبت کا ابتدائی زمانہ بھی کتنا رنگین ہوتا ہے۔

راج کماری احتشام کو مبتلائے حیرت و ہلاک جلوہ کرنے کی غرض سے چپکے سے اس کی کوٹھری میں داخل ہوئی مگر اس نے دیکھا کہ وہ ایک طرف منہ کیے ہوئے کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی جھکتا ہے، کبھی سر زمین پر ٹیک دیتا ہے۔ اس کی ان حرکتوں کو دیکھ کر پہلے تو سخت متعجب ہوئی اور جب وہ رکوع میں گیا تو اس کی اس عجیب و غریب حرکت پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ارے یہ آج کیا کر رہے ہو؟" اس کافرہ نے نمازی کے سامنے جا کر ہنستے ہوئے پوچھا اور جب اس نے جواب نہیں دیا تو اس کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"ارے بولیے نا۔ اچھا جی۔ مجھے چھیڑنے کو کوئی تماشہ کر رہے ہو۔" اس نے پھر کہا لیکن اس کو جب اسی طرح ایک عالم استغراق میں پایا تو معاً خیال گزرا کہ کہیں یہ شخص اپنے مالک کی بھگتی نہ کر رہا ہو۔ یہ خیال آتے ہی اس کے سامنے بیٹھ گئی تاکہ اشیرباد میں وہ بھی شامل ہو سکے۔ وہ تو احتشام رکعتیں ختم کر چکا تھا اگر سجود باقی ہوتے تو اس کا سجدہ عین اس ساحرہ کی گود میں تھا۔

احتشام نے ذرا دقفے کے بعد سلام پھیرا تو سامنے جلوۂ ایزدی نظر آیا۔ شاید ہر خوبصورت شے میں خدا کا عکس پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی طرف دل کھنچنے لگتا ہے کیونکہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ اس شعلۂ حسن کو دیکھ کر احتشام دعا مانگنا بھول گیا۔ بہرنوع جلد جلد آیت ختم کر کے ہاتھ اٹھائے اور نماز ختم کر کے اس صنم دل ربا سے بولا:

"آج تو آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی مشکل پاتا ہوں۔"

"یہ ابھی آپ کیا کر رہے تھے؟" راج کماری نے دریافت کیا۔

"اپنے مالک کی پوجا پاٹ کر رہا تھا۔ جس نے تمہیں اتنا حسین پیدا کیا ہے۔" احتشام

نے مسکرا کر کہا۔ راج کماری اپنے حسن کی تعریف سن کر لجا گئی۔

"تمھیں زنجیروں کی وجہ سے تو اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہو گی۔ کیا تمھارے مالک میں اتنی شکتی نہیں کہ انھیں کھول دے؟" راج کماری نے کہا۔

"کیوں نہیں ہے۔ یہ اسی کی شکتی کا کرشمہ ہے کہ اس نے مجھ پر تمھیں مہربان کیا۔"

"اچھا لاؤ اب میں کھول ڈالوں انھیں۔" راج کماری نے کہا اور قریب آ کر اس کی زنجیریں کھولنے لگی۔ وہ آج اس قدر حسین نظر آ رہی تھی احتشام نے مقابلہ کی کوشش میں اسے اور عادلہ کو تخیل میں لانے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ علیحدہ علیحدہ اپنا جواب آپ تھیں البتہ کل سے جبکہ اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ راج کماری اس پر مہربان ہے تو دل میں کہا تھا کہ ایک یہ حسینہ ہے جو کافی کرم فرما ہے، ایک ستم گر عادلہ ہے کہ اس کے نیاز کا جواب دینے سے گریز کرتی ہے۔

احتشام نے نشیلی آنکھوں پر جھکی ہوئی ان لانبی لانبی پلکوں کو دیکھا جو قریب میں اس کی نظروں کی طرف انہماک سے متوجہ تھیں، جوان رخساروں کی اس شہابی رنگت پر نظر ڈالی جس کے نیچے کوئی روشن ذرات بہتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ پھر معصومیت کے ساتھ ساتھ بانکپن کو دیکھا جو دل کو گرما دینے والا تھا۔ وہ چونک سا پڑا۔ اس کے دل سے فریاد سی نکل گئی:

"عادلہ اگر یہ حسین ڈاکو میرے متاعِ دل کو روزانہ اسی طرح تاکتی رہی تو ڈر ہے کہ کہیں تمھارے محبت میں شرک نہ کر بیٹھوں۔"

"کیا بچار کر رہے ہو؟" راج کماری نے اس کی زنجیریں کھول ڈالیں مگر احتشام بے خودی میں اب بھی اسی طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے اب تک پابجولاں ہو۔

"کچھ نہیں۔" احتشام نے حواس پر قابو پا کر کہا۔

"لو اب کھانا کھا لو۔ آج بہت سی چیزیں لائی ہوں۔" راج کماری نے کہا۔ دونوں کے درمیان سے تکلف کم ہو گیا تھا اس لیے بے تکلفانہ ایک دوسرے کو مخاطب کرنے لگے تھے۔

"مگر تم آج بھی شریک نہیں ہو گی۔ اگر تم میرے ساتھ کھانے کو بیٹھ جاؤ تو لذتِ طعام دوگنا ہو جائے۔" احتشام نے کہا۔

"اگر پتا جی تمھارے سلطان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیں گے تو میں بھی تمھارے ساتھ کھا لوں گی۔"

"لیکن سُندر چندر اہم دونوں کو اس قدر ساتھ رہنے کے مواقع کہاں مل سکتے ہیں کہ تم کبھی میری شریکِ طعام ہو سکو گی۔"

"یہی میں سوچتی ہوں۔" راج کماری نے کہا اور ست ہو گئی۔ آخر اس نے آہستہ آہستہ دسترخوان بچھایا۔

"دیکھو ابھی میں نے کھانے کو چھوا نہیں ہے۔ کیا تم یہ بھی گوارا نہیں کرو گی کہ پہلا لقمہ اٹھا کر منہ میں رکھ لو۔"

"اس میں کوئی حرج تو نہیں مگر میں کھا چکی ہوں۔ تم شروع کرو۔" راج کماری نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ آخر احتشام نے بسم اللہ چھوڑ دی۔

"تمھارا نام کیا ہے؟" راج کماری نے ذرا وقفہ کے بعد دریافت کیا۔

"احتشام۔" احتشام نے لقمہ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"بڑا سخت نام ہے۔ میں تمھیں صرف شام کہا کروں گی۔"

"شام! یعنی صبح کی ضد؟" احتشام نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"نہیں۔ شام بہت اچھا نام ہے۔" راج کماری نے جواب دیا۔

"کیا معنی ہیں شام کے؟" احتشام نے پوچھا مگر راج کماری نے اس کو نہیں بتایا کہ شام مجازاً محبوب مرد کو کہتے ہیں۔ صرف مسکرا کر چپ ہو گئی۔

"آج تو تم نے کچھ بھی نہیں کھایا۔" احتشام کو کھانے پر سے ہاتھ کھینچتے دیکھ کر راج کماری نے کہا۔

"آج اتنی ہی بھوک تھی۔ کچھ تمھیں دیکھنے کی خوشی میں، کچھ اپنی آزادی کی مسرت میں آج بھوک اُڑ گئی۔" احتشام نے کہا۔

"ایک بات کہوں شام۔ مانو گے؟" راج کماری نے کچھ وقفہ کے بعد دریافت کیا۔

"ضرور۔"

"ابھی تم دو چار روز یہیں چھپے رہو۔ یوں آزاد ہو۔ اپنی فوج سے جا کر مل سکتے ہو مگر میں چاہتی ہوں کہ کل جب تک تمھارا سلطان ہمارے ہاں آکر مہمان نہ ہو اس وقت تک تم یہیں رہو۔ میں کل صبح ہی تمھارے لیے اچھے کپڑے، اچھا بستر روانہ کر دوں گی۔ آرام سے رہنا۔" راج کماری نے کہا۔ احتشام کو اس تجویز میں کوئی قابلِ اعتراض بات تو نظر نہیں آئی، اسے روکنے میں اس کی کیا مصلحت تھی۔ یہ راز وہ نہ سمجھ سکا۔ آخر بپاسِ خاطر ناز بولا:

"اگر اس میں تمھاری کوئی خاص مصلحت ہے تو خیر ورنہ سچ مانو یہ تنہائی مجھے کھانے کو دوڑتی ہے۔ اس کے علاوہ اپنوں کی یاد علیحدہ ستاتی ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ شہزادی کی یاد سب سے زیادہ ستاتی ہو گی۔" راج کماری نے اپنے مغالطہ کی بنا پر ازرہِ رقابت کہا پھر مسکرا دی۔

"بے شک وہ بھی یاد آتی ہیں۔" احتشام نے بے لاگ کہا۔

"تو تم ان سے پریم کرتے ہو۔" راج کماری نے تیکھی چتون سے کہا۔ احتشام ہنسا اور بولا:

"ان سے کون محبت نہیں کرتا۔ پھر معزز راج کماری تمھیں اس مسئلہ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ جو میں کس سے محبت کرتا ہوں کس سے نہیں کرتا۔" راج کماری ذرا خاموش رہی پھر رکھ رکھاؤ سے بولی:

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"تم لوگوں میں بیاہ شادی کا کیا طریقہ ہے اچھی راج کماری؟"

"راجپوت راجاؤں کی لڑکیاں سوئمبر کی رسم ادا کرتی ہیں۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ بڑے چھوٹے راج کمار ایک تاریخ میں جمع ہوتے ہیں اور صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں پھر راج کماری ان کو دیکھتی ہے اور جو سردار اس کو پسند آجاتا ہے اس کے گلے میں پھولوں کی مالا ڈال دیتی ہے۔"

"یہ تو بڑا شائستہ و آزادانہ طریقہ ہے لیکن کیا اس میں صرف راج کماری اور رئیس زادے ہی حصہ لے سکتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"میرا مقصد یہ تھا کہ کیا میں تمھارے سوئمبر میں شریک ہو سکتا ہوں؟" احتشام نے پوچھا۔

"تم!" راج کماری کے منہ سے نکلا۔ اس کے بعد چپ ہو گئی۔ نا معلوم اسے کیا کہنا تھا۔ جب اس نے خاموشی کی وضاحت نہیں کی تو احتشام نے مسکرا کر کہا:

"تم صرف میری خاطر رکھنے کی غرض سے جواب چبا گئیں۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ میں اختلاف مذہب و نسل کی بنا پر اس مبارک رسم میں حصہ کا مستحق نہیں ہوں۔"

"پھر کبھی دوں گی اس کا جواب۔" راج کماری نے کہا اور جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا گھیردار ریشمی اور خوبصورت لہنگا باندازِ رقص پھیل گیا اور اس کی بے شمار کلیوں کی وجہ سے اس کی پتلی کمر اور سینہ نمایاں تر نظر آنے لگا۔ احتشام نے فرطِ احترام سے آنکھیں جھکا لیں اور جب وہ چلی گئی تو در و دیوار کو وحشیانہ تکنے لگا۔

۳۹

احتشام، راج کماری کی محبت میں گرفتار ہونے سے بال بال بچ گیا۔ وہ پہلے تو اس کی جانب جھکنے لگا تھا۔ کیونکہ حادثے نے آج تک اس کی محبت کی صریح حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔

وہ محسوس کرتا تھا کہ جب کبھی اس کی ملاقات عادلہ سے ہوئی وہ کچھ ایسی خود کو لیے دیئے رہی، گویا اپنی ذات کو احتشام سے بلند سمجھتی ہے۔ اس کی حکمت سے احتشام کی تمناؤں پر کہر چھانے لگی تھی یہاں تک کہ ٹھنڈی کی ایک چاندنی رات میں وہ اس کو کل کہہ گئی تھی اور یہ کہہ گئی تھی کہ پنی بے تابی محبت کا درماں طلب کرنا ہے تو بادشاہ سلامت سے رجوع کرے۔

بس اس کا ایک یہ فقرہ اُسے تھامے ہوئے تھا اور اسی نے حسین راج کماری کی ناز آفرینیوں کا اس پر زیادہ غلبہ نہیں ہونے دیا تھا۔ پھر ایک چیز یہ بھی تو تھی کہ راج کماری سے کس توقع پر وہ محبت کر سکتا تھا۔ جب سے یہ کرخت حقیقت اس پر منکشف ہوئی تھی کہ ہندوستان کے اونچی ذات کے لوگ مسلمانوں کو اچھوت سمجھتے ہیں اور ان سے میل جول رسم ورواج و راہ بڑھانا تو کجا اُن کے ساتھ کھانا کھانے تک کے روادار نہیں۔ اس وسیع خلیج کی موجودگی میں راج کماری سے اتصال کی توقع رکھنا خود کو احمق بنانا تھا۔

راج کماری کے سامنے بھی یہی بے رحم حقیقت تھی۔ ہر چند اپنے خیال میں وہ اس اجنبی مسلمان کو چاہنے لگی تھی مگر اس چاہت کا شعلہ براہ راست اس کے دل سے نہیں اٹھتا تھا بلکہ کچھ اس پر یہ عجوبیت طاری تھی کہ احتشام مسلمان تھا۔ فاتح پارٹی سے متعلق تھا اور عجیب حادثہ میں اس کے ہاتھ پڑ گیا تھا اور کچھ اس کے اب تک کے خواہاں راج کمار اسے پسند نہ تھے۔

مگر پھر بھی راج کماری احتشام سے ملنے میں دلچسپی محسوس کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ یہ سلسلہ جس قدر ممکن ہو طویل ہو جائے۔ اب تک چار دفعہ اس کے پاس آ چکی تھی۔ پانچویں بار وہ جمعرات کو آئی اور پروگرام کے مطابق جمعہ کو اتمش راجہ کے ہاں مدعو تھا۔ اس سلسلہ میں احتشام کو بھی آزاد ہو کر اپنے ولی نعمت کے پاس چلا جانا تھا مگر راج کماری چاہتی تھی کہ اس دعوت کے بعد بھی احتشام یہیں رہے تاکہ وہ اس سے رات کو فرصت میں اطمینان سے آ کر ملتی رہے۔ یہ ایک عجوبیت کی پیدا کردہ یا تو دلچسپی تھی یا اس کی تمنا تھی کہ احتشام اپنوں

سے علیحدہ ہی رہے تو اچھا ہے۔

"شام تم نے مجھ سے کیوں پوچھا تھا کہ آیا تم میرے سوئمبر میں شریک ہو سکتے ہو؟" راج کماری نے دریافت کیا۔

"یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا تم مسلمانوں سے نفرت تو نہیں کرتیں۔" احتشام نے جواب دیا۔

"میں سوچتی ہوں کہ اگر تم بھی راج کماروں کی صف میں آ کھڑے ہو اور میں تمھارے پاس سے گزروں تو معلوم نہیں میں تمھارے گلے میں جے مالا ڈال سکوں گی یا نہیں۔"

"تم نہیں ڈال سکو گی۔ جو تمھاری روایات اور دھرم ہے اس کی رو سے تمھیں یہی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو چھوت سمجھو۔ اس صورت میں نہ تو میں تمھارے ہاتھ کا خواہاں ہو سکتا ہوں اور نہ تم میری ہو سکو گی۔" احتشام نے کہا۔ راج کماری اس چیز سے واقف تھی مگر محض دل بستگی کی بنا پر اس سے یہ سوال کر رہی تھی۔

"اچھا اگر تمھاری شہزادی تمھیں پسند کر لے تو کیا تمھاری اس سے شادی ہو سکتی ہے۔"

"تمھارے اس سوال کا جواب شاید میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ ہم مسلمان سب آپس میں برابر ہیں۔ اگر ہماری شہزادی مجھے قبول کر لیں تو میری شادی ان سے ہو سکتی ہے کیونکہ ہمارے ہاں ذات پات، اونچ نیچ نہیں مگر میری شادی شہزادی سے نہیں ہو گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ شہزادی رضیہ ایک ایسی لڑکی ہے جو محبت اور پیار سے بہت دور ہے۔ اب تک کوئی اس کے دل کو فتح نہیں کر سکا۔ وہ چاہت اور محبت سے بھاگتی ہے۔ اسے ملکی معاملات اور غریبوں کی بھلائی اور دھیان سے فرصت نہیں۔"

"پھر تم سے کس لڑکی کو محبت ہے؟"

"شاید کسی کو نہیں۔" احتشام نے مایوسانہ کہا۔ کیونکہ عادلہ کا دل اس کے نزدیک بدستور بند تھا۔

"اچھا تو تمھیں ہے کسی لڑکی سے محبت؟"

"مجھے؟" احتشام نے آہستہ سے کہا اور چپ ہو گیا۔ یہاں وہ انکار نہیں کر سکتا تھا مگر اقرار کر کے اپنی محبت کو برملا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے خاموشی میں پناہ لینا ہی بہتر معلوم ہوا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ میں اب یہاں کب تک نظر بند رہوں گا؟" آخر اس نے بات کا پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"بس تمھارا بادشاہ ہمارے ہاں آیا اور میں نے تمھیں آزاد کیا۔" راج کماری نے جواب دیا۔ آج وہ پہلے کے مقابلے میں جذبات سے کم مغلوب نظر آ رہی تھی۔ ممکن ہے اسے چار پانچ روز کے غور و خوض کے بعد احساس ہونے لگا ہو کہ اس کی اور احتشام کی محبت کا انجام ناکام بنا دیا جائے گا مگر پھر بھی وہ جب احتشام سے ملتی تو اپنے دل کو مسرت سے معمور پاتی تھی۔

دوسرے روز جمعہ کو آخر مہاراجہ الحقین التمش کے پاس پہنچا اور اس سے درخواست کی کہ برائے چندے راجدھانی میں قیام کر کے اس کی عزت افزائی فرمائے۔ التمش نے بطیب خاطر اپنے دوست کی دعوت قبول کی اور معہ رضیہ، عادلہ اور دیگر سرداروں کے الحقین آ گیا۔ جہاں اس کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ محل کو تو پہلے ہی دلہن کی طرح سجا دیا گیا۔ شہر کو بھی بہت آراستہ و پیراستہ کیا گیا۔

شب کو بڑے اہتمام سے دعوت ہوئی۔ التمش کی خواہش پر بکرے وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ذبح کرا لیے گئے تھے۔ مسلمانوں کے اس پرہیز سے راجہ بھی حیران ہوا تھا

جس طرح راج کماری کا پیش کیا ہوا گوشت کھانے سے احتشام نے انکار کر کے اس کو جتلائے حیرت کیا تھا اب راج کماری کو یقین کر لینا پڑا کہ تمام مسلمانوں کا ایک ہی مسلک ہے۔

راج کماری رضیہ و عادلہ کو بھی حیرت سے دیکھ رہی تھی اور اسے تعجب تھا کہ ترکوں میں بھی اتنی حسین عورتیں ہوتی ہیں۔ عادلہ کو رضیہ سے بالکل متصل دیکھ کر وہ سمجھی تھی کہ وہ رضیہ کی چھوٹی بہن ہے۔ اگرچہ دونوں کی شکلیں نہیں ملتی تھیں مگر دونوں بلا کی حسین تھیں۔

آج راج کماری کو اپنے محبوب کے پاس پہنچنا دشوار نظر آ رہا تھا مگر اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ خواہ رات کو کسی وقت اس دعوت کے اہتمام سے فرصت ملے وہ احتشام کے پاس پہنچے گی ضرور کیونکہ اس نایاب ملاقات کے ختم ہو جانے کا زمانہ بالکل قریب آ گیا تھا۔

احتشام کی مفقود الخبری کا عادلہ کو بڑا رنج تھا۔ اس نے سب جگہ اسے تلاش کیا مگر جب کوئی پتہ نہ چلا تو افسوس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ جنگ میں کام آ گیا اور عام مُردوں کی طرح کہیں دفن کر دیا گیا۔ عادلہ کے جذبات کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا کیونکہ وہ افسردہ و خاموش تھی۔ ایک تو شرم و حیا کی وجہ سے اس کے متعلق کسی سے دریافت نہیں کر سکتی تھی دوسرے بادشاہ کے لحاظ سے چپ تھی۔ ایک دو بار رضیہ سے البتہ اس نے اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا مگر وہ کیا اس کی مدد کر سکتی تھی۔

لیکن عادلہ کے مغموم دل کو کسی طرح قرار نہ تھا۔ کئی قیاسات کے ساتھ اُسے ایک اندیشہ یہ بھی گزرا تھا کہ کہیں احتشام کسی انتقام پسند جماعت کے ہاتھ نہ پڑ گیا ہو۔ جس نے اس کو مار ڈالا یا کہیں لے جا کر قید کر دیا ہو۔ بہر حال اس نے دوسرے ہی روز سے ایک موہوم اُمید میں اس کی ٹوہ شروع کر دی تھی مگر سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ایک تو وہ عورت تھی، دوسرے اس اجنبی مقام سے بالکل ناواقف تھی۔ تاہم اس نے اپنی تلاش کے خفیہ سلسلہ کو جاری رکھا اور اس کا ذکر رضیہ سے بھی نہیں کیا۔

دو روز کے سراغ کا نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ ان دو تین دن میں راج کماری نے رضیہ و عادلہ کا تعارف محل کی اور رئیس زادیوں سے بھی کرایا اور ان کو قابل دید مقامات کی از راہِ میزبانی خوب سیر کرائی۔

"آپ کو چوسر تو خوب آتی ہوگی شہزادی؟" ایک رئیس زادی نے رضیہ سے دریافت کیا۔

"بہت معمولی سی۔" رضیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہماری راج کماری تو بڑی مشاق ہیں۔"

"آج رات کو بازی جمائیں، کیوں راج کماری؟" ایک سہیلی نے کہا۔

"اگر شہزادی بھی شریک ہوں۔" راج کماری نے کہا۔

"میں ضرور شریک ہوں گی۔ کم از کم آپ لوگوں سے کھیل ہی سیکھ لوں گی۔" رضیہ نے کہا۔ غرض رات کو طلائی چوکی پر ہاتھی دانت کی چوسر جمائی گئی، رضیہ کو خاص کھیلنا آتا تھا چنانچہ انہماک سے کھیل میں مصروف ہو گئی لیکن راج کماری کو دفعتاً احتشام کا خیال آیا کیونکہ وہ گزشتہ شب کو بھی اس کے پاس نہ جا سکی۔ چنانچہ کھیلتے کھیلتے دفعتاً کوئی عذر کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

رضیہ کی بازی چڑھی ہوئی تھی اس لیے وہ کھیلے گئی لیکن عادلہ راج کماری کے اچانک اُٹھ کھڑے ہونے پر قدرے متحیر ہوئی اور جب اس نے دیکھا کہ وہ محل کے باہر کی طرف کا رُخ کر رہی ہے تو خواہ مخواہ اُسے ٹوہ لگ گئی۔ چنانچہ چند منٹ بعد وہ بھی چپکے سے اُٹھی اور اسی طرف روانہ ہوئی جس طرف راج کماری گئی تھی۔

شاہی مہمانوں کے آجانے کی وجہ سے اب راج کماری گھوڑے پر سوار ہو کر احتشام کی طرف نہیں جاتی تھی۔ مبادا کسی کی نظر میں آجائے، پیدل ہی چل دیتی تھی۔ عادلہ جو محل سے نکل کر کھلے صحن میں پہنچی تو راج کماری غائب تھی۔ ابھی حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ ذرا فاصلہ پر اسے راج کماری نما کوئی عورت جاتی ہوئی نظر آئی۔ چونکہ اس عورت کے چلنے کا انداز کچھ ایسا تھا گویا پوشیدہ طور پر کہیں جا رہی ہے۔ اس سے عادلہ کا تحیر اور بڑھا اور

وہ بھی چھپتی چھپاتی اس کے پیچھے بلا ارادہ روانہ ہوئی۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد عادلہ کو خیال آیا ممکن ہے یہ عورت محل کی خدمت گاروں میں سے کوئی ہو جو کام سے فرصت پا کر اپنے مکان کی طرف جا رہی ہو لیکن وہ اس قدر پُراسرار طریقے سے کیوں چھپتی چھپاتی چل رہی تھی۔ اس چیز سے اس کا شبہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ابھی انھوں نے محل کی سرحد ختم ہی کی ہو گی کہ سامنے سے پہرے دار آتے ہوئے نظر آئے، جن کو دیکھ کر وہ عورت جلدی سے چھپ گئی۔ عادلہ نے فوراً اس کی تقلید کی اب تو اس کو یقین سا ہونے لگا کہ یہ کوئی پُراسرار عورت ہے۔

اسی طرح چلتے چلتے پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ یہاں تک کہ وہ کھنڈر محل آ گیا جس کو دیکھ کر عادلہ کے دل پر ہیبت سی طاری ہونے لگی اور پریشانی بھی لاحق ہوئی کہ نامعلوم یہ کون عورت ہے، کیوں کھنڈرات میں جا رہی ہے۔ کاش میں نے احتیاطاً کوئی ہتھیار ساتھ لے لیا ہوتا۔ عادلہ نے دل میں کہا۔ اب آ گئی تھی تو بھید کی انتہا تک پہنچ جانا چاہتی تھی۔ آخر وہ عورت کھنڈر میں پہنچ کر ایک کوٹھری کی طرف مڑی اور اس میں داخل ہو گئی۔ عادلہ بھی چپکے چپکے کوٹھری تک جا پہنچی، اور احتیاط کے تقاضا پر باہر چھپ کر کھڑی ہو گئی۔

۴۰

عادلہ کئی منٹ تک باہر کھڑی رہی۔ اس کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ کوٹھری میں داخل ہو جائے۔ نامعلوم یہ کون ہے۔ کیوں اتنی دُور کا سفر کر کے یہاں آئی ہے۔ کس کے پاس، کیا کرنے آئی ہے۔ کئی سوالات اس کے دماغ میں گشت کر رہے تھے۔ جب کچھ وقفہ کے بعد اس کے کانوں میں باتیں کرنے کی آواز آنے لگی تو اس نے غور سے سننا شروع کر دیا مگر باہر ہوا تیز چل رہی تھی کوئی لفظ صاف نہیں سن سکی۔ آخر اس نے ذرا جرأت سے کام لیا۔ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسکی اور تاریک ستون کی اوٹ لے کر اندر جھانکا۔

احتشام کا منہ دروازے ہی کی طرف تھا اور راج کماری دروازے کی طرف پشت کیے اس کے سامنے بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی۔ عادلہ کی نظر احتشام پر پڑی تو دفعتاً اسے پہچان نہ سکی کیونکہ اس کا وہاں ہونا اس قدر غیر متوقع تھا کہ اس کو وہاں پانے کا کوئی اس کے نزدیک امکان ہی نہ تھا مگر جب پہچان لیا تو اس کا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔ اس کے بعد بے اختیار ہو کر کوٹھری میں غڑاپ سے داخل ہوئی اور دیوانہ وار احتشام کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی:

''احتشام!'' فرطِ حیرت و مسرت سے اس کی زبان سے نکلا۔

اپنا نام اچانک کسی کی زبان سے سن کر احتشام ایک دم چونک اُٹھا اور آنکھیں پھاڑ کر انتہائی حیرت سے تیزی سے کسی آنے والے کو دیکھتا ہوا جلدی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ زرد روشنی میں جب اسے اپنی عادلہ کا نورانی چہرہ نظر آیا تو وفورِ شوق و مسرت سے دیوانہ ہو گیا اور دیوانہ وار آگے بڑھا۔

''میری عادلہ، میری روح!'' اس کے منہ سے نکلا اور عادلہ کے پھیلے ہوئے پیارے ہاتھوں کو تھام کر اسے لپک کر گلے لگا لیا۔

عادلہ پہلے احتشام سے فرطِ حجاب کی وجہ سے کھل کر بات نہیں کیا کرتی تھی مگر جب سے وہ لاپتہ ہوا تھا اور سب اس کو مُردہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے تھے تو عادلہ کا دل اس کے فراق میں رویا کرتا تھا۔ اب جو اسے یہاں صحیح و سالم پایا تو محبت نے تمام شرم و حجاب مٹا ڈالا اور وہ فرودی مسرت لیے اس کے سینے میں جذب ہو گئی۔ آہ! احتشام تم زندہ ہو۔ اللہ کا شکر ہے۔ اس کے منہ سے نکلا۔ اپنی ان ابتہاج کی گھڑیوں میں یہ بھی بھول گئی کہ کوٹھری میں وہ عورت بھی موجود ہے جس کے تعاقب میں وہ یہاں تک آئی تھی۔ یہی کیفیت احتشام کی تھی۔ راج کماری یک قلم اس کے حافظہ سے نکل گئی۔

راج کماری حیران حیران اس محبت کے سین کو دیکھ رہی تھی۔ وہ احتشام کے قوی

بازوؤں میں چھپی ہوئی عادلہ کو پہچان نہ سکی تھی کہ یہ وہی ماہر لڑکی ہے جس کو ابھی ابھی وہ رضیہ کے پاس محل میں چھوڑ کر چلی تھی۔

"ہاں میری جان۔ ہاں پیاری پیاری عادلہ۔ آج سے میں لافانی انسان ہو گیا۔" اس نے عادلہ کو انتہائی جوشِ محبت میں اور قریب تر کرتے ہوئے کہا۔

یہ مسرت و دیوانگی کے لمحات کچھ اس قدر جم کر رہ گئے تھے کہ دونوں تمام کائنات سے غافل ہو گئے۔ آخر آہستہ آہستہ پہلے عادلہ ہی بیدار ہوئی اور بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے اسے اس عورت کی موجودگی کا خیال آیا جس کے تعاقب میں یہاں آئی تھی۔ آخر بادل نخواستہ احتشام کے سینے سے جدا ہوئی اور اس نے مڑ کر راج کماری کی طرف دیکھا اور اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

"راج کماری! آپ یہاں!!" فرطِ استعجاب سے اس کے منہ سے نکلا۔

"اور شہزادی تم یہاں!!" راج کماری نے بھی دریائے تحیر سے نکل کر کہا۔

"لیکن لیکن آپ یہاں کیسے آ گئیں۔ کیا کرنے آئی ہیں؟" عادلہ نے پوچھا۔ حیرت سے اس کی دلکش آنکھیں اب تک کشادہ تھیں۔ اس وقت وہ اپنے امتیازی شاہانہ لباس، حُسن و جوانی اور احتشام کو پالینے کی مسرت سے اور زیادہ حسین نظر آ رہی تھی اور اس کے حُسن کو راج کماری بھی بنظر پسندیدگی دیکھ رہی تھی حالانکہ خود بھی حسین ساحرہ تھی۔

"یہی سوال میری زبان پر مچل رہا ہے۔" راج کماری نے مسکرا کر کہا۔ اس پر پہلے تو رشک کا بڑا شدید حملہ ہوا تھا مگر اس بے محابا محبت کے رقت خیز سین نے اسے جلد کم کر دیا تھا۔

"ہم.... میرا مطلب یہ ہے کہ احتشام اور ہم تو ایک مدت سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"کیا تم دونوں پریمی ہو؟" راج کماری نے کہا۔ اس سوال کے جواب میں اب

عادلہ شرما کر خاموش ہو گئی۔ احتشام نے لپک کر عادلہ کا ہاتھ تھام لیا اور اس کی طرف سے راج کماری کو جواب دیا۔

''ہاں راج کماری! ہم تقریباً دس سال سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔''

''دس سال سے!'' راج کماری نے انتہائی حیرت سے کہا۔ ''پھر شام تم نے اب تک ان سے شادی کیوں نہیں کی؟'' اس نے پوچھا۔

''شام؟'' عادلہ احتشام کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کیا احتشام تم نے راج کماری کو اپنا نام شام بتایا ہے؟''

''نہیں۔'' اس بار راج کماری نے احتشام کی جانب سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''ان کا نام میں نے شام رکھا ہے۔ شام کہتے ہیں پریمی کو۔ ہاں شہزادی میں بھی تمہارے احتشام سے محبت کرنے لگی تھی۔'' عادلہ نے منہ اونچا کر کے حیرت سے احتشام کی طرف دیکھا جس نے اس کی کہکشاں سی سیدھی مانگ کو چوم لیا۔ اس کے باوجود اب سے راج کماری کی طرف بڑھا اور سر نیاز جھکا کر اس کے ہاتھ کو بوسا دیا۔ راج کماری کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ کسی مرد کو آج تک اس کا اچھوتا ہاتھ چومنے کی مسرت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ احتشام کے مس نے اس کے سپاہیانہ جسم میں ایک برقی رو دوڑا دی تھی کیونکہ آخر یہ ایک عورت کا اچھوتا جسم تھا۔

''اچھا! تم بھی راج کماری ان سے محبت کرنے لگی تھیں؟'' آخر عادلہ نے حیرت سے کہا۔

''ہاں کیونکہ انھوں نے اس لمحہ سے پہلے تک مجھ سے اپنی محبت چھپائے رکھی۔ ہر چند میں کچھ روز سے اپنی محبت میں جل کر ٹھنڈی ہوتی جا رہی تھی کیونکہ مجھے اپنی چاہت کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نظر نہیں آتا تھا کہ شام سے جدا ہو کر تمام عمر گزارنی پڑے گی۔ یہ میرے نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ یہ نہ تو راجہ ہیں نہ شہزادے۔''

"لیکن اس کے باوجود میرے ہو سکیں گے۔" عادلہ نے اپنا تفوق جتاتے ہوئے کہا۔

"بے شک تمہارے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ تم عجیب لوگ ہو۔" راج کماری نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

عادلہ کی آج پُرحلاوت باتیں سن کر احتشام خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔ کیونکہ اس کی آرام جان نے آج تک اس کے سامنے محبت کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن ایک تو چونکہ وہ مدت سے اپنے دل میں محبت ضبط کیے بیٹھی تھی، دوسرے احتشام کی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی۔ اب جو اسے زندہ وسلامت پایا تو تمام تکلف وحجاب کو بھول کر قوی تر جذبہ محبت سے مغلوب ہو کر رہ گئی تھی۔

"مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا احتشام کہ تم یہاں کیوں آکر چھپ گئے ہو۔ اپنی فوج میں آکر کیوں نہ مل گئے۔" آخر عادلہ نے احتشام سے پوچھا۔

"کیونکہ جس زمانہ میں جنگ ہو رہی تھی تو میرے سپاہیوں نے ان کو زخمی کر کے میری ہدایت کے خلاف یہاں لا کر قید کر دیا تھا۔" راج کماری نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد اپنے ستی ہونے کے ارادہ سے لے کر اپنی آج تک کی مایوس محبت کا حال اس کو سنایا۔

"شام نے مجھے ستی کی چتا سے نکال کر اپنی محبت کی آگ میں ڈال دیا تھا۔ شکر ہے کہ آپ بروقت نمودار ہو گئیں ورنہ ممکن تھا میں محبت میں دیوانی ہو کر کچھ کر گزرتی۔" اس نے پھر کہا۔

"لیکن بہن راج کماری آپ آخر احتشام سے مایوس کیوں ہوئی جا رہی ہیں۔ بے شک اُن کا تعلق شاہی خاندان سے نہیں مگر محبت کرنے والے فرق مراتب کو درمیان میں نہیں آنے دیتے۔" عادلہ نے کہا۔

"خیر خیر۔" راج کماری نے اپنے جذبات پر قابو پا کر کہا۔ پھر احتشام سے مخاطب ہوئی:

"اچھا شام اب تم اپنے بادشاہ کو اپنی غیر حاضری کے متعلق کیا بیان دو گے؟"

"اس بات میں تم مطلق پریشان نہ ہو راج کماری۔ میں کوئی بات بنا دوں گا۔ اب تم عادلہ کو لے کر جاؤ اور آرام کرو۔ میں صبح آ کر جہاں پناہ کی قدم بوسی کروں گا۔" اس کے بعد عادلہ سے بولا۔ "جانِ تمنا تم راج کماری کے کسی آدمی کے ہمراہ میرے لیے مناسب کپڑے روانہ کر دینا۔"

"نہیں میں خود آ کر تمھیں کپڑے دے جاؤں گی۔ کسی اور شخص کے علم میں نہیں آنا چاہیے کہ تم یہاں ہو۔" عادلہ نے کہا۔

"چلیں شہزادی یا اپنے شام سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا؟" راج کماری نے مسکرا کر کہا۔

"تم اپنی بھی تو کہو۔ تمھارا دل بھی تو اپنے شام کے پاس سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا ہو گا۔" عادلہ نے بھی اسی طرح مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں کو ابھی نہیں جانا چاہیے۔ میرا دل بھی تو اب تک نہیں بھرا ہے۔ عادلہ سے تو یہ غیر متوقع ملاقات ہوئی ہے لیکن میں تمھارے انتظار میں بھی آنکھیں بچھائے رہتا ہوں راج کماری۔" احتشام نے کہا۔

"ان الفاظ کی مستحق اب صرف عادلہ ہیں۔ ہمارا کیا، ہم تو چند روزہ ہیں۔" راج کماری نے افسردگی سے کہا۔ عادلہ اس کی مایوسی سے بہت متاثر ہوئی اور محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر بولی:

"جس نے تمھیں چتا کی آگ سے بچایا تھا وہ تمھیں برہا کی آگ میں گر کر مرنے نہیں دے گا۔"

"تم راج کماری کے الفاظ کا مقصد نہیں سمجھیں عادلہ۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اگلے سال ان کا سوئمبر ہونے والا ہے جس میں یہ کسی خوش قسمت راجپوت راج کمار کو اپنی زندگی کا ساتھی چنیں گی۔" احتشام نے کہا۔

"کیوں راج کماری۔" عادلہ نے مسکراتے ہوئے راج کماری سے تصدیق چاہی۔

راج کماری مسکرا کر چپ ہو گئی۔ عادلہ نے اُسے چھیڑتے ہوئے پوچھا:

"کس سردار پر اپنی حسین نظرِ عنایت ڈالو گی؟"

"تم آؤ گی میرے سوئمبر میں؟" راج کماری نے پوچھا۔

"اگر تم نے یاد کیا۔" عادلہ نے جواب دیا۔

"اور اگر تمھاری شادی شام سے ہو گئی؟"

"تو ہم دونوں ساتھ آئیں گے۔" احتشام نے کہا۔

"بلکہ اپنی شہزادی کو بھی ساتھ لائیں گے جن کو دیکھ کر تمھارے تمام عشاق دنگ رہ جائیں گے۔" عادلہ نے کہا۔

"واقعی شہزادی رضیہ بڑی ہی سندر ہیں۔" راج کماری نے کہا۔

"حالانکہ ایک حُسن دوسرے حُسن کی تعریف نہیں کیا کرتا ہے۔" احتشام نے مسکرا کر کہا۔

"اب چلیں عادلہ صاحبہ!" راج کماری نے کہا۔

"جائیں احتشام؟" عادلہ نے احتشام سے کہا۔

"خدا حافظ۔ پیار دونوں کو۔" احتشام نے مسکرا کر جواب دیا۔

۳۱

عادلہ اور احتشام کی باہمی محبت سے اچانک آگاہ ہو جانے کے بعد حسین راج کماری

بہت دیر تک اُداس اور مغموم پڑی رہی۔ دلکش محل، حسین خواب گاہ اور آرام دہ بستر سے کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ راج کماری کو آیا فی الواقعی احتشام سے محبت ہوگئی تھی یا جو پہلا خوشرو اور بہادر اجنبی مرد اپنی ہزیمت کے دوران میں اس کے سامنے آ گیا تھا اس کا تصور کسی محبوبیت کی بنا پر اس کے سادہ دل پر چھا گیا تھا۔

اِدھر عادلہ احتشام کے مل جانے کی خوشی میں دیر تک جاگتی رہی۔ غرض اس رات کو ایک ہی شخص دو حسین لڑکیوں کو جگا رہا تھا اور ان کی نیند اُڑا رہا تھا۔ عادلہ نے اب ارادہ کر لیا تھا کہ رضیہ کے ذریعہ التمش کی رضامندی حاصل کر کے جلد احتشام کی ہو جائے گی اور رکن الدین کی وجہ سے جو اس کے دل کی خوشی مدت سے روکی جاتی رہی تھی اس کا مزید خون نہیں ہونے دے گی۔

دوسرے روز علی الصباح ہی عادلہ خود کپڑے لے کر احتشام کے پاس پہنچی۔ آج چونکہ اس کوٹھری میں ان دونوں کے سوا کوئی تیسرا نفر نہ تھا اس لیے تنہائی میں عادلہ احتشام سے شرمائی جا رہی تھی۔ حالانکہ گزشتہ شب کو جس اپنی بے اختیار محبت کا وہ مظاہرہ کر چکی تھی اس کے پیش نظر اب لجانا اور تکلف کرنا سوائے نازِ محبوبانہ کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

"بہت بہت شکریہ میری روحِ ارم۔ اب میں اس لباس میں شہنشاہ کے سامنے جاتے میں نہیں شرما سکتا مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آج یہ جو صبح کا آفتاب میری کوٹھری میں طلوع ہوا ہے، شرمایا شرمایا نظر آ رہا ہے۔" احتشام نے پیار سے عادلہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"تم کتنی دیر میں آ جاؤ گے ابا حضور کے پاس؟" عادلہ نے اپنا ہاتھ رہا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، مگر احتشام نے ہاتھ نہ چھوڑا۔

"بس گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا میں۔" احتشام نے جواب دیا۔

"بہانہ کیا کرو گے اپنی اتنے دن کی غیر حاضری کا۔ ایسا نہ کرنا کہ بے چاری راج کماری

کا بھید ظاہر کر دو اور اس کی شخصیت بہت نازک ہو جائے گی۔"

"نہیں، یہ بات بتا دوں گا کہ راجہ کے چند باغی سپاہیوں نے مجھے کہیں لے جا کر قید کر دیا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے آج موقع پا کر وہاں سے نکل بھاگا۔"

"اگر راجہ نے تم سے دریافت کیا کہ وہ کون سپاہی ہیں؟"

"تو کہہ دوں گا کہ وہ لوگ جنگل میں رہتے ہیں اور راجہ سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں اپنی پیاری راج کماری کی خاطر سفید جھوٹ نہ بولو گے۔" عادلہ نے کہا۔

"اور اپنی عزیز از جان عادلہ کی خاطر بھی۔ کیونکہ میری گمشدگی کے بعد دریافت تو مجھے اسی نے کیا ہے۔"

"احتشام بے چاری راج کماری کی محبت کا انجام آخر اندوہ ناک ہی کیوں ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ابا حضور درمیان میں پڑ کر راجہ سے درخواست کریں اور راج کماری کا تم سے نکاح کرا دیں۔"

"سبحان اللہ! اور خود نکل بھاگنا چاہتی ہو۔ جس کو اپنا دائمی بنانے کی آرزو میں دس سال سے میں مرا جا رہا ہوں، پہلے اس کے لیے تو کوشاں نہ ہوں بلکہ درمیان میں ناگاہ کود پڑنے والی راج کماری کو اپنا لوں۔ اس کے علاوہ میری جان تمھیں معلوم نہیں کہ راج کماری کا اور میرا اتصال ناممکن ہے۔ راجپوت ایک محتاط و غیور قوم ہے وہ غیر قوم کو اپنی شاہی خاندان کی لڑکی سپرد کرنا گوارا نہیں کرے گی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تمھیں راج کماری سے بھی محبت ہے؟"

"خدا کا شکر ہے کہ تم نے لفظ بھی کو درمیان میں لیتے ہوئے سوال کیا ہے۔ یعنی تم کو تو میں پوجتا ہی ہوں۔ اگر وہ میری روح پر اس قدر شدت سے چھائی ہوئی نہ ہوتیں تو بعید نہ تھا کہ میں حسین راج کماری کی تیکھی چتون کا گھائل نہ ہو جاتا۔" احتشام نے عادلہ کو بازو

میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"حضور ابا جان تمھیں زندہ سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوں گے اور شہزادی باجی بھی۔ کیونکہ تم ان کی فوج کے لیے ناگزیر بن چکے ہو۔"

"ہاں۔ ایک صرف اپنی عادلہ ہی کے لیے بدقسمتی سے اب تک ناگزیر نہیں بن سکا کیونکہ اس کے لیے ابھی شہزادہ رکن الدین موجود ہے۔"

"اس کا میں کیا علاج کر سکتی ہوں۔" عادلہ نے پُرحجاب شوخی سے جواب دیا۔

"تم کیوں علاج کرنے لگیں۔ تمھارا کام تو بیمار کر ڈالنا ہے۔"

"اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ تم جلدی آنا۔" عادلہ نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی مگر احتشام نے اُسے پھر بٹھا لیا۔

"ابھی نہ جاؤ۔ خدا خدا کر کے تو تم ذرا مہربان ہوئی ہو۔ جب میں اپنی جگہ پر جا پہنچوں گا تو پھر وہی سرد مہر و کم التفات عادلہ بن جاؤ گی اور میں وہی حسرت نصیب انسان۔ جی چاہتا ہے کہ تمھیں کہیں لے کر نکل جاؤں تا کہ تم شہزادی کی زندگی سے علیحدہ ہو جانے کے بعد میری محبت کو محسوس کر سکو۔"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ ایک شہزادی محبت سے بالکل مبرا ہو جاتی ہے۔"

"اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ مثال میں اپنی شہزادی رضیہ موجود ہیں۔"

"یہ تمھارا خیال ہے ورنہ باجی تو ہمہ محبت ہیں۔"

"بے شک وہ مخلوقِ خدا سے محبت کرتی ہیں مگر ایک عورت کی حیثیت سے کسی مرد کو چاہنے سے مبرا ہیں۔"

"یہ تمھارا خیال بھی درست نہیں۔ ایک ایسا شوریدہ سر انسان پیدا ہو چکا ہے۔" عادلہ نے مسکرا کر کہا۔

"واللہ! یہ میرے لیے حیرت انگیز انکشاف ہے۔ کیا شہزادی کو ہے کسی خوش بخت کا

خیال؟"

"اس کا اقرار ابھی میں بھی نہیں کر سکتی مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ایک مشتاق شہادت انسان انھیں عرصہ سے خاموشی کے ساتھ پوجے جا رہا ہے۔ بعید نہیں کہ اس کی خاموش پرستش آیندہ کامیاب نہ ہو جائے۔"

"یہ اس شخص کی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ آخر وہ ہے کون؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گی۔ اچھا اب مجھے جانے دو۔" اس بار احتشام نے اسے نہیں روکا کیونکہ اس کو کافی دیر ہو گئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ چومے اور رخصت کیا۔

عادلہ جب محل میں پہنچی تو رضیہ اس کا انتظار کر رہی تھی اور اس کے پاس راج کماری بھی موجود تھی۔ عادلہ کو دیکھتے ہی رضیہ نے اس کی خوب خبر لی کہ صبح ہی صبح کہاں غائب ہو گئی تھی۔ عادلہ نے فوراً بات بنادی کہ ذرا ہوا خوری کو نکل گئی تھی۔ راج کماری مسکرانے لگی۔ اسے اس کی ہوا خوری کا راز معلوم تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد احتشام بھی آ پہنچا۔ التمش اور راجہ اس وقت ایک ہی سنگھاسن پر بیٹھے تھے۔ دربار لگا ہوا تھا۔ ایک طرف راجپوت سردار جمے ہوئے تھے، دوسری طرف ترک ڈٹے ہوئے تھے۔ راجہ اور التمش اپنی دوستانہ باتوں میں محو تھے کہ کسی شخص کی باریابی کی درخواست آئی۔

اجازت ملنے پر جونہی احتشام داخل ہوا، التمش اس کو دیکھ کر فرط مسرت سے پھولا نہ سمایا۔ احتشام آداب بجالایا اور ایک طرف ادب سے کھڑا ہو گیا۔ رضیہ کو اطلاع پہنچی کہ احتشام صحیح وسلامت ہے اور ابھی ابھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ چنانچہ وہ بھی آ گئی اور اس کے پیچھے پیچھے عادلہ اور راج کماری۔

بادشاہ نے اس کی غیر حاضری کے متعلق سوالات کیے جن کے جوابات میں پہلے تو وہ جھجکا کیونکہ التمش کے آگے جھوٹ بولنا مشکل تھا مگر چونکہ اس میں راج کماری اور خود عادلہ کی پوزیشن بھی بگڑی ہوئی تھی اس لیے سلیقہ سے بات بنادی۔ عادلہ نے چپکے سے نظر اٹھا کر

راج کماری کی طرف دیکھا تاکہ اس کے چہرہ کے تاثرات پڑھ سکے مگر وہ نیچی نگاہیں کیے اپنے والد کے پاس بیٹھی رہی۔

''اب تو سلطان آپ کے چلے جانے کے بعد آپ کے درشن کی کیا امید ہو سکتی ہے۔'' راجہ نے التتمش سے کہا۔

''کیوں نہیں۔ اگر آپ نے ہمیں اپنی بچّی کی شادی میں یاد کیا تو ضرور آئیں گے۔'' التتمش نے جواب دیا۔

''اور کیا آپ ہمیں شہزادی کی شادی میں نہیں بلائیں گے؟'' راج کماری نے سلطان سے کہا۔

''ضرور! مگر ہمارا خیال ہے کہ شہزادی کی شادی ہماری زندگی میں شاید ہو۔ ایک تو اسے مہمات سے فرصت نہیں۔ دوسرے اس کی شان کا کوئی لڑکا اب تک ہماری نظر میں نہیں ہے۔''

''اچھا اور شہزادی عادلہ کی؟'' راج کماری نے مسکرا کر دریافت کیا۔ تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ آیا احتشام اور عادلہ کے معاملات محبت سلطان کے علم میں بھی ہیں یا نہیں۔ اس سوال کا جواب سلطان فی الفور نہ دے سکا کیونکہ عادلہ کے معاملے کو وہ اب تک سلجھا نہ سکا تھا۔

''عادلہ کی شادی میں شرکت کے لیے میں خود تمھیں لینے آؤں گی۔'' رضیہ نے جواب دیا۔

''کس سے ہو گی ان کی شادی؟'' راج کماری نے مسکرا کر عادلہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عادلہ شرمانے لگی اور راج کماری کے اس بے باکانہ سوال پر دل میں اس پر خفا ہونے لگی۔

''جس کو یہ پسند کریں گی۔'' رضیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اور اگر انھوں نے بھی آپ کی طرح کسی کو پسند نہ کیا؟'' راج کماری نے اسی طرح

مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں پسند کریں گی، سلطان کے شہزادے موجود ہیں۔" راجہ نے کہا۔

"کیوں بیٹی کیا ہم تمہارے سوئمبر میں حصہ لینے کے لیے اپنے کسی لڑکے کو روانہ کر سکتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ تجھ جیسی جمیل، بہادر اور اعلیٰ نسب کی لڑکی کو اپنی بہو بناؤں۔ اس سے ہمارا تمہارا رشتہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مضبوط ہو جائے گا۔" سلطان نے مسکرا کر راج کماری سے دریافت کیا۔ جس کے عارض گلگوں پر حیا کا رنگ دوڑ گیا اور وہ اپنے باپ کے شانے کے پیچھے چھپ گئی۔

"بولو نا راج کماری۔ اب اپنی باری آئی تو شرمانے لگیں۔" عادلہ نے اسے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

"اگر بھگوان نے مجھے کوئی لڑکا دیا ہوتا تو میں اس کے اور تیرے سنگم کے لیے سلطان سے درخواست کرتا بیٹی۔ تو بھی کتنی سندر اور بہادر ہے۔" راجہ نے عادلہ سے کہا۔ عادلہ پھر شرم کی پڑیا بن گئی۔

"مگر راجہ صاحب عادلہ کی تو شادی تقریباً طے ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"اب تک مشہور یہ تھا کہ چتوڑ کی راج کماری دنیا میں سب سے خوبصورت لڑکی ہے مگر شہزادی کو دیکھنے کے بعد مجھے اور میرے تمام سرداروں کو اپنا خیال بدل ڈالنا پڑا۔ مجھ عمر رسیدہ آدمی تک کی نگاہیں شہزادی کے حُسن سے چندھیانے لگی ہیں۔" راجہ نے کہا۔ راج کماری اور عادلہ کی طرح ان کلمات سے رضیہ پر شرم طاری نہیں ہوئی کیونکہ اسے اپنے جمال کا پورا احساس تھا۔ بس مسکرا کر رہ گئی۔ راج کماری اس کے پاس کھسک کر آئی اور چپکے سے بولی:

"اگر آپ کا سوئمبر ہوتا تو میں مردانہ بھیس بدل کر آپ کو جیتنے اس میں شریک ضرور ہوتی۔"

"تو پھر میں تمہارے ہی گلے میں مالا ڈالتی۔" رضیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

۴۲

التمش اجین میں راجہ کے اصرار سے تقریباً دو ماہ تک اس کا مہمان رہا۔ اس سے دونوں حکمرانوں کے تعلقات بہت مضبوط ہو گئے۔ راج کماری چاہتی تھی کہ اس کے قیام کو زیادہ سے زیادہ طول ہو۔ اس طرح جب تک احتشام آنکھوں کے سامنے رہے اچھا ہے۔ ہر چند عادلہ و احتشام کے معاملۂ محبت سے آگاہ ہونے کے بعد اس کی جیسی کچھ مضمحل تمنائیں تھیں وہ ختم ہو چکی تھیں مگر پھر بھی وہ اس کا پسندیدہ انسان تھا اور اس کے قرب سے اس کو سرور حاصل ہوتا تھا۔

آخر دو ماہ بعد سلطان کی سواری یہاں سے رخصت ہوئی۔ راجہ نے بہت سے قیمتی تحفے تحائف اس کو نذر کیے اور راج کماری نے احتشام کی جدائی کے صدمہ پر اپنے اشکوں کے بیش بہا گوہر لٹائے۔ احتشام اس سے چوری چھپے نہیں ملنا چاہتا تھا اور اس کی یہ آرزو نہ تھی کہ راج کماری کو کوئی فریب دے کر امیدوں کے سنہرے جال میں پھنسا جائے۔ غرض وہ اپنے بادشاہ کی معیت میں چپ چاپ روانہ ہوا۔

یہاں سے التمش سیدھا دہلی پہنچا۔ وہاں تین ماہ قیام کیا۔ کیونکہ پایۂ تخت میں بادشاہ کی موجودگی ضروری تھی اس کے بعد اپنے مفتوحہ بنگال کی طرف رُخ کیا۔ بنگال کے حالات سے وہ دراصل مطمئن نہ تھا۔ وہاں کسی دبنگ اور قوی وائسرائے کی ضرورت تھی جو اس وسیع صوبے کو سنبھالے رہے مگر اپنے ہاں اسے کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ ایک التونیہ پر بار بار نظر جاتی تھی مگر اسے رنتھمبور میں مامور کر دیا گیا تھا، جو وسط راجپوتانہ میں ہونے کی وجہ سے اہم مقام تھا۔

التمش ابھی بنگال پہنچا ہی تھا کہ اسے التونیہ کا ایک مراسلہ موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا

کہ اس کوشش میں مصروف ہوں کہ رتھمبور سے دہلی تک شاہی چوکیات کا انتظام کر دیا جائے تا کہ راجپوتانہ کی تمام خبریں جلد جلد پایہ تخت تک پہنچ سکیں لیکن میرے پاس اتنی فوج نہیں ہے۔ اگرچہ میں نے مقامی طور پر کچھ بھرتی کی ہے مگر وہ ناکافی ہے۔ وجہ یہ کہ یہاں سے میں نے بھٹنڈے تک بھی کسی قدر راستہ صاف کرایا ہے۔ ایک سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ آس پاس کے چھوٹے چھوٹے راجہ رات دن تنگ کرتے رہتے ہیں۔ ہر چند میں نے ان کا زور توڑ دیا ہے پھر بھی موقع ہاتھ آ جانے پر وہ ایذا رسانی سے باز نہیں آتے۔ اس لیے مناسب سمجھیں تو خود بدولت یا کسی اور کو تھوڑی سی کمک کے ساتھ روانہ فرما دیں۔

التمش نے التونیہ کی اس تحریر سے کلیتاً اتفاق کیا اور اس کے کارناموں کو سراہا۔ آخر جواب میں لکھا بھیجا کہ تمھاری تجاویز زیر غور ہیں اور ہم بہت جلد تمھارے حسب خواہش انتظام کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد خود رتھمبور جانے کی سوچنے لگا مگر چند روز بعد ایسے واقعات پیدا ہو گئے کہ وہ اپنے ارادے کو بروئے کار نہ لا سکا مگر کمک روانہ کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا تھوڑی سی فوج روانہ کر دی جس کے ساتھ رضیہ، عادل اور نظام الدین کو بھی روانہ کر دیا گیا۔

جب راجپوتانہ کی سرحد قریب آنے لگی تو رضیہ کو یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر التونیہ نے شاہی فوج کی چوکیاں قائم کر دیں۔ ان چوکیوں کا سلسلہ دہلی تک چلا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے راہ میں پڑنے والی کسی مقامی ریاست کو سر اٹھانے کی جرأت نہ رہی تھی لیکن رضیہ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ چوکیات کا دوسرا سلسلہ بھٹنڈے کی طرف بھی مڑ گیا تھا۔ بھٹنڈا التونیہ کی جاگیر تھی جس کو التمش نے عطا کیا تھا۔ آخر بھٹنڈے کو مضبوط کرنے میں التونیہ کی کیا مصلحت تھی۔ کیا وہ چپکے چپکے اپنی طاقت بڑھا رہا ہے تا کہ اگر سلطنت غلاماں کبھی ضعیف ہو جائے تو وہ خود مختاری کا اعلان کر کے بھٹنڈے میں اپنی ایک علیحدہ سلطنت قائم کر لے۔

یہ رضیہ کے ذہن کی رسائی تھی کہ اس دوررس نتیجہ تک جا پہنچی مگر پھر وہ اپنے اس شبہ میں ضعیف ہونے لگی کیونکہ التونیہ اب تک سلطنت کا قابل اعتماد سردار ثابت ہوتا رہا تھا۔ اس نے التمش کے لیے ایسے ایسے معرکہ سر کیے تھے کہ کوئی جرنیل اس قدر خوبی سے ان میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ ممکن ہے یہ نئی چوکیاں التونیہ نے انتظام کی خاطر قائم کی ہوں۔ یہ رضیہ کا دوسرا خیال تھا۔

التونیہ اس کمک سے بہت خوش ہوا اور جب اسے معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ سلطنت کی شہزادی اس کے دل کی ملکہ بھی ہے تو اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ رضیہ کی زیارت کو اس کی آنکھیں ترس رہی تھیں۔ اب ایک زمانہ بعد وہ رشکِ قمر چہرہ نظر آیا تو اس کی روح آنکھوں میں جمع ہو کر رضیہ پر نثار ہونے لگی۔

شہزادی کی پذیرائی میں اس نے اپنی پوری ہستی بچھا دی مگر یہ جلاد حسینہ عجز و نیاز سے پگھلنا جانتی ہی نہ تھی البتہ سپاہیانہ جوہر اور شجاعت کی قدر کرتی تھی۔ التونیہ اس صفت سے بھی متصف تھا اور اسی کے سہارے رضیہ کی حسین نگاہ میں جگہ پالینا چاہتا تھا مگر اس کا اکثر پنا اب بھی بدستور قائم تھا۔ فوج میں اس کے رعب کا یہ عالم تھا کہ عام سپاہی تو ایک طرف، اُس کے درجہ کے افسر تک اس سے ڈرتے تھے۔ اس کے علاوہ گرد و نواح کے تمام چھوٹے بڑے راجاؤں پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

رضیہ تمام حُسنِ انتظام کو دیکھ کر التونیہ کی قابلیت کی دل میں معترف ہوئی مگر التونیہ کے یہ نصیب کہاں کہ وہ ستم گر اس کو داد بھی دیتی۔ یوں وہ معمولی سے معمولی آدمی کی کارگزاری کو سراہ کر حوصلہ بڑھانے کی عادی تھی مگر ایک التونیہ ہی کے حُسنِ کارکردگی میں اس کی زبان بند ہو جاتی تھی۔ خدا جانے اس کا کیا راز تھا۔

''اگر شہزادی صاحبہ کو شکار کا شوق ہو تو یہ جنگل شیر سے لے کر قسم قسم کے جانوروں سے بھرا پڑا ہے۔'' ایک روز التونیہ نے شرف ہم کلامی حاصل کرنے کو رضیہ سے کہا۔ یہاں

عادل، نظام الدین اور دو تین سردار اور موجود تھے۔ اسی وجہ سے وہ اس قدر ادب سے بات کر رہا تھا۔

"میں یہاں سیر و شکار کی غرض سے نہیں آئی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ اب لہجہ میں خود بخود ناز محبوب پیدا ہو گیا تھا۔ اس کا وہ کیا علاج کرتی۔

"شہزادی باجی۔ میں نے شیر کا شکار آج تک نہیں کیا۔ اس کی حسرت ہی ہے۔ کسی روز کیجیے نا اس کا انتظام۔" عادل نے خواہش ظاہر کی۔

"شیر کا شکار آسانی سے نہیں ہوا کرتا عادل۔ اس میں بڑی کاوش کرنی پڑتی ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"چلیں گے باجی۔ مجھے بے حد شوق ہے۔" عادل نے اصرار کناں کہا۔

"اچھا کل انتظام کیا جائے۔" رضیہ نے التونیہ سے کہا۔ چنانچہ اسی روز سے وہ انتظام میں مصروف ہو گیا اور دوسرے روز شام کو سب شیر کے شکار کو روانہ ہوئے۔ آٹھ دس میل طے کرنے کے بعد رات کی سیاہی پھیل گئی اور تاریک گھنا جنگل شروع ہو گیا۔ تھوڑی دور جا کر سب کو گھوڑوں پر سے اتر جانا پڑا کیونکہ گنجان جنگل میں سے سواری پر گزرنا مشکل تھا۔

ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صرف اونچی اونچی الجھی ہوئی گھنی جھاڑیاں ہوا سے سرسرانے لگتی تھیں یا تناور درخت کبھی کبھی تیز و تند ہوا سے چرچرانے لگتے تھے۔ گویا کسی خطرے کی نشان دہی کر رہے ہوں۔ جنگلی سخت گھاس اور خود رو پودوں کی بھینی بھینی بو چو طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بے راہ سطح زمین کی اونچ نیچ، تاریکی، صحرا کی پُراسرار خاموشی بجائے خود ایسا مکمل رومان تھا کہ التونیہ کی روح اپنی ملکہ کو قریب پا کر باتیں کرنے لگی تھی۔

التونیہ نے جاں نثارانہ رضیہ کو اپنی پناہ میں لینے کی خاطر اس کے آگے آگے چلنے کی ڈیوٹی اپنے ذمے لے لی تھی۔ رضیہ کے کاندھے پر تیر و کمان تھا اور ہاتھ میں نیزہ۔ التونیہ کے پاس صرف نیزہ تھا اور اس سے چند قدم آگے چل رہا تھا۔ اس سے پیچھے فاصلہ پر عادل

اور نظام آ رہے تھے۔ ان کے پاس بھی تیر و کمان تھے۔ التونیہ نے قصداً قدم دھیمے کیے تاکہ رضیہ قریب تر آ جائے۔ پھر آہستہ سے بولا:

''آپ سیر و شکار میں کیوں دلچسپی لینے لگیں۔ آپ تو صرف مجھے شکار کرنا پسند کرتی ہیں۔'' چونکہ قریب میں کوئی نہ تھا، اس لیے اس نے اپنی وہی پرانی طرزِ گفتگو پھر اختیار کی۔ رضیہ نے کوئی جواب نہیں دیا صرف دل میں کھول کر رہ گئی۔

''بولیے نا، اب چپ کیوں ہیں۔'' التونیہ نے پھر اُسے چھیڑنے کی گستاخی کرتے ہوئے کہا۔

''خاموش رہو التونیہ۔'' آخر اس نے اس کو ڈانٹا۔

''خوب خاموش ہو! بعد مدت تو آپ کی حسین معیت حاصل ہوئی ہے، اس کے دوران میں خاموش رہنا تو کفرانِ نعمت ہے۔'' التونیہ نے کہا۔

''التونیہ تم کس سے مخاطب ہو؟'' شہزادی نے کہا۔ اس کے لہجے میں غیظ و غضب کی چنگاریاں تھیں۔

''رضیہ سے۔'' التونیہ نے سکون سے جواب دیا۔

''ہاں رضیہ سے جو ایک لفظ سے تمہارا سر تن سے جدا کر سکتی ہے۔''

''مگر نہیں کرتی۔ اس روز بھی تو آپ نے مجھے سزائے موت سنائی تھی۔ میں تو اسی دن سے آرزوئے مرگ میں مبتلا ہوں۔'' التونیہ نے مسکرا کر کہا۔ رضیہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

''شہزادی۔'' اسے خاموش پا کر التونیہ نے پھر کہا۔

''میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ خبردار میرے مواجہ میں آیندہ زبان نہ کھلے۔''

''میں آپ سے کہتا کیا ہوں۔ بات بات پر خفا کیوں ہو جاتی ہیں آخر۔''

''خاموش ہوتے ہو یا نہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم ہمارے حق میں ایلدوز اور قباچہ بنتے جا رہے ہو۔'' رضیہ نے انتہائی تلخی سے کہا۔ یہ کلمات التونیہ کے تیر کی طرح لگے۔

غضب ہے وہ تو رضیہ کی پرستش کرتا ہے اور وہ اس کو غداروں میں سے سمجھتی ہے۔ حالانکہ اس نے التمش اور اس کی حکومت کی خاطر ایسی ایسی کٹھن مہمات سر کی تھیں کہ تاریخ انھیں ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اگر نمک حلالی و جانفروشی کا یہی صلہ ہے تو اس سے بہتر ہے کہ انسان واقعی غدار بن کر بتائے۔ التونیہ کے مجروح احساسات میں یہ چیز کھٹک کر رہ گئی۔

چونکہ وہ ایک الھڑ اور سپاہی منش آدمی تھا اور اس وقت رضیہ نے عالم غیظ میں اس کو بہت نامناسب الزام کا ہدف بنایا تھا، اس وجہ سے اس کی غیرت و خودداری کو زبردست ٹھیس لگی اور تڑپ کر رہ گیا۔ اس کے دفعتاً خاموش ہو جانے سے رضیہ کو بھی اندازہ ہوا کہ غصہ میں اس نے کسی بات منہ سے نکال دی جس کا التونیہ کسی طرح مستحق نہ تھا مگر اپنے الفاظ واپس لینا شانِ شہزادگی کے خلاف تھا۔ اس لیے وہ صرف قدرے جزبز ہو کر رہ گئی، تاسف کا لفظ اس کی زبان پر نہ آیا۔

"مجھے معلوم نہ تھا کہ سلطنتِ دہلی اپنے جانثاروں کی اس طرح عزت افزائی کرتی ہے۔ خیر، لیکن یہ گوش گزار کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجھے آپ ایلدوز اور قباچہ کی طرح جلد زیر ہو جانے والا انسان نہ پائیں گی۔" آخر قدرے توقف کے بعد التونیہ نے کہا۔ اس کے یہ الفاظ رضیہ کو دھمکی کے ہم معنی معلوم ہوئے مگر چونکہ بات پہلے ہی کافی بڑھ چکی تھی اس لیے اسے رفع دفع کرنے کو بولی:

"اب مچان کتنی دور ہے۔ اس خراب راستہ پر چلتے چلتے ہمارے پیروں کو تکلیف ہونے لگی۔" ان کلمات کو سن کر جن میں نسوانی محبوبیت و نزاکت کی صدا شامل تھی، التونیہ کا غصہ فرو ہونے لگا اور وہ کوئی شاعرانہ جواب دینا چاہتا تھا کہ طبیعت کی تختی نے روک دیا۔ کیونکہ وہ ناز و نیاز میں پڑنا بہت کم جانتا تھا۔ چنانچہ صرف جواب دینے کے طور پر بولا۔

"بس اب قریب آ گئے۔ وہ جو اونچا سا درخت نظر آ رہا ہے اس پر آپ کے لیے مچان کا انتظام کر دیا گیا ہے۔"

"اچھا جانور کیا باندھا گیا ہے؟"

"بکرا۔ صدقے کے لیے غریب بکرا ہی پیدا ہوا ہے۔" التونیہ نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

چند منٹ چلنے کے بعد درخت قریب آ گیا۔ چنانچہ سیڑھی کے ذریعہ رضیہ و عادلہ کو اوپر چڑھا دیا گیا اور وہ دونوں محفوظ مچان پر جا بیٹھیں۔ ان سے ذرا فاصلہ پر دوسری مچانوں پر نظام اور اس کے ساتھی جا چڑھے مگر التونیہ نے کسی مچان کی پناہ نہیں لی۔ وہ نیچے زمین پہ کھڑا رہا۔ اسے اس طرح غیر محفوظ کھڑا پا کر چند منٹ بعد شہزادی نے عادلہ سے کہا کیا یہ شخص اسی طرح شیر کے سامنے بھی کھڑا رہے گا۔

"کیا خبر۔" عادلہ نے جواب دیا۔ رضیہ چپ ہو گئی۔ چو طرف سناٹا طاری تھا۔ صرف اجل رسیدہ بکرا اپنی خوفناک موت قریب پا کر واویلا کر رہا تھا۔ گویا شیر کو خود اپنے پاس آنے کی دعوت دے رہا تھا۔

"بڑا بھیانک جنگل ہے یہ تو باجی۔" ذرا وقفہ کے بعد عادلہ نے کہا۔ شیر کی آمد کے تصور سے دونوں کے دل دھڑکنے لگے تھے۔

"ہے تو، ڈرو نہیں۔ حواس قابو میں رکھو اگر بدحواسی میں تم نے شیر پر تیر چلایا تو نشانہ خطا کر جائے گا اور شیر ہماری مچان کی طرف ذہن بھرے بغیر نہ رہے گا۔" شہزادی نے کہا۔

"کیا شیر اتنی اونچی زقند بھر سکتا ہے؟" عادلہ نے پوچھا۔ شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ وہ نامعلوم کیا سوچنے لگی۔ آخر بولی:

"عادلہ! بہت آہستہ سے التونیہ سے کہو کہ وہ بھی کسی مچان کی پناہ جا پکڑے۔ زمین پر جھاڑیوں میں چھپنا خطرناک ہے۔ شیر انسان کی بو پر حملہ کرتا ہے۔" عادلہ نے تعمیلاً تالی بجا کر کے آہستہ سے التونیہ کو آگاہ کیا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وقت گزر رہا تھا اور بھاری گزر رہا تھا۔ ایک تو جنگل کا پُراسرار سکوت بجائے خود

لرزہ خیز تھا۔ دوسرے شیر کی متوقع آمد۔ آخر تقریباً ایک گھنٹا کے خوف و ہراس کے مخلوط انتظار کے بعد دُور جھاڑیوں کے ٹوٹنے کی آواز آنے لگی۔ دونوں کے دل ایک دم اُچھل پڑے اور دم بخود ہو کر بیٹھ گئیں۔ ابھی دونوں لڑکیوں نے حواس بھی درست نہ کیے تھے کہ چند منٹ بعد بالکل درخت کے قریب شیر کی لرزہ خیز دھاڑ سنائی دی۔ اس کے بعد ایک کالی موت گرج کے غریب بکرے پر ٹوٹ پڑی لیکن اس کے ساتھ ہی سائیں سائیں کرتے ہوئے دو تیر شیر کی طرف آئے۔

ایک تیر خطا ہو گیا اور دوسرا شیر کی کمر چھیلتا ہوا گزر گیا۔ ہلکا سا زخم کھاتے ہی شیر بجلی کی طرح پلٹا اور اس نے مچان کی طرف اتنی اونچی زقند بھری کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا اس کے پر لگے ہوئے ہیں۔

۴۳

یہ اتنی اونچی زقند تھی کہ شیر کا سر مچان سے جا لگا۔ اس سے دونوں لڑکیاں سہم کر تیر چلانا بھول گئیں۔ شیر زمین پر آیا اور گرج کر پھر دوبارہ زقند بھرنے والا تھا کہ التونیہ نے جھاڑی سے نکل کر اسے جا لیا۔ شیر اس کی طرف حملہ آور ہوا اور قریب تھا کہ تھپڑ مار کر چیر پھاڑ ڈالے مگر التونیہ نے تیزی سے پیچھے ہٹ کر نیزہ مارا۔ نیزہ سے شیر زخمی تو ہو گیا مگر پھر اٹھ کر جھپٹ کر اس نے التونیہ پر حملہ کیا۔ اس طرح کئی منٹ تک التونیہ اور شیر کی لڑائی ہوتی رہی جس کو دم بخود ہو کر لڑکیاں اوپر سے دیکھ رہی تھیں۔ آخر اپنے حریف کو دبوچ ڈالنے کے لیے شیر اُچھلا اس کے ساتھ ہی التونیہ کا نیزہ اس کے سینے پر پڑا اور اس کی کمر کے پار نکل گیا۔ شیر دھاڑ مار کر گرا۔ بس پھر نہ اُٹھ سکا۔

ایک دو منٹ تک وہ چیختا رہا اس کے بعد تڑپ کر سرد ہو گیا۔ التونیہ کی اس بے مثل جرأت و بہادری کو دیکھ کر اوپر سے لڑکیوں نے اس کو آفریں کہا اور التونیہ ہانپتا ہوا شیر کے

جسم سے اپنا نیزہ نکالتا رہا۔ جب اس کا سانس ذرا درست ہوا تو اس نے کہا:

"اب نیچے آ جائیے۔ کوئی خطرہ نہیں۔" اس کے بعد اس نے سیڑھی کھڑی کی جس پر سے سنبھل سنبھل کر پہلے شہزادی اُتری مگر اس کے ہاتھ پیر اب تک قابو میں نہ تھے۔ آخر التونیہ نے اس کی کمر کے گرد ہاتھ حمائل کر کے پھول کی طرح اُٹھا لیا اور زمین پر کھڑا کر دیا۔ عادلہ کو بھی سنبھال کر اُتار لیا گیا۔

"حقیقتاً یہ خطرناک شکار ہمارے بس کا نہ تھا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے ہمارے تیر خطا کر گئے۔" رضیہ نے کہا۔

"چلیے اب چلیں۔" التونیہ نے کہا۔

"اب کسی دوسرے شیر کے آ جانے کا خطرہ تو نہیں ہے۔" عادلہ نے کہا۔ اس پر اب تک وحشت طاری تھی۔

"یہ تو جنگل ہے۔ معلوم نہیں اس میں کتنے شیر ہوں گے۔" التونیہ نے جواب دیا۔

"آپ زخمی تو نہیں ہوئے؟" رضیہ نے رکتے ہوئے پوچھا۔ التونیہ نے اس کا جواب نہیں دیا۔ آگے قدم بڑھائے اور بولا:

"آئیے اب چلنا چاہیے۔" اس کے بعد تینوں روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور چل کر ان کو اپنے دوسرے ساتھی بھی مل گئے۔ شیر کی لاش اُٹھائی گئی اور سب مل کر اپنے جائے قیام کی جانب راہی ہوئے۔

کافی رات ہو چکی تھی۔ قیام گاہ پر پہنچ کر شہزادی فوراً سو جانا چاہتی تھی مگر بستر استراحت پر دراز ہونے کے بعد اس کی نیند اُڑ گئی پہلے تو اسے ابھی ابھی کے پُر خطر شکار کا خیال آتا رہا۔ پھر اس سے پہلے جو التونیہ سے اَن بن ہو گئی تھی، اس کا تصور کرتی رہی۔ قصور اسی کا تھا۔ کیوں گستاخی سے پیش آیا تھا لیکن اس نے یہ کیا کہا تھا کہ وہ قبچہ اور ایلدوز کی طرح جھد زیر ہونے والا نہیں ہے۔ ایسے الفاظ تو وہی شخص منہ سے نکال سکتا ہے جس کے

خیالات باغیانہ ہوں لیکن التونیہ تو اب تک بڑا وفادار ثابت ہوتا رہا ہے۔ انھی خیالات میں آخر اس کی آنکھ لگ گئی مگر خواب پریشان کی وجہ سے رات کو تین بجے کے قریب شہزادی کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے رنتھمبور کا مضبوط قلعہ ہل رہا ہو۔ یہ اس کا صرف وہم تھا۔ قلعہ تو پہاڑ کی طرح قائم تھا وہ کیا ہل سکتا تھا۔ آج پہلی دفعہ خود شہزادی کا دل دہل گیا تھا۔ اسی سبب سے اسے برائے چندے جہاں لرزاں معلوم ہو رہا تھا۔ اس کا دل بھی تو رنتھمبور کے قلعہ سے کسی طرح کم مضبوط نہ تھا۔ جس کو آج تک کوئی سورما نہ ہلا سکا تھا۔ کوئی جواں مرد فتح نہ کر سکا تھا مگر آج کی رات کی اگلی ساعتوں میں شیر کے شکار کے بعد اسی کی فوج کے ایک جانباز سردار نے اس کے دل کی طرف دھاوا بول دیا تھا۔

لیکن صبح تک شہزادی اپنی اصل حالت پر آ گئی۔ ناشتا وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد تمام سردار حسبِ معمول اپنی شہزادی کو سلام کر کے چلے گئے مگر التونیہ نہیں آیا۔ آخر شہزادی نے خود اسے طلب کیا۔

"ہمیں اندیشہ ہوا کہ شیر کے ساتھ کشتی میں آپ رات کو زخمی نہ ہو گئے ہوں۔" شہزادی نے اپنے تبسم دلنواز سے اس کو ممنون کرتے ہوئے کہا۔ ان کلمات اور اس برقِ تبسم سے ایک بار التونیہ کا سنجیدہ چہرہ منور ہو گیا۔ اس کے بعد اس پر رات والی گفتگو کا تصور پھر کالے بادل لے آیا۔ یہ شخص تو بڑا کینہ توز ہے۔ شہزادی نے اس وقت بھی اس کو اکڑا ہوا پا کر دل میں کہا۔

"افسوس شیر مجھے زخمی نہ کر سکا۔" التونیہ نے مختصر سا جواب دیا۔ شہزادی کے پاس کوئی اور نہ تھا مگر اس وقت التونیہ نہ تو حسبِ عادت گستاخ نظر آ رہا تھا اور نہ محبت کے کلمات زبان پر لا رہا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کوئی تیسری راہ سوچ لی ہو۔

"اچھا اب ہم کل دہلی روانہ ہو جائیں گے۔ عادلہ کی شادی قریب آ گئی ہے۔" شہزادی نے کہا۔

''مسرت ہوئی۔'' الفونیہ نے جواب دیا۔ نہ تو اس نے یہ دریافت کیا کہ کس سے شادی ہو رہی ہے۔ کس تاریخ کو ہے اور نہ یہ سوال کیا کہ کون کون لوگ اس تقریب سعید میں شرکت کریں گے۔ صرف مسرت ہوئی کہہ کر چپ ہو گیا۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کلمات اس نے تقریب کا ذکر سن کر ادا کیے تھے یا شہزادی کی روانگی کا ارادہ معلوم کر کے۔ بہرکیف دوسرے روز شہزادی اور عادلہ دہلی روانہ ہو گئیں۔

التمش بھی دہلی آ پہنچا تھا۔ اسے پایہ تخت میں آئے ہوئے دو ڈھائی ماہ ہی گزرے ہوں گے کہ ناگاہ ایک روز دس بارہ راجپوت سردار آئے اور بعجلت باریابی کے خواستگار ہوئے۔ انھیں فوراً دربار میں طلب کیا گیا۔ انھوں نے حاضر ہو کر ایک خبر بد سنائی۔ معلوم ہوا کہ اجین کے راجہ پر چتوڑ گڑھ کے رانا نے فوج کشی کی ہے۔ اس قصور میں کہ راجہ اجین نے دہلی کے بادشاہ سے دوستانہ تعلقات قائم کیوں کیے۔ راجہ نے کئی روز تک توڑ کر مقابلہ کیا مگر رانا نے بڑے ساز و سامان اور جمعیت کثیر کے ساتھ حملہ کیا تھا اس لیے آخر راجہ اجین کو قلعہ میں پناہ لینی پڑی۔ جس کو رانا کی فوجیں گھیرے میں لیے پڑی ہیں۔

التمش کو اپنے دوست کی رنجیدہ کیفیت سن کر بڑا افسوس ہوا۔ چنانچہ راجپوت سرداروں سے بولا:

''گھبرایئے نہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں ہمارے دوست کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ رانا چتوڑ گڑھ کو ابھی میں نہیں چھیڑنا چاہتا تھا لیکن اس نے ہمارے دوست راجہ پر چڑھائی کر کے گویا مجھے چھیڑ دیا ہے۔ اس کا اس کو نتیجہ دیکھنا پڑے گا۔'' اس کے بعد اس نے فوراً احتشام کو طلب کیا اور پھر صورت حال سنائی۔

''تم بعجلت کتنی فوج فراہم کر کے روانہ کر سکتے ہو؟'' اس نے احتشام سے دریافت کیا۔

''بیشتر افواج دوسری مہمات پر گئی ہوئی ہیں مگر پھر بھی پانچ چھ ہزار آدمی فوراً جمع کر

سکتا ہوں عالی جناب!" احتشام نے جواب دیا۔

"بہتر ہے جتنی سپاہ فراہم ہو سکے لے کر آج ہی روانہ ہو جاؤ، پیچھے سے میں خود آتا ہوں۔ خیال رہے کہ تمھیں طوفانی دستے کی خدمت انجام دینی ہے اس لیے آندھی کی طرح روانہ ہونا اور طوفان کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑنا۔ ان سرداروں کو راجدھانی چھوڑے ہوئے تیس پچیس دن ہو گئے ہیں۔ نامعلوم اجین پر کیا گزری ہو گی اب تک۔" بادشاہ نے احتشام سے کہا۔

"حضور مطمئن رہیں۔ میں ایک لمحہ ضائع نہ کروں گا۔" احتشام نے جواب دیا۔ چنانچہ وہ دوسرے ہی روز پانچ ہزار کی جمعیت لے کر راجہ اجین کی مدد کے لیے روانہ ہو گیا۔

احتشام نے بہت تیزی سے منزلیں طے کرنی شروع کیں۔ راہ میں وہ سوچ رہا تھا کہ راج کماری کو یار دیگر دیکھنے کے آیندہ کوئی امکانات نہ رہے تھے۔ اگر اس کے دل پر عادلہ کا اس شدت سے قبضہ نہ ہوتا تو وہ راج کماری سے محبت ہارے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ واقعی یہ احتشام کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس پر ایک شریف النسل اور حسین راجپوت شہزادی مائل ہوئی تھی، مگر کون کہہ سکتا ہے کہ اس محبت کا انجام المیہ نہ ہوتا۔ راجہ غیر کفو میں اپنی قرۃ العین کو دینے پر راضی نہ ہوتا چہ جائیکہ ایک مسلمان کے عقد میں اسے دے دیتا، شاید یہ ممکن بھی ہو جاتا مگر یہ مسلمان سردار شاہی نسل سے نہ تھا۔

اس کے باوجود یہ پری رو راج کماری احتشام سے محبت کرنے لگی تھی اور قطع نظر اس محبت کے حزنیہ انجام کے شاید وہ اسے چاہے جاتی لیکن عین ہنگامِ تعشق عادلہ نے غیر متوقع نمودار ہو کر زبان سے کچھ کہے بغیر اپنی شرگیں محبت کی زبان سے راج کماری کو آگاہ کر دیا کہ احتشام تو میرا ہے تو اس سے محبت کرنے کہاں چلی ہے۔

راج کماری ایک تو اپنے سوئمبر کا زمانہ قریب پا کر از خود احتشام سے مایوس ہو چلی

تھی۔ دوسرے اختلاف مذہب و روایات اور سب سے زیادہ اتصال میں اپنوں ہی کی مخالفت کا شدید خوف۔ ان چیزوں سے چند روز بعد ہی اس کی بے زبان محبت کا منہ بند کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر عادلہ نے آکر تو اُمید کا آخری تسمہ بھی کاٹ دیا تھا۔ چنانچہ راج کماری اب صرف ایک دیوتا کی طرح خاموشی سے احتشام کی پرستش کرنے کی قریں ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک پتھر کا دیوتا جس سے چپ چاپ پیار کیے جاؤ۔

۴۴

آخر احتشام مہینوں کی منزلیں ہفتوں میں طے کرتا ہوا اجین جا پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ اس مضبوط و عالیشان قلعہ کے کئی کنگرے دشمن نے مسمار کر ڈالے تھے اور وہ محاصرہ ڈالے پڑا تھا۔ چتوڑ گڑھ کے رانا کی فوجوں نے کئی ماہ سے اجین کا محاصرہ کر رکھا تھا اور نہ صرف یہ بلکہ اس کی مکمل ناکہ بندی کر دی تھی۔ جیسے دن گزرتے جا رہے تھے مصیبتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اگر شاہی کمک لے کر احتشام دس بارہ روز دیر سے پہنچتا تو قلعہ فتح ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اس کے بعد اجین کا شریف و بہادر راجا اور اس کی حسین بیٹی کی خیر نہ تھی۔ راجہ بے عزتی سے قتل کر دیا جاتا اور اس کی عفیف راج کماری کو رانا چتوڑ زبردستی اپنے حرم میں داخل کر لیتا۔ غرض احتشام کے پہنچنے تک یہ حالات پیدا ہوتے جا رہے تھے۔

رانا چتوڑ کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ التمش اتنے دُور دراز کے فاصلہ پر ایک غیر مسلم راجہ کی مدد کو کمک بھیجے گا۔ چنانچہ جب گرد بلند ہوئی اور اس نے کسی فوج کی آمد کے آثار دیکھے تو یہی سمجھا کہ چتوڑ سے اسی کی سپاہ آرہی ہے مگر جب یہ اجنبی لوگ قریب پہنچے تو دفعتاً وہ اندازہ نہ لگا سکا کہ یہ کون مخلوق ہیں اور پھر جب احتشام نے آتے ہی بجلی کی طرح رانا کی فوج پر ایک دم شدید حملہ بھی کر دیا تو اس کا کلیجہ دھک سے ہو گیا کہ دہلی کے دیو

بادشاہ کی فوج آ پہنچی۔

قلعہ کے محصورین نے بھی یہ نظارہ حیرت واستعجاب سے دیکھا مگر انھیں فوراً معلوم ہو گیا کہ ان کی مدد کو فرشتہ غیبی کی طرح التمش کی فوج آ پہنچی ہے۔ راجہ اجتین کی مسرت کی تو انتہا نہ رہی۔ وہ مان گیا کہ مسلمان قول کے پکے ہوتے ہیں۔ اسی وقت قلعہ میں مسرت کے شادیانے بجنے لگے۔ اس کے بعد محصورین نے بھی فصیلوں پر سے رانا کی فوج پر حملے شروع کر دیے۔

عقب کے حملہ کی تاب لانا مشکل تھا مگر رانا نے اپنی فوج کو سمیٹ کر مدافعت کی، جنگ شروع کر دی اس سے اس کے قدم جمے رہے۔ رانا نے ڈٹ کر احتشام کا مقابلہ کیا اور اپنی فوج کو منتشر نہ ہونے دیا۔ رات تک یہ جنگ جاری رہی اور اس کے بعد تاریکی غالب آ جانے کی وجہ سے بند کر دینی پڑی۔

احتشام کے حملے نے قلعہ کے سامنے سے رانا کی فوج کو ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا مگر اسے شکست نہیں دے سکا تھا کیونکہ رانا کی جمعیت احتشام کی فوج سے تعداد میں چوگنی تھی مگر پھر بھی یہ کثیر فوج بڑھ کر احتشام پر حملہ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ قلعہ کے نواح چھوڑتے ہی اس کو دو طرفہ گھر جانے کا خوف تھا۔ اگر قلعہ سے راجہ اجتین کی سپاہ بھی نکل پڑی تو رانا اس کے اور احتشام کے درمیان پس کر رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے وہ محاصرہ نہیں توڑ سکتی تھی۔

دوسرے روز رانا کی فوج نے اس قلعہ کا محاصرہ کرنے کو پھر اس طرف کا رُخ کیا مگر احتشام نے اسے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ اس روز بھی دن بھر جنگ ہوتی رہی، جس میں احتشام نے اپنی قلیل سپاہ کے باوجود ایسی دادِ شجاعت دی کہ چتوڑ گڑھ والوں کو بہت دور تک پیچھے ہٹنا پڑا۔ غرض روزانہ یہی ہوتا رہا۔ اس سے اجتین کے محصورین کو یہ فائدہ ہوا کہ قلعہ آزاد ہو جانے سے وہ دیہات میں پہنچ کر غلہ جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر دشمن کو احتشام بھی نہ بھگا سکا یہاں تک کہ ایک ہفتہ بعد مزید کمک لے کر التمش خود آ پہنچا۔

جنگ کا نقشہ بدل ڈالنے کے لیے اَلتمش کا نام ہی کافی تھا۔ اس کی ہیبت تمام راجپوتانہ پر چھا چکی تھی۔ چتوڑ کے رانا کو جو خبر پہنچی کہ دہلی کا بادشاہ مہاراجہ اجین کی مدد کو آ پہنچا ہے تو وہ ہیبت زدہ ہو گیا مگر پھر بھی اس نے اپنی فوج کی کثرت کے زعم میں مقابلہ کیا۔ ادھر بادشاہ نے آتے ہی دشمن پر ایسا شدید دباؤ ڈالا کہ شام تک کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

مہاراجہ اجین کی مسرت کی تو کوئی انتہا ہی نہیں رہی تھی۔ اَلتمش کی آمد کی خبر پا کر اس کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ قلعہ کا دروازہ کھول کر وہ بھی اَلتمش کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کو نکل پڑا مگر رانا کے لیے اَلتمش ہی کافی سے زیادہ تھا۔ اس نے دوسرے روز رانا کو میدان میں نہیں جمنے دیا۔ بڑھ کر ایسا شدید حملہ کیا کہ دشمن کی ٹڈی دل فوج کے قدم اکھڑ گئے اور اس نے بھاگم بھاگ واپس چتوڑ کا رُخ کیا مگر اَلتمش نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ تعاقب کرتا ہوا وہ بھی مارتا ہوا پیچھے پیچھے روانہ ہوا اور اس کے ساتھ راجہ بھی ہو لیا۔

احتشام بھی اپنی چھوٹی سی فوج لے کر اپنے بادشاہ کے ساتھ دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوا مگر راجہ نے اَلتمش سے درخواست کی کہ قلعہ کی حفاظت کے لیے کوئی نہ رہا ہے، اس لیے احتشام کو یہیں چھوڑ دیا جائے تو اچھا ہے۔ بادشاہ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ چنانچہ اس نے احتشام سے کہا کہ وہ شہر کی حفاظت کی خاطر اجین ہی میں مقیم رہے۔ ممکن ہے دشمن کی کوئی کمک آ کر قلعہ پر قابض ہو جائے۔

رات ہو چکی تھی چنانچہ احتشام نے قلعہ بند ہو کر ریاست کی فوج کے تعاون سے تمام فصیلوں پر آدمی مقرر کر دیے۔ اس طرح راجپوت اور ترک دوش بدوش اجین کی حفاظت میں منہمک ہو گئے۔ دشمن کا چونکہ نہ صرف خطرہ ٹل گیا تھا بلکہ وہ دہلی کے سلطان سے شکست کھا کر بھاگ نکلا تھا، اس لیے فتح کی خوشی میں محل کے اندر چراغاں کیا گیا اور اس قدر آتش بازی کی گئی کہ دیوالی کا حسین منظر نظر آنے لگا۔

راج کماری چندرا کو ڈبل مسرت تھی۔ ایک تو فتح کی، دوسرے اپنے ہیرو کو بار دیگر

دیکھنے کی، جس کی دوبارہ دید سے وہ مایوس ہو چکی تھی۔ کیونکہ چند ماہ بعد وہ سوئمبر میں کسی نہ کسی راج کماری کی ہمیشہ کے لیے ہو جانے والی تھی۔

احتشام اِدھر اُدھر انتظام کرتا پھر رہا تھا کہ اس کے پاس راج کماری کا بلاوا پہنچا۔ جنگ و جدال، کشت و خون اور عام ہڑبونگ کے درمیان احتشام یہ بالکل ہی بھول گیا تھا کہ اجتن میں ایک ایسا گوہرِ بے بہا موجود ہے جس کی جوت سے قیدِ تنہائی میں اس کی آنکھیں خیرہ ہوتی رہی تھیں اور جو اس کی محبت کا دم بھی بھرتا تھا۔ اس نشاط انگیز پیام کو سنتے ہی احتشام کے عادلہ زدہ ذہن میں حسین راج کماری کا دلکش چہرہ دفعتاً آ کر کوندا اور وہ فوراً روانہ ہوا۔

دور چراغوں کی سنہری قطار آسمان پر آتش بازی کی بہار ان لطافتوں کے درمیان پیامِ یار۔ احتشام کیف سے جھومتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ رہبر ایک چھوٹی سی خوش نما برجی کے پاس جا کر رُک گیا۔ احتشام جلد جلد سیڑھیاں طے کر کے برجی میں داخل ہوا اور اس کی مشتاق آنکھوں نے اِدھر اُدھر کسی کو بے تابانہ تلاش کیا مگر وہاں کوئی نظر نہ آیا۔ ابھی وہ اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک کونے سے مسکراتا ہوا چاند نکلا اور احتشام کی طرف بڑھا۔

"شام!" راج کماری نے اُسے دیکھ کر فرطِ مسرت سے کہا۔ اس تمنا میں آگے بڑھی کہ جس طرح احتشام نے اپنی کوٹھری میں عادلہ کو دیکھ کر بے تابانہ محبت سے سینے سے لگا لیا تھا۔ اس کو بھی آغوش میں لے لے گا۔ احتشام نے اُسے گلے تو نہیں لگایا مگر اس کی دونوں مرمریں باہیں تھام لیں اور قریب کر لیا۔

"تم آ گئے شام!" اب راج کماری کا نازک دل بھر آیا۔

"ہاں چندرا۔ تم اچھی تو ہو؟" احتشام نے آہستہ آہستہ اس کی سڈول باہوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دریافت کیا۔ راج کماری کے لانبے خوبصورت بال کھلے ہوئے تھے۔ اس نے سبز رنگ کا جوڑا زیب تن کر رکھا تھا اور اسی رنگ سے ملتی ہوئی زمرد کی مالا اس کی گوری

گردن کو چوم رہی تھی۔ احتشام اس سبز شعلے سے چندھیا گیا اور اس کی لٹوں سے کھیلتا ہوا بولا:

"چندرا تم تو ان سات آٹھ ماہ میں اور قیامت بن گئیں۔"

"اور تمہارا دل اور بھی پتھر کا ہو گیا۔" چندرا نے جواب دیا۔

"کاش میرے سینے میں میرا اپنا کوئی دل ہوتا۔" احتشام نے آہستہ سے کہا۔

"میں تمہارا کب سے انتظار کر رہی ہوں۔ کھڑے کھڑے پیر بھی تھک گئے۔"

"آؤ میں تمہیں گود میں اُٹھا کر وہاں مہتابی پر لے جا کر بٹھا دوں۔ وہاں سے آتش بازی کا تماشا دیکھیں گے۔"

"تمہاری صورت نظر آ جانے کے بعد مجھے کسی تماشے کی ضرورت نہیں رہی۔"

احتشام نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور مہتابی پر لے آیا۔

"یہ لطیف اور ملائم ہوا، سہانا سماں پر تم پاس ہو۔ یہ وہ سامان ہیں کہ بادشاہ کو بھی نصیب نہ ہوتے ہوں گے مگر میں تو ایک گدائے بے نوا ہوں۔"

"تم سے زیادہ کٹر کوئی آدمی نہ ہو گا۔ تم نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ یہ دن میں نے کیسے گزارے۔"

"میرے پوچھنے یا نہ پوچھنے سے کیا ہوتا۔ میں تو دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔"

"یہ دعائیں تو مجھے میری دائیاں بھی دیتی ہیں۔"

"میں بھی صرف دعائیں ہی دے سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ میری حیثیت نہیں۔ تم ایک غیر قوم کی شہزادی ہو اور میں دوسری قوم کا ایک معمولی آدمی، جس کی پوزیشن اس وقت میرے بادشاہ اور تمہارے چاچی نے ایک امین کی بنا دی ہے۔ کیونکہ وہ قلعہ، محل اور اس کی تمام حسین کائنات میری تحویل میں دے گئے ہیں۔ اس فرض کو میں پوری ذمے داری سے ادا کروں گا۔"

''بس بس شام!'' راج کماری نے اس کے روکھے پھیکے کلام کو قطع کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے دھوکا نہ دو۔ بے شک تم پہلے شہزادی عادلہ کے ہو چنانچہ ان سے نہیں مانگنا چاہتی لیکن تم یہ کیوں کہتے ہو کہ میں راج کماری ہوں اور تم معمولی آدمی۔''

''اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ دوسرے عادلہ شہزادی نہیں ہیں بلکہ بادشاہ کی منہ بولی بیٹی ہیں۔ پھر بھی وہ میرے برابر کی حیثیت رکھتی ہیں۔''

''شاید یہ درست ہو۔ کاش تم یہاں آئے ہی نہ ہوتے۔ کیوں آ گئے تم۔ جبکہ سلطان خود آنے والے تھے تو تم کیوں چلے آئے اور آ گئے تھے تو مجھے نظر کیوں آئے۔ جاؤ چلے جاؤ اور میری آن میں خلل نہ ڈالو۔'' راج کماری نے کہا پھر اس خوف سے کہ وہ کہیں چل ہی نہ دے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تمھاری راجپوتی آن کی میں تکریم کرتا ہوں لیکن مجھ سے یہ سوال نہ کرو کہ میں یہاں کیوں چلا آیا۔ جب بادشاہ سلامت کو اطلاع ملی کہ تم پر دشمن نے چڑھائی کی ہے تو انھوں نے سب سے پہلے روانگی کا حکم مجھ ہی کو دیا۔ اگر وہ مجھے روانہ نہ کرتے تو شاید میں خود ان سے درخواست کرتا کہ تمھاری مدد کو میں بھیجا جاؤں۔''

''اچھا! کیوں؟'' راج کماری نے سادگی سے پوچھا۔

''نجانے کیوں؟'' احتشام نے مسکرا کر جواب دیا۔ پھر سنجیدہ ہو گیا۔

''اچھا اب تم جاؤ، اور پھر مجھے دیکھنے یا مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔'' راج کماری نے جانے کے لیے دامن سمیٹتے ہوئے کہا۔

''کیا تم مجھ سے خفا ہو کر جا رہی ہو راج کماری؟'' احتشام نے دفعتاً اس کی موڈ بدل جانے پر دریافت کیا۔

''نہیں شام! میں تم سے کس طرح خفا ہو سکتی ہوں۔'' راج کماری نے افسردہ مسکراہٹ سے کہا۔ پھر اس طرح گویا اس کا آخری دیدار کر رہی ہے۔ چند لمحات تک اس کی طرف

دیکھتی رہی اس کے بعد ایک دم چل دی۔ احتشام دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

التمش نے چتوڑ تک رانا کا تعاقب کیا۔ آخر رانا اپنی راجدھانی میں پہنچ کر قلعہ بند ہو گیا۔ التمش کا ارادہ قلعہ کو فتح کرنا نہ تھا بلکہ وہ رانا کو اتنا کمزور کر دینا چاہتا تھا کہ وہ پھر سر نہ اُٹھا سکے اور اس کے آیندہ شر سے اجین کا راجہ محفوظ رہے۔ تقریباً ایک ماہ تک التمش چتوڑ کا محاصرہ کیے رہا۔ اس دوران میں اس نے رانا کی قوت کو کافی کمزور کر دیا۔ آخر اپنے دوست راجہ اجین کی تحریک پر محاصرہ اُٹھا لیا اور اجین آ گیا۔ یہاں چند روز تک راجہ کے اصرار پر قیام کیا۔ اس کے بعد احتشام کو لے کر دہلی کی طرف راہی ہوا۔

افسوس احتشام بوقتِ رخصتی راج کماری کے درشن سے محروم رہ گیا۔ صدمۂ مفارقت سے بچنے کی خاطر راج کماری قصداً اس کے سامنے نہ آئی۔ ہاں احتشام کے رخصت ہونے کا سین چھپ کر دیکھتی رہی جب وہ مسافت کے غبار میں اوجھل ہو گیا تو راج کماری کا دل بھر آیا۔

۴۵

التمش اپنی زندگی کے مشن کی تقریباً تکمیل کر چکا تھا۔ اس نے پنجاب، غزنی، راجپوتانہ اور بنگال کو فتح کر کے اپنا ملک اس قدر وسیع کر لیا تھا کہ آج تک کسی مسلمان بادشاہ کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ ہی اس کی سب سے بڑی آرزو بھی پوری ہو گئی تھی یعنی اسے بغداد کے دربارِ خلافت سے سلطانِ ہند کا خطاب مل گیا تھا۔ خلیفۂ وقت نے اس کی فتوحات اور اسلامی خدمات کے پیشِ نظر مراحمِ خاص سے نوازا تھا۔ اس سے التمش کی مسرت کی انتہا نہ رہی تھی۔

زندگی کا مقصد حاصل کر لینا انسان کی عمرِ فانی کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ التمش بڑا ہی خوش نصیب بادشاہ تھا کہ وہ ہر دینی و دنیوی نامرادی سے محفوظ رہا۔ اس نے کسی کا حق

غصب نہیں کیا۔ کسی کو دُکھ نہیں پہنچایا۔ وہ سب کا دوست و غمگسار تھا۔ چھبیس سال سے ایسے طمطراق و دبدبہ سے حکومت کی کہ اس کے تمام حسّاد و دشمن دب کر رہ گئے۔

اتنے بڑے کام انجام دینے کے باوجود التمش اب راحت یا تعطّل کی زندگی سے کوسوں دُور تھا۔ اس نے اپنے ممالک محروسہ میں اصلاحات کا کام شروع کیا اور اگر زندگی کچھ دن اور وفا کر جاتی تو وہ اپنے پیچھے نہ صرف زبردست فاتح کا نام چھوڑتا بلکہ ایک مصلح اعظم کی حیثیت سے بھی ہمیشہ زندہ رہتا۔

اب التمش اپنی حیات میں سامنے کے چند کام اور کر لینا چاہتا تھا۔ سب سے زیادہ فکر اسے اپنے جانشین کی تھی کیونکہ اپنے لڑکوں میں اسے ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا تھا، جو پسر تمام کند کا مصداق تو کجا اس کی مضبوط سلطنت ہی کو ضعیف ہونے سے بچا لیتا۔ اس لیے ہر بار اس کی نظر اپنی بہادر، حسین، زیرک اور مدبر بیٹی ہی کی طرف جاتی تھی۔ آخر اس نے ایک دن خاص دربار منعقد کر کے اپنی جانشینی کے لیے رضیہ کے نام کا اعلان کر دیا۔

یوں رضیہ کی قابلیت و تدبّر کا ہر امیر معترف تھا مگر یہ مغرور امرا ایک عورت کی تابعداری کو اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد وہ اس وقت تو التمش کے رعب کی وجہ سے چپ ہو گئے مگر موقع کی تاک میں رہے۔ ان امرا کو التمش کے بیٹوں نے اور بھی اکسا دیا تھا۔ کیونکہ ہر شہزادہ سلطنت و حکومت کے لیے مرا جا رہا تھا۔ انتظار تھا کہ کب باپ کی آنکھیں بند ہوں اور کب وہ آپس میں جوتم پیزار کر کے سلطنت پر قابض ہوں۔

التمش دراصل رکن الدین سے عادلہ کی نسبت صرف اس لیے کر دینا چاہتا تھا کہ عادلہ جیسی نیک و زیرک لڑکی اس کو سنبھال لے گی اور اسے گمراہ ہونے سے بچا کر سلطنت کو کمزور نہ ہونے دے گی مگر جب رکن الدین کے باب میں عادلہ کی مطلق مرضی نہیں پائی تو وہ مایوس ہو کر چپ ہو گیا تھا اور عادلہ کا پیارا ہاتھ خوش نصیب احتشام کے ہاتھ میں دے دینے کو آمادہ ہو گیا تھا۔ اس طرح اس قصہ سے نجات پانے کے بعد اب اسے اپنی چہیتی اور قابل بیٹی کی

شادی کی فکر نے گھیر لیا تھا مگر سپاہی منش حسین شہزادی نے یہ کہہ کر اپنے باپ کو اس فکر سے نجات دلا دی تھی کہ وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔

دربار خلافت سے سلطانِ ہند کا موقر فرمان ملنے کی تقریب میں التمش نے ایک سادہ جشن منعقد کیا۔ احتشام دن رات دعائیں مانگتا رہتا تھا کہ کوئی خوشی کا موقع ہاتھ آئے تو وہ بھی اپنی روحانی آرزو سے اپنے بادشاہ سلامت کو آگاہ کرے مگر اس دلی معاملہ کو التمش کے سامنے لے جاتے ہوئے اس کے حوصلے پست ہو جاتے تھے۔ آخر اسی تقریب کے دوران میں اس نے کسی وقت منت وسماجت کر کے کہیں عادلہ ہی کو جا پکڑا۔

''لو۔ میں کیا جانوں۔ مجھے ان بے کار باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' عادلہ نے کہا۔

''لیکن ستم گر یہ تنہا میرا ہی تو معاملہ نہیں تمہارا بھی تو ہے۔ کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔'' احتشام نے کہا۔

''ایک دفعہ کہہ چکی کہ مجھ سے اس موضوع پر گفتگو نہ کی جائے۔'' عادلہ نے باندازِ محبوبانہ کہا اور جانے لگی۔ احتشام نے لپک کر اسے بازوؤں میں تھام لیا۔

''اتنی سنگ دل نہ بنو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تم سے مایوس ہو کر چندرا کا ہاتھ جا تھاموں مگر افسوس وہ بھی میرا ہاتھ جھٹک دے گی کیونکہ میں نہ راجپوت ہوں نہ راج کمار۔''

''بڑی خوشی ہو گی مجھے۔''

''میری ناکامی سے؟'' احتشام نے اس کے سنہری بالوں سے اپنا رخسار چھوتے ہوئے کہا۔

''آخر تم ابا حضور کے سامنے جانے سے ڈرتے کیوں ہو؟''

''خدا جانے۔ بدبختی سمجھو کہ ایک رعب وحجاب کی دیواری محسوس کرنے لگتا ہوں۔''

''بس تو اس دیوار کے سایہ میں آرام سے لیٹے رہو۔'' عادلہ نے خود کو آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بات سنو۔ ایک تدبیر ذہن میں آئی ہے۔ شہزادی سے درخواست کروں۔"

"میں نہیں جانتی۔" عادلہ نے مصنوعی استغنا سے کہا پھر بولی۔ "شہزادی باجی کے سامنے زبان کھل سکے گی تمھاری؟"

"کوشش کروں گا۔"

"تمھیں نہیں معلوم ان کے رعب حسن کا یہ عالم ہے کہ ان کی طرف دیکھنے کی کوئی جرأت نہیں کرسکتا۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ شہزادی نے کس رنگت کا لباس زیب تن کر رکھا ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو مگر میرا خیال ہے کہ کئی مہمات میں خاک وخون کے درمیان ساتھ رہنے سے میں ان سے بات چیت کرسکتا ہوں اور وہ بھی میری طرف متوجہ ہوسکتی ہیں۔"

"ہوسکتی ہوں گی۔"

"تم بھی کچھ میری مدد کرنا۔" احتشام نے کہا۔

"مجھے کیا غرض پڑی ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"اچھا تو تمھیں بتا دوں گا کہ اگر اس تقریب کو اپنی شادی کی تقریب سے نہ بدل ڈالوں تو میں احتشام نہیں۔"

"کیوں نہ ہو۔ ہندوستان کے بادشاہ تو حضور ہی ہیں۔"

"جب تم میری ہو جاؤ گی تو ہندوستان کی بادشاہت تو کیا کائنات میرے زیرنگیں آجائے گی۔" احتشام نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"اچھا اب مجھے جانے دو۔ کہیں باجی شہزادی کی نظر نہ پڑ جائے۔"

"بہت ہی اچھا ہوگا۔ پھر مجھے زبان سے کچھ کہنے کی حاجت نہ رہے گی۔"

"احتشام تمھیں راج کماری چندرا کو کہیں بھلا ڈالنا چاہیے۔ وہ تمھیں کس قدر چاہتی ہے۔"

''ان کا اگلے ماہ سوئمبر ہو رہا ہے جس میں وہ اپنے شوہر کا انتخاب کر لیں گی۔ پھر ان کی محبت کا مرکز کوئی اور ہوگا۔''

''محبت جلد مرکز نہیں بدلا کرتی۔'' عادلہ نے کہا۔

''میں تو سمجھتا ہوں کہ بدل دیتی ہے۔ اب تم اپنی مثال ہی سامنے رکھو۔ تم نے مجھے آج تک یہ شیریں یقین دلانے کی کوشش نہیں کی کہ تمھارے دل میں بھی میرا خیال ہے۔'' احتشام نے کہا۔

''کیا قسم کھا کر کہہ سکتے ہو؟'' عادلہ نے کہا۔

''قسم کی کیا ضرورت ہے۔ اچھا اگر تم سچی ہو تو اس وقت دلاؤ یقین۔'' احتشام نے اس کی ٹھوڑی اونچی کر کے کہا۔ عادلہ نے گردن موڑ لی اور اپنے ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی۔

احتشام تھوڑی دیر بعد آخر شہزادی کی خدمت میں پہنچا اور ڈرتے ڈرتے اس سے درخواست کی۔

''پھر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' شہزادی نے دریافت کیا اور اس وقت اس کی صورت پر مسکنت دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''آپ بادشاہ سلامت سے میری سفارش کیجیے۔ باور فرمایئے شہزادی صاحبہ اب عادلہ کے بغیر مجھے زندگی اجیرن معلوم ہونے لگی ہے۔''

''آپ خود جا کر ابا جان سے کیوں نہیں ملتے۔'' شہزادی نے بھی وہی بات کہی جو عادلہ نے کہی تھی۔ احتشام چپ ہو گیا۔ آخر بولا:

''بہتر ہے۔ اگر آپ میرے لیے کچھ نہیں کرنا چاہتیں تو میں خود ہی بادشاہ سلامت سے عرض کروں گا۔''

''اچھا، اچھا بددل نہ ہوں۔ میں آج ہی ابا جان سے ذکر کروں گی۔'' رضیہ نے مسکرا کر کہا اور اسی روز جا کر التمش کے پیچھے پڑ گئی کہ آخر اتنے سال سے اس نے غریب احتشام

کی مسرتوں کی جانب سے منہ کیوں موڑ رکھا ہے۔ اب التمش کی سمجھ میں بھی آ گیا اور اس نے دل میں احتشام کی استقامتِ محبت کی داد دی۔ چنانچہ دوسرے ہی روز اس نے اپنی منہ بولی بیٹی کو گراں قدر جہیز عطا کر کے اس کی قیمتی ہستی کو خوش بخت احتشام کے عقد میں دے دیا۔ اس طرح واقعی احتشام کا دعویٰ ثابت ہو کر رہا۔ اس نے التمش کے سلطانِ ہند بننے کی تقریب کو اپنے شاندار نکاح کی محفلِ نشاط میں بدل دیا۔

عادلہ کا عقد رضیہ کی محبت نا آشنا جذبات کے لیے ایک حادثہ ہو گیا۔ عادلہ کی سہاگ رات میں رضیہ کو ایک بار التونیہ کا شدت سے خیال آیا اور آہستہ آہستہ مٹ گیا۔ رضیہ کی اتنی سی تبدیلی تعجب انگیز تھی۔

۴۶

عادلہ و احتشام کی پر مسرت شادی اگر حادثہ ہو سکتی تھی تو صرف راج کماری کے لیے جس کو اس تقریب کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ التمش نے دعوت نامہ راجہ اجین کے پاس بھی روانہ کیا تھا مگر چونکہ وہ خود اپنی بیٹی کے سوئمبر کی زبردست تیاریوں میں مصروف تھا، اس لیے معذرت خواہ ہو گیا تھا اور اپنی قائم مقامی کے طور پر اپنے وزیر کو اس نے روانہ کر دیا تھا۔

معلوم نہیں، اس خبر سے راج کماری کے دل پر کیا گزری تھی مگر احتشام و عادلہ اس زمانہ میں بہشتِ مسرت میں تھے اور رضیہ اپنی عادلہ کو مسرور و شادماں دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ عین اس زمانۂ مسرت میں التمش کو اطلاع ملی کہ گوالیار کا راجہ سلطنتِ دہلی کے خلاف ساز باز ہو رہا ہے۔ التمش کو بہت افسوس ہوا اور اس نے راجہ گوالیار کو متنبہ کیا کہ اپنی تباہی کو دعوت نہ دے۔ اس کے جواب میں راجہ نے گستاخانہ کلمات ادا کیے اور بادشاہ کو چیلنج کیا۔

بادشاہ نے چند ہی روز میں فوج کثیر جمع کی اور گوالیار کا رُخ کیا۔ وہ عادلہ واحتشام کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا کیونکہ دونوں نئے دولہا دلہن تھے مگر انھوں نے اصرار کیا۔ آخر ان کو بھی ساتھ لینا پڑا۔ التمش نے اپنے کسی دوست حکمراں سے کمک طلب نہیں کی تھی مگر اطلاع ملنے پر پھر بھی راجہ اجین نے مدد روانہ کر دی اور راجپوت فوج کا ایک دستہ التمش کی سپاہ سے آگے جا کر مل گیا۔

گوالیار کا قلعہ اگرچہ چتوڑ گڑھ اور رنتھمبور کی طرح مضبوط نہ تھا مگر پھر بھی سندھیا کی دُور دُور دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ راجہ گوالیار نے نصف راستے ہی پر التمش کو جا لیا اور جنگ شروع کر دی۔ یہ تاریخ کی بڑی بھیانک لڑائی تھی جو کئی شبانہ روز تک جاری رہی۔ اس میں خود التمش اور احتشام زخموں سے چور ہو گئے مگر مرہٹوں کے زور کو نہ توڑ سکے۔ آخر ایک روز التمش اور راجہ گوالیار کا آمنا سامنا ہو گیا۔ پھر کیا تھا دونوں نے دل کھول کر اپنے اپنے حوصلے نکالے۔ یہاں تک کہ راجہ گوالیار التمش کے گرزِ گراں کی تاب نہ لا سکا اور اس کی ہڈیاں چُور چُور ہو گئیں۔ راجہ کا مرنا تھا کہ اس کی فوج کے پیر اکھڑ گئے اور وہ سراسیمہ ہو کر بھاگی۔ التمش نے دُور تک دشمن کا تعاقب کیا اور جا کر گوالیار پر قبضہ کر لیا۔

اس طرح اس جلیل القدر بادشاہ نے غزنی، بنگال، مانڈو، رنتھمبور، اجین، مالوی، چتوڑ گڑھ اور گوالیر فتح کر کے اپنی سلطنت کو بہت وسیع کر لیا۔ اب پورے ہندوستان میں کوئی اس کا مدمقابل نہ رہا تھا۔ ہر حکمراں کے دل پر اس کی ہیبت بیٹھ گئی تھی اور تمام دشمن اس کے نام سے کانپتے تھے۔

اس فتح کے بعد التمش نے اجین کا رُخ کیا۔ کیونکہ راج کماری چندرا کے سوئمبر میں شرکت کرنا تھا لیکن احتشام نے کوئی عذر کر کے اپنے بادشاہ سے معیت کی معذرت چاہی اور دہلی کا رُخ کیا۔ عادلہ نے بھی اپنے چہیتے شوہر کا ساتھ دینا چاہا مگر احتشام نے اس کو سوئمبر میں شریک ہونے کی اجازت دے دی۔

"تم اسی وجہ سے تو راج کماری کے سوئمبر میں شرکت نہیں کرنا چاہتے کہ اس کے کسی کو منتخب کرنے کے نظارہ کی تاب نہ لاسکو گے۔" عادلہ نے مسکرا کر کہا۔

یہ احتشام کی دُکھتی رگ تھی مگر ہنستا ہوا بولا:

"نہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ اگر اس نے میرے گلے میں جے مالا ڈال دی تو تم جل اُٹھو گی۔"

"میں کیوں جلنے لگی۔ مجھے تو اس وقت بھی جلن نہیں ہوئی جب تم خواہ مخواہ قیدی بنے ہوئے ایک کوٹھری میں جا کر مقیم ہو گئے تھے تاکہ راج کماری سے روزانہ تمھاری پوشیدہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہے۔" عادلہ نے اُسے چھیڑنے کو کہا۔ احتشام ہنسنے لگا۔

"بہرحال یہ طے ہے کہ تم کو میرے ہمراہ اجین چلنا پڑے گا اور اپنی راج کماری کے سوئمبر میں شریک ہونا پڑے گا۔ ابا حضور اور باجی تک شرکت کر رہی ہیں۔ اس لیے اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ تم شریک نہ ہو۔"

"خیر تم نہیں مانتی ہو تو چلا چلوں گا۔ مشکل تو یہ ہے کہ تم سے جدا بھی تو نہیں ہو سکتا کہ تم اجین جاؤ اور میں دہلی۔"

"میں خود اب ایک پل کے لیے تمھیں اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں دیکھ سکتی۔" عادلہ نے اپنے شوہر کی گردن میں ہاتھ حمائل کر کے کہا۔

غرض سب اجین کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر التمش نے ہرکاروں کے ذریعہ دہلی حکم روانہ کیا کہ راج کماری کو جہیز میں دینے کے لیے بہت سا بیش بہا ساز و سامان بہت جلد اجین روانہ کیا جائے۔ چنانچہ سوئمبر سے تین روز پیشتر التمش اجین جا پہنچا۔ راجہ نے شہر سے کئی میل آگے بڑھ کر اس کا شاہانہ استقبال کیا اور تزک و احتشام سے سجے سجائے محل میں لا کر اس کو مقیم کیا۔ دوسرے روز دہلی سے زر و جواہر اور قیمتی تحائف بھی آ گئے اور راج کماری کو عطا کیے گئے۔ ان کو دیکھ کر راج کماری اور اس کا والد پھڑک اٹھے۔

آخر سوئمبر کا دن بھی آپہنچا۔ اس دلچسپ رسم کا راجہ نے بڑا عظیم الشان اہتمام کیا تھا۔ محل کے سامنے والا سرسبز و دلکش میدان دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ جس پر سے جتیس راج کماری کے خواہاں، راجپوت شہزادے صبح ہی سے آ کر گھوڑے کدانے لگے تھے۔ کل سات ریاستوں کے راجاؤں اور راج کماروں نے راج کماری کے دستِ نیکیں کی طلب میں شرکت کی تھی۔

آج شہر میں بھی بڑی گہما گہمی اور چہل پہل تھی۔ خلقت اپنی راج کماری کے سوئمبر کا تماشا دیکھنے صبح ہی سے جمع ہونی شروع ہو گئی تھی۔ ادھر چلمن کے پیچھے رضیہ و عادلہ ایک جھروکے میں راج کماری کو پکڑ لائی تھیں تا کہ وہ قبل از وقت غور سے اپنے عشاق راج کماروں اور راجاؤں کی صورتیں دیکھ لے اور جانبازانہ کرتب بھی۔

''بولو راج کماری آپ کو ان ساتوں میں سے کون سا آدمی مرغوب معلوم ہوتا ہے؟'' رضیہ نے مسکرا کر راج کماری سے دریافت کیا جو دلہن بنی ہوئی سرتاپا جواہرات میں غرق تھی۔ راج کماری لجا کر چپ ہو گئی۔

''اب بولتی کیوں نہیں۔ تھوڑی دیر میں آخر تمہیں ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ اگر اسی طرح شرم کی پڑیا بنی رہیں تو کیسے کسی کے گلے میں مالا ڈالو گی؟'' عادلہ نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''آپ بتایئے شہزادی۔ آپ کو کون سا بھلا معلوم ہوتا ہے؟'' آخر راج کماری نے عادلہ سے کہا۔

''لو، میں کیا بتاؤں۔ یہ معاملہ خالص تمہاری اپنی پسند کا ہے۔'' شہزادی نے مسکرا کر کہا۔ نیچے والے راجاؤں کو معلوم نہ تھا کہ اس وقت تین آفتاب حسن ان کا معائنہ کر رہے ہیں۔ پھر بھی ساتوں خواہاں اپنی سج دھج میں کافی طرح دار نظر آ رہے تھے۔

''اچھا عادلہ تم بتاؤ۔'' اس بار راج کماری نے عادلہ سے کہا۔

"بتاؤں میں۔" عادلہ نے کہا۔ "ہمیں تو وہ پسند ہے۔" اس نے احتشام کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ احتشام صاحب بھی مشتاقانہ اپنا گھوڑا لیے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے اور متمنی تھے کہ انھیں بھی صرف اپنی شہسواری، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے جوہر دکھانے کا موقع مل جائے۔ احتشام کی طرف عادلہ کے اشارہ کرنے میں راج کماری کو چھیڑنے کا پہلو مضمر تھا۔ راج کماری نے حسرت سے احتشام کی طرف دیکھا اور اندوہ سے مرجھا سی گئی۔ رضیہ چونکہ راج کماری اور احتشام کی حسرت نصیب محبت سے بالکل نابلد تھی اس لیے اس کی سمجھ میں مطلق نہ آیا کہ عادلہ نے کس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اشتیاق سے گردن اونچی کر کے دیکھنے لگی مگر اب بھی عادلہ کا اشارہ کردہ نوجوان اسے نظر نہ آیا۔

"کس کی طرف تم نے اشارہ کیا تھا عادلہ، میں سمجھ نہ سکی۔ وہاں تو تمھارے احتشام صاحب کھڑے ہیں۔" آخر شہزادی نے کہا۔

"آپ انھیں کو سمجھ لیجیے۔" عادلہ نے شرارت سے کہا۔ رضیہ ہنسنے لگی۔

"پگلی!" رضیہ نے کہا۔ پھر بولی۔ "مگر کہنا پڑے گا راج کماری برا نہ ماننا تمھارے ان ساتوں عشاق میں ہمارا سردار احتشام علیحدہ چمکتا نظر آ رہا ہے اور وہ بہادری میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ وہ تو یہ عادلہ پہلے سے اس پر قبضہ کر بیٹھیں ورنہ تمھارے والد سے کہہ کر احتشام کو بھی تمھارے سوئمبر میں حصہ لینے کی اجازت دلوانے کی کوشش کرتی۔"

"آپ بھی باتیں غضب ہی کرتی ہیں۔ انھیں کس طرح اجازت مل سکتی تھی۔ باوجود اس قدر میل ملاپ کے یہ لوگ ہم کو اپنے سے بہت دُور سمجھتے ہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"چپ رہو عادلہ۔ ملک کے لیے اس وقت نمک پاشی نہ کرو۔" راج کماری نے چپکے سے عادلہ سے کہا۔

"ہاں تو راج کماری بتاؤ نا، ان میں سے کون سا جانچا تم نے؟" رضیہ نے پھر کہا۔

"شہزادی آپ اپنی شادی کب کریں گی۔ جتنی سندر آپ ہیں اس کے پیش نظر تو

آپ کے لیے کوئی ایسا ہی آدمی ہونا چاہیے۔" راج کماری نے کہا۔

"کیا خبر۔" رضیہ نے جواب دیا اور چند لمحات کے لیے گم ہوگئی۔

"ان کو تو کوئی فرشتہ بھی نہیں جیت سکتا راج کماری۔" عادلہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر بولی۔ "اچھا چندرا یہ تو بتاؤ کہ تم اپنے انتخاب میں کن کن باتوں کو پیش نظر رکھو گی؟ کیا یہ دیکھو گی کہ یہ بڑی ریاست کا راجہ ہے، یہ دولت مند راج کمار ہے؟"

"نہیں۔ میں یہ دیکھنا پسند کروں گی کہ عادات و خصائل میں فلاں شخص کس حد تک عالی ظرف ہے۔ افسوس اس کی تحقیق کے مجھے مواقع نہیں دیے گئے، اس لیے یہ دیکھوں گی کہ فلاں کس قدر جری و صلح پوش ہے کیونکہ بہادر آدمی اکثر نیک خصلت ہوتے ہیں۔ اس کے بعد صحت اور شکل و صورت کو دیکھوں گی۔" راج کماری نے جواب دیا۔

غرض تھوڑی دیر بعد شاندار پنڈال میں راجپوت سردار جمع ہونے شروع ہوئے اور حسب مراتب مقام پر بیٹھتے گئے۔ اس کے بعد التمش اور راجہ کی سواری آئی۔ تمام درباری سروقد تعظیم بجا لائے۔ بادشاہ وسط میں ایک کرسی زرنگار پر متمکن ہوا، اس کے داہنی طرف راجہ نے جگہ لی۔ پھر آج کی حسین دلہن اور شہزادی و عادلہ کی طلبی ہوئی۔ چنانچہ یہ تینوں ماہ پارے کنیزوں کے جھرمٹ میں دربار میں آئیں۔ لوگوں نے اپنی راج کماری کے حسن کو پہلے بھی دیکھا تھا مگر اس وقت تو وہ قیامت بنی ہوئی تھی اور جب ان کی نظر شہزادی کے رُخِ تاباں پر پڑی تو ہزاروں آنکھیں حیران ہو کر رہ گئیں۔ حتیٰ کہ راج کماری کے ساتوں عشاق بھی دنگ ہو گئے۔ ادھر عادلہ کی برق پاشی سے آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔

آخر چند منٹ بعد توپیں سر ہونے لگیں۔ یہ رسم کے آغاز کا اعلان تھا۔ ساتوں نوجوان جوش مسرت سے لبریز ہو گئے اور اپنے اپنے جوہر دکھانے اکڑتے ہوئے میدان میں اتر آئے۔ احتشام کا دل مچل رہا تھا کہ اسے بھی اپنے سپاہیانہ کرتب دکھانے کا موقع ملے مگر سوال اجازت کا تھا۔ آخر صفوں کو چیرتا ہوا دست بستہ اپنے آقا کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ التمش

نے سر اونچا کر کے اس کی طرف دیکھا اور آنکھوں میں التجا و اشتیاق پڑھ کر مقصد سمجھ گیا۔ چنانچہ اس نے راجہ سے اس کی خواہش کا اظہار کیا۔ ہر چند یہ رسم کے خلاف تھا مگر چونکہ اپنے محسن و مہمان بادشاہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا تھا۔ وہ چند لمحات کے لیے تردد میں مبتلا ہو گیا۔ آخر اس نے احتشام کو اجازت دے دی۔

احتشام کو اجازت ملنے کو تو مل گئی مگر اس کی شرکت پر ساتوں راجاؤں نے اعتراض کیا ... ن کو راجہ التتمش نے طریقے سے سمجھا دیا تھا کہ احتشام کی شرکت کا رسم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ راج کماری کا خواہاں نہیں ہے۔ ابھی یہ مسئلہ اچھی طرح طے بھی نہ ہوا تھا کہ اب کے خود راج کماری نے احتشام کی شرکت پر اعتراض کیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ احتشام اس موقع پر اپنے زیادہ بہتر سپاہیانہ ہنر دکھا کر سوئمبر میں حصہ لینے والوں پر فوقیت لے جائے۔ چنانچہ اُسے معترض پا کر شہنشاہ اور راجہ دونوں کو خاموش ہو جانا پڑا۔

تھوڑی دیر بعد ساتوں نوجوانوں نے اپنے اپنے بڑھ بڑھ کر جوہر دکھانے شروع کیے۔ اس سوئمبر کا انعام چونکہ بڑا بیش بہا تھا اس لیے ہر ایک نے اپنے کمالات کے مظاہرے میں جان کی بازی لگا دی۔ التتمش نے سب کو داد دی۔ راجہ بھی خوش ہوا لیکن خود دلہن بدستور سنجیدہ بیٹھی تھی۔ ہاں رضیہ و عادلہ دلچسپی سے تماشا دیکھ رہی تھیں اور دونوں نے ... اندازہ لگا لیا کہ احتشام کا شریک نہ ہونا اچھا ہوا کیونکہ وہ اس کے کمالات سے باخبر تھیں۔ جب شمشیر و سناں کی داستاں ختم ہو گئی تو حُسن کے گردش کرنے کا موقع آ گیا لیکن راج کماری اب تک انتخاب کا فیصلہ نہ کر سکی تھی۔ اس کے بلند معیار تک افسوس ان ساتوں ... مابازوں ... سے کوئی نہ پہنچ سکا تھا مگر چونکہ رسم منعقد کی جا چکی تھی اس لیے اب راج کماری کو "نا ... ں آ ... میں سے اپنا جیون ساتھی چننا تھا اگر وہ سب کو مسترد کر دیتی تو اس کے

... ے کر ... نا پڑا۔ ... اتوں نوجوان ایک صف

میں کھڑے تھے۔ ان کے دل دھڑک رہے تھے کہ دیکھو انتخاب عمل میں آتا ہے یا نہیں۔
جن جن بدنصیبوں کے گلے میں مالا ڈالے بغیر وہ گزر گئی ان کے منہ فق ہو گئے تھے اور دل
بیٹھ گئے تھے۔ ایک بار راج کماری بغیر کسی کے گلے میں ہار ڈالے ساتوں جوانوں کو عبور کر
گئی۔ اس پر احتشام، راجہ اور دونوں شہزادیاں بھونچکی رہ گئیں۔ آخر وہ پھر پلٹی اور تیسرے
نمبر کے نوجوان کے قریب پہنچ کر ذرا ٹھٹکی۔ ایک سیکنڈ کے لیے اس نے احتشام کی طرف نظر
پھینکی، اس کے بعد چوتھے نمبر کے گلے میں آخر بے دلی سے مالا ڈال دی۔ نوجوان خوشی
سے بے قابو ہو گیا۔ سب طرف سے مبارک باد کا غلغلہ بلند ہوا۔

۴۷

آخر راج کماری پرائی ہو گئی اور احتشام بظاہر اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے خارج
ہو گیا۔ یہ اس کی زندگی کی ٹریجڈی تھی۔ شاید ٹریجڈی ہی کا دوسرا نام زندگی ہے۔ راجہ نے
دوسرے روز بڑے اہتمام سے دعوت کا اہتمام کیا جس میں تقریباً تمام شہری مدعو تھے۔
مسترد نوجوان اپنا سا منہ لے کر ناکام اسی روز لوٹ گئے تھے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ
راج کماری کو اغوا کر لیتے۔

اسی روز راج کماری کی سہاگ رات تھی۔ چند روز پہلے رضیہ کے علم میں ایک شبِ عروسی
اور آئی تھی۔ وہ رات احتشام و عادلہ کی ہم آغوشی کی رات تھی۔ آج راج کماری کی سہاگ
رات اس کے علم میں آئی تھی۔ اس سے بھی وہ عورت کی حیثیت سے قدرے متاثر ہوئی تھی۔
عورت مرد کے عجیب تعلقات ہیں۔ صدیاں ان پر گزر گئیں مگر ٹوٹتے ہی نہیں۔ فطرت بڑی
دقیانوسی واقع ہوئی ہے۔

احتش تو سیدھا دہلی چلا گیا مگر رضیہ، عادلہ اور احتشام نے بنگال کا رخ کیا۔ اس زمانہ
کے سفر میں کیسے لطف آتے ہوں گے مگر صرف ان کو جنھیں مسافت کو پُر آسائش بنانے کے

ذرائع حاصل ہوں گے۔ ورنہ عام آدمی کے لیے تو سفر قیامت ہوگا۔ ہر وقت جان کا خوف، کچے راستے، کہیں میلوں تک پانی لاپتا۔ آج مہینوں کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شاید انسان کی عمر بھی گھٹتی جاتی ہے۔

رضیہ نے ابھی چند منزلیں طے کی ہوں گی کہ اس کی طبیعت خراب ہوگئی۔ شاید رضیہ نے جوان ہونے کے بعد سے ایک لمحہ بھی تعطل کا نہ گزارا ہوگا۔ اول تو اس کے خود کا تمام عہد حکومت حرکت و مہمات سے گھرا ہوا رہا تھا۔ دوم رضیہ نے کاہل طبیعت بھی نہیں پائی تھی۔ جنگ و جدال چڑھائیاں اور حملے بس شہزادی کے محبوب مشاغل بھی تھے۔ ہر چند جوان اور چڑھتا خون تھا مگر کسی قدر سکون و راحت کی وقتی ضرورت سب کو لاحق ہے۔ شہزادی مسلسل محنت و جفاکش کی وجہ سے بیمار پڑ گئی۔

مگر اس پر کسی خاص بیماری کا حملہ نہ ہوا تھا۔ صرف تکان نے آدبوچا تھا۔ اس لیے اسے برائے چندے آرام کرنے کی ضرورت۔ اسی وجہ سے اسے بنگال جانے کا ارادہ ملتوی کر کے قصبہ مانڈو کی صحت بخش بستی کا رُخ کیا۔

"ہم بھی آپ کے ساتھ مانڈو چلیں گے باجی۔" عادلہ نے کہا۔

"کیوں ظاہرداری کر رہی ہو۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ اپنے چہیتے میاں کے ساتھ جلد بنگال پہنچو۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"مگر پہلی محبوب تو آپ ہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"تب ہی تو ہمیں چھوڑ کر دوسرے کی ہو گئیں تم۔" رضیہ نے کہا۔

"اب تو اللہ سے دعا ہے کہ جلد آپ کے سہرے کے بھی پھول کھلیں۔" عادلہ نے کہا۔ رضیہ چپ ہو گئی۔ ذرا وقفہ کے بعد بولی:

"عادلہ ممکن ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو مگر میں نے چندرا کے سوئمبر میں کچھ ایسا محسوس کیا جیسے اس نے دل پر جبر کر کے شوہر کا انتخاب کیا ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ پہلے سے کسی اور کو

چاہتی تھی۔" اس کے جواب میں اس بار عادلہ خاموش ہو گئی۔

"کیا تمہیں محسوس نہیں ہوئی یہ بات؟" شہزادی نے اسے خاموش پا کر پوچھا۔

"ہوئی تو تھی۔" آخر عادلہ نے جواب دیا۔ آخر رضیہ نے راج کماری کا حالِ دل تاڑ ہی لیا۔ عادلہ نے دل میں کہا مگر چونکہ وہ اپنے شوہر اور راج کماری کے معاملات دل پر سے پردہ نہیں اُٹھانا چاہتی تھی اس لیے بات کا رُخ پلٹتی ہوئی بولی:

"اچھا تو ہم چلیں نا آپ کے ہمراہ مانڈو؟"

"نہیں عادلہ تم میری وجہ سے اپنی تفریحات کا حرج نہ کرو۔ اس کے علاوہ میں مانڈو میں برائے چندے سب کے لیے گم ہو کر رہنا چاہتی ہوں۔"

"کیا اپنے لیے بھی؟" عادلہ نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"کیا اچھا ہو کہ اپنی ذات کے لیے بھی گم ہو جاؤں مگر یہ ناممکن ہے۔"

دو چار روز کے بعد آخر رضیہ اپنی ایک دو کنیزوں اور مختصر سی سپاہ کے ساتھ مانڈو کی طرف روانہ ہو گئی۔ احتشام و عادلہ نے بنگال کا رُخ کیا۔ دونوں کی باہمی محبت اور انجذاب کا یہ عالم تھا کہ انھیں ایک دوسرے کی جدائی ذرا گوارا نہ تھی اور احتشام نے راج کماری کی طبع خیز محبت قبول نہ کر کے عادلہ کو مکمل طور پر جیت لیا تھا اور وہ اس پر ناز کرنے لگی تھی۔

التمش نے بنگال میں احتشام کو ایک بڑی جاگیر عطا کر دی تھی تاکہ اس کی منہ بولی بیٹی کا شوہر اپنی بیوی کو عیش و آرام کی زندگی بخش سکے۔ عیش کی عادی نہ تو عادلہ تھی نہ احتشام۔ اب بھی دونوں میاں بیوی سپاہیانہ زندگی گزار رہے تھے اور ہر مہم پر اپنے بادشاہ کے ساتھ ہوتے تھے۔

مانڈو پہنچ کر رضیہ نے بڑا سکون محسوس کیا۔ دراصل وہ شب و روز کی ہماہمی، آتشیں زندگی، جدال و قتال اور شاہانہ ناز و نعم کے ماحول سے اُکتا گئی تھی، اس لیے چاہتی تھی کہ برائے چندے سادہ زندگی گزارے جس میں غلاموں اور کنیزوں کی یورش ہو، نہ شاہانہ

ٹھاٹ باٹ اور نہ خونِ انسانی کی بو۔ بس اپنی نیند سوئے اپنی نیند جاگے۔ ایسی زندگی بھی بڑی قابل رشک ہوتی ہے مگر افسوس ہاتھ نہیں آتی۔

التمش کے مقبوضہ ممالک میں رنتھمبور اور مانڈو کے درمیان نسبتاً کم فاصلہ تھا۔ اس لیے گاہے انتظام کے سلسلہ میں کبھی نظام سے ملنے وہاں التونیہ بھی آ جایا کرتا تھا۔ اس کو جو اطلاع پہنچی کہ شہزادی خرابیِ صحت کی بنا پر آج کل مانڈو آئی ہوئی ہے تو رسماً مزاج پرسی کو پہنچنے کا ارادہ کرنے لگا۔ دراصل شیر کے شکار والی شب کو شہزادی نے چند تلخ الفاظ زبان سے ادا کر کے التونیہ کے دل میں ایک کیل سی ٹھوک دی تھی۔ اس کے خادمانہ جذبات کا رُخ کسی دوسری سمت پلٹنے لگا تھا مگر وہ خاموش تھا۔

رضیہ کو اپنے الفاظ کا افسوس ہوا تھا مگر ان کو واپس لینے میں ہتک تھی اس لیے تیر لگا کر اس کو جسم میں پیوست ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ رضیہ اس کے اکھڑپن اور گستاخانہ طرزِ عمل سے ناخوش ہو جاتی تھی مگر جب کبھی کچھ عرصہ بعد تنہائی میں یونہی خیال آ جاتا تو نامعلوم کب اور کس طرح معاف کر دیا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس سے خفا ہو کر نہ رہ گئی تھی۔

آخر چند روز بعد التونیہ مانڈو آ پہنچا۔ شام کا وقت تھا۔ لطیف اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چھوٹا قصبہ ہونے کی وجہ سے شور و شغب نہ تھا بلکہ ایک سکوت سا ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ آتے ہی التونیہ شہزادی کی مزاج پرسی کو حاضر ہوا۔ اس وقت شہزادی گھوڑے پر کہیں سیر و تفریح کو جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ التونیہ حالانکہ اس سے بدمزہ ہو چکا تھا اور دل سے مزاج پرسی کو نہیں آیا تھا مگر اس قیامت خیز صورت کا نظر آ جانا تھا کہ جیسے دل کی تمام ماہیت بدل کر رہ گئی۔ وہ صراحی دار سپید گردن سے لپٹی ہوئی سیاہ کاکلیں جو گلنار سے رخساروں کو ہوا سے چومنے لگی تھیں، وہ آنکھیں جن پر نرگس قربان ہو ہو کر بیمار ہو گئی تھی وہ جادو اثر تمکنت اور آفتاب کا جلال و جمال۔ التونیہ ایک ہی نظر میں کلیجہ تھام کر رہ گیا۔ پھر طوعاً آداب بجا لایا۔

"ملکۂ خوباں کے کیسے مزاج ہیں اب؟" آخر اس نے مزاج پرسی کرتے ہوئے کہا۔ خطاب میں چونکہ اب بھی ایک ایسی چھیڑ سی تھی جس کی شہزادی عادی نہ تھی اس لیے اس نے التونیہ کے والہانہ کلمات کو اس بار بھی گستاخ سمجھا لیکن خفگی کا اظہار نہیں کیا۔

"سب خیریت ہے؟" آخر رضیہ نے سیاسی قسم کی گفتگو کا آغاز کرنا چاہا۔

"ہم سخت جانوں کو کیا ہوتا ہے۔" التونیہ نے جواب دیا۔

"میرا مقصد یہ تھا کہ ملک میں تو سب خیریت ہے نا۔" رضیہ نے اس کے جواب کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ پھر گھوڑا بڑھا کر روانہ ہونے لگی۔

"کیا آپ شکار کو جا رہی ہیں؟"

"نہیں صرف ہوا خوری کو۔" شہزادی نے جواب دیا۔

"تنہا؟" التونیہ نے پوچھا۔

"کہیں چڑھائی تو کرنی نہیں ہے کہ لشکر لے کر روانہ ہوتی۔" رضیہ نے سرد مہری سے کہا۔

"کیا مجھے ہم رکاب ہونے کا شرف نہیں بخشا جائے گا۔" التونیہ نے کہا۔ یہ شاید اس نے پہلا نیازمندانہ کلمہ ادا کیا تھا جس میں گستاخی تھی نہ چھیڑ۔ شہزادی نے بھی اسے پسند کیا۔

"اس وقت جی سکون چاہتا ہے اس لیے کسی کی معیت کی خواہاں نہیں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ راہ میں کوئی نا ملائم کلمہ زبان سے نہیں نکالوں گا۔ آپ کی طبیعت تو پہلے ہی ناساز ہے، میں اپنی باتوں سے آپ کو پریشان کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"اچھا تو آیئے اور وعدہ پر قائم رہیے۔" رضیہ نے کہا۔ دونوں روانہ ہوئے۔ پیچھے پیچھے ایک اور سوار ساتھ ہو لیا۔

"لیکن آگے چل کر ایک دو باتیں کہنے کے لیے اجازت کا طالب ہوں گا۔" التونیہ نے کہا۔ شہزادی نے جواب نہیں دیا۔ نہ باتوں کی نوعیت معلوم کی۔ بہت دیر تک دونوں

اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ جنگ کے درمیان رضیہ نے جلد اندازہ لگا لیا کہ اگر التونیہ پر اپنی وحشت کا بھوت سوار نہ ہو تو وہ صرف ایک مہذب انسان ہی ہے بلکہ کافی ذہین و زیرک بھی ہے۔ رضیہ کو فطرت جبی کا ملکہ تھا۔ اس نے التونیہ کے پچھلے ناشائستہ سے اطوار کے باب میں سوچا کہ ان کا محرک کوئی یاسیت و مایوسی ہے۔ اس بے کس کو مجھ سے محبت ہو گئی معلوم ہوتی ہے۔ جس پر ہمیشہ قنوط چھایا رہا اور اس کی وحشت کو ابھارتا رہا لیکن جب اس سے سیدھے سے بات کر لی جاتی ہے تو یہی تیز حالو سیدھا ہو جاتا ہے۔

"باتیں کیجیے شہزادی۔ آپ تو ایکا ایکی چپ ہو گئیں۔" التونیہ نے اسے خاموش پا کر کہا۔ "آپ کو خوشگوار آواز سے ممکن ہے ہوائی لہریں بھی ترنم برسانے لگیں۔"

ان کلمات سے شہزادی کے لبوں پر ہلکا سا تبسم آ گیا۔ بات پلٹنے کے انداز میں بولی:

"آپ بتا سکتے ہیں کہ جنگلوں میں خود بخود آگ کیوں لگ جاتی ہے؟ دیکھیے داہنی طرف کے جنگل میں آگ لگی ہوئی ہے۔"

"اگر آپ کے رونما ہوتے ہی یہاں آگ لگ جاتی تو اس کا فقط ایک جواب ہو سکتا تھا۔" التونیہ نے کہا۔ رضیہ اس کا کنایہ سمجھ گئی تھی مگر نہ سمجھنے کا حیلہ کرتی ہوئی بولی۔

"کیا؟"

"یہ کہ جلوہ ہونا چاہیے۔ ہر جگہ طور بن سکتا ہے۔" التونیہ نے کہا۔

"عقلی وجہ بتائیے۔ یہ تو مہمل جواب ہوا۔" رضیہ نے کہا۔

"جنگلوں میں از خود آگ لگ اٹھنے کی روشن وجوہات دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب کوئی بڑی سی چٹان تیزی سے لڑھکتی ہوئی نیچے آتی ہے تو اس کے پاس کے بڑے پتھروں سے ٹکرانے کی وجہ سے چقماق کی طرح اس سے شرارے جھڑتے ہیں جو خشک گھاس پر پڑنے سے آگ لگا دیتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی خشک درخت کی ملی ہوئی خشک بڑی ٹہنیاں تند ہوا سے آپس میں رگڑ کھاتی ہیں اور جل اٹھتی ہیں۔" التونیہ نے کہا۔

"یہی بات معلوم ہوتی ہے۔" رضیہ نے اس کی توجیہ کو تسلیم کرتے ہوئے کہا۔
"اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے۔" التونیہ نے کہا۔
"وہ کیا؟"
"یہ کہ ضبط کی ہوئی ناامیدیاں انسان کی آہوں کو شرربار کرتی ہیں۔" التونیہ نے کہا۔
"اب یہ آپ پھر مہمل توجیہ کی طرف آ گئے۔ اگر ایسا ہے تو ہم تو جب جانیں کہ کوئی اس دوسری طرف آنے والے ہرے بھرے جنگل میں اپنی آہ سے آگ لگا دے۔"
"لیکن آہ حکیمہ شرربار نہیں ہو جاتی بلکہ مایوسیوں کی آگ پہلے انسانی آپے کو جلاتی ہے۔" التونیہ نے کہا۔ اس جواب سے رضیہ چپ ہو گئی۔

۴۸

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ التمش اپنی زندگی کے مقدس مشن کی تکمیل کر چکا تھا۔ اس نے ہندوستان میں ایک وسیع و مستحکم اسلامی حکومت قائم کر کے اپنے بعد آنے والے مسلمان سلاطین کے لیے ایک زریں نظام کی مثال قائم کر دی تھی۔ اس کے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ تمام راجپوتانہ، بنگال اور پنجاب اس کے نام سے کانپتا تھا۔ سازش تو کجا کوئی کانا پھوسی کی جرأت تک نہیں کر سکتا تھا۔

آخر 1335ء کا منحوس سال آ گیا۔ چنانچہ چند روز بیمار رہ کر اس جلیل القدر بادشاہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ التمش کی موت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ پورے ہندوستان کے لیے ایک سانحۂ عظیم تھا۔ اس بارعب و مدبر بادشاہ کی رحلت کے چند روز بعد ہی تمام فتنہ ہائے خوابیدہ آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگے۔ دبے ہوئے مخالفین اور جاگیرداروں نے سرکشی شروع کر دی اور بعض بڑے تعلق داروں نے تو علم بغاوت بلند کر دیا۔

ان تشویش ناک حالات میں فوری ضرورت تھی کہ کوئی التمش ہی جیسا جاہ و جلال والا

حکمراں تخت نشین کیا جاتا، جو تدبر و سیاست میں بھی اتنا ہی طاق ہو۔ اس کی قائم مقامی صرف رضیہ ہی کر سکتی تھی جس کو اپنی حیات ہی میں وہ اپنا جانشین بنا گیا تھا مگر اس کی تخت نشینی کے امرائے سلطنت صرف اس وجہ سے مخالف تھے کہ ایک عورت کی تابعداری کو وہ ذلت سمجھتے تھے۔ لہٰذا رضیہ کے بجائے انھوں نے رکن الدین کو تخت پر بٹھا دیا۔

رکن الدین اپنے باپ کی حیات ہی میں اپنی نااہلی کا ثبوت دیتا رہتا تھا۔ تدبر تو کجا وہ معمولی ذمے داری تک سنبھالنے سے قاصر تھا۔ اس پر عیش کوشی و عیاشی الگ۔ دہلی کا سنگین تخت ایسے رنگین مزاج و ملائم بادشاہ کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ چند ہی روز میں ہر طرف بغاوتیں اٹھنے لگیں۔ آخر رکن الدین کو معزول کر دینا پڑا اور اس کی جگہ اس کے دوسرے بھائی علاؤ الدین کو تخت نشین کیا گیا۔

علاؤ الدین بھی آخر رکن الدین ہی کا بھائی تھا۔ چند ہی روز بعد اس نے بھی گل کھلانے شروع کیے اور بہت جلد سب پر اپنی نااہلی ثابت کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خفا ہو کر امرا نے اس کو بھی تخت سے اُتار دیا اور اس کی جگہ التمش کے بھتیجے کو گدی پر بٹھایا۔ یہ بھتیجا تو بالکل ہی گیا گزرا ثابت ہوا۔ بادشاہ ہوتے ہوئے اس نے اپنے ہی دشمنوں سے ساز باز شروع کر دی۔ آخر قتل کر دیا گیا۔ اب ملک میں چونکہ چو طرف ابتری پھیلنے لگی تھی اس لیے آخر میں سب کی نظریں حسین و مدبر شہزادی کی طرف گئیں اور اسے 1339ء کے اواخر میں تخت نشین کر دیا گیا۔

رضیہ نے اگرچہ صرف چار سال حکومت کی مگر اپنے مختصر دورِ حکومت میں اسے اپنے قابل باپ کے بلند مقصد کو ازسرِ نو زندہ کر دیا۔ تمام اصلاحی پروگراموں کو پھر سے سنبھالا۔ جاگیرداروں کا زور توڑا۔ فوج کو مضبوط کیا اور دور دور کے باغیوں کو کچل دیا مگر پھر بھی دربار کے امرا اس سے ناخوش تھے کیونکہ وہ نہ صرف بے پردہ دربار میں آتی تھی بلکہ مردانہ لباس میں یہ ملکہ ہندا اپنی تمام قلمرو کا دورہ بھی کرتی تھی۔

"ملکہ باجی کو آداب۔" رضیہ کی تخت نشینی کے تقریباً چھ ماہ بعد عادلہ بنگال سے آئی تھی۔

"ارے تم غیر متوقع کیسے ٹپک پڑیں۔" رضیہ نے اسے دیکھ کر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آپ چپ چاپ اتنی سلطنت کی ملکہ بن بیٹھیں مگر اس تقریبِ عظیم میں ہمیں پوچھا بھی نہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"کیسی تقریب اور کہاں کی تقریب۔ بادشاہت تو ایک عذاب ہے عادلہ۔ میں اپنی شہزادگی کے زمانے کو یاد کرتی ہوں تو اسے بڑے سکون چین کا دور پاتی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"پریشان نہ ہوں۔ تمام حالات جلد بہتر ہو جائیں گے۔" عادلہ نے کہا۔

"مجھے باہر کے حالات کی زیادہ فکر نہیں۔ تشویش ہے تو اپنے گرد و نواح سے ہے۔ تم اتنی دور چلی گئی ہو کہ اپنے دل کا حال کسی سے کہہ نہیں سکتی۔"

"خیر تو ہے باجی، کیا حالات پیدا ہو گئے یہاں؟"

"میرا سب سے بڑا مخالف تو ملا لوگوں کا طبقہ ہے۔ جس کو میری حکومت ہی سے انکار ہے، دوسرے میرے بھائی ہیں جو ہر دم میرے خلاف حکومت کے دشمنوں سے سازش کرتے رہتے ہیں۔ تیسری چیز افسوس میری صورت ہے۔ میری وجہ سے کئی افسروں اور امرا میں باہم شدید رقابت پیدا ہو گئی ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اس کی ہو جاؤں۔" ملکہ نے کہا۔ اس المناک صورت حال سے عادلہ کو بھی رنج ہوا مگر اس کے آخری الفاظ پر وہ مسکرا دی۔

"تو پھر ہو کیوں نہیں جاتی کسی کی۔" عادلہ نے کہا۔

"ایک تو میرا دل تمہارے دل کی طرح عشق پسند نہیں ہے۔" رضیہ نے مسکرا کر

جواب دیا۔ "دوسرے مجھے اپنی پوری قلمرو میں کوئی ایسا فرد نظر نہیں آتا جو مجھے اچھی طرح سمجھ سکا ہو۔ آج، عادل! میں اپنے سے صدیوں پہلے کی بدنصیب تاجدار عورتوں کے حالات پر غور کرتی ہوں تو اس کی تبدیلی کی ذمے دار خود کو کسی قدر پاتی ہوں۔" رضیہ نے کہا۔

"سو چھا! کس طرح؟" عادلہ نے تعجب سے پوچھا۔

"اب تم سے کیا پوشیدہ رکھوں۔ التونیہ کو دراصل مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اس کی محبت سے ایک عرصے سے باخبر ہوں مگر میں نے اسے ہمیشہ کچلا۔ نتیجہ میں وہ گستاخ و ناشائستہ سا ہو گیا۔ کیونکہ وہ ایک خالص سپاہی آدمی ہے۔"

"کیا آپ نے اپنے سخت دل کو اس کے باب میں کبھی ملائم نہیں پایا؟"

"اس کا میں تمھیں صاف جواب نہیں دے سکتی۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"بس مزید جرح نہ کرو۔" ملکہ نے کہا اور پھر اس کے خوش رنگ لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"باجی تم نے کچھ اور بھی سنا۔ راج کماری چندرا کے لڑکا ہوا ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"اچھا! خوب ہوا اچین کی سلطنت کا وارث پیدا ہو گیا مگر تعجب ہے کہ تمھارے اب تک کچھ نہ ہوا حالانکہ تمھاری شادی راج کماری سے پہلے ہوئی تھی۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے اولاد کی ایسی کوئی حسرت نہیں۔" عادلہ نے کہا۔

"اور تمھارے میاں کو؟"

"وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم فقط دو ہی رہیں۔"

"بڑے خود غرض ہو تم دونوں۔" رضیہ نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا آپ آج کل کہیں چڑھائی نہیں کر رہیں۔ میدان کی جنگ دیکھے ہمیں بہت دن

"جنگ سے امن بہت مبارک چیز ہے عادلہ۔ پھر شکر ہے سلطنت کافی وسیع ہو چکی ہے۔"

"اچھا بنگال کی طرف تو آیئے کبھی۔"

"ابھی دہلی نہیں چھوڑ سکتی۔ ان شاء اللہ اگلے سال تک آؤں گی۔"

"فوج کا سپہ سالار کسے بنائیں گی باجی۔ کئی ماہ سے یہ عہدہ خالی پڑا ہے۔"

"میں نے ابا جان خلد آشیانی سے اس معاملہ میں مشورہ کیا تھا مگر وہ خاموش ہو گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ احتشام اور التونیہ کے درمیان کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ یہی میں اپنی کیفیت پاتی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"تو پھر میں بتاؤں۔ یاقوت کو بنا دیجیے۔ حضور ابا مرحوم کا نہایت معتمد و باوفا آدمی ہے۔" عادلہ نے کہا۔

"لیکن میرے بھائی پہلے ہی مجھے رسوا کرتے ہیں کہ میں یاقوت پر مہربان ہوں۔ اگر ابا زندہ ہوتے تو میں اپنے تہمت لگانے والوں پر شرعی حد لگوا دیتی۔" رضیہ نے کہا۔

"دشمنوں کو بکنے دیجیے۔ آپ تو یہ عہدہ یاقوت کے سپرد کیجیے۔ سب سے پرانا نمک خوار ہے، پھر دیکھیے کہ وہ آپ کے اور ابا حضور کے گرد میدانِ جنگ میں پروانہ وار چکر لگاتا رہتا تھا۔"

"دیکھو غور کروں گی۔ اس سے تمھارے احتشام کی حق تلفی تو نہیں ہو گی؟"

"احتشام صرف خدمت کے قائل ہیں اور عظمت سے بے نیاز۔ ہاں التونیہ کے متعلق نہیں کہہ سکتی۔" عادلہ نے جواب دیا۔

"اس کے متعلق میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔" رضیہ نے کہا۔

بہر حال عادلہ کی تجویز اور خود کے غور و خوض کے بعد وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچی کہ یاقوت ہی کو سپہ سالار بنا دیا جائے۔ چنانچہ اگلے ہفتہ اس نے اعلیٰ عہدے کی تقرری کا فرمان جاری

کر دیا اور یاقوت کو سپہ سالار بنا دیا۔ یہ ملکہ کی حیثیت سے اس کی پہلی فروگزاشت تھی۔

۳۹

اس عہدۂ جلیلہ پر یاقوت کی تقرری کے بعد درباریوں میں چہ مگوئیاں ہونی شروع ہو گئیں۔ جن کو رضیہ کے بھائیوں نے اور ہوا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قلیل مدت میں اطراف و جوانب میں بے اطمینانی سے پھیل گئی۔ امرا آمادۂ سرکشی ہو گئے۔ بنگال میں لوگوں نے سر اٹھایا۔ راجپوتانہ سے بھی اچھی خبریں نہیں آ رہی تھیں۔ ہر چند اس افراتفری کا باعث سپہ سالار کے عہدے پر یاقوت کا تقرر نہ تھا بلکہ خود ملکہ کا ساحر حُسن اس کام کا ذمے دار تھا۔ یہ روشنی طبع اس کے حق میں اب اور بھی زیادہ بلا ثابت ہونے لگی مگر اس جیسی زیرک و مدبر عورت کس طرح محض عقد و لذت عقد کی خاطر کسی ناپسندیدہ شخصیت کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتی۔

کبھی خاموش چاندنی راتوں میں اس کے سامنے ایک کرخت، بے ادب مگر خوش رو اور شیر صفت ایک شخص کا خیال آتا جو دور دراز بھٹنڈے کی جاگیر میں نامعلوم کیا کر رہا تھا۔ رضیہ کے ذہن میں پچھلے ایک دو سال سے التونیہ کا تصور بھی کبھی بھٹکتا ہوا آ جاتا تھا اور نکل جاتا تھا۔ کیونکہ وہ پُراسرار ہو جاتا تھا۔ آخر ایک دن رضیہ نے اس کی طلبی کے متعلق خط لکھنے کا ارادہ کیا چنانچہ دوسرے روز اس کے پاس نیم سرکاری مراسلہ روانہ کیا۔ جس میں تحریر تھا کہ ہماری تخت نشینی کے موقع پر محروسہ ممالک کے تمام امرا اور حاکم حاضر ہوئے مگر تم نہ آئے، کیا بات ہے۔ اب وقت نکال کر جلد آؤ اور ہمیں بھٹنڈے کے حالات سے آگاہ کرو۔

التونیہ کو جو معلوم ہوا کہ ملکہ نے سپہ سالار کا عہدہ یاقوت غلام کے سپرد کر دیا ہے تو اس کو اپنی حق تلفی کا بڑا رنج ہوا اور رضیہ کی بے انصافی سے اس کا دل کدر ہونے لگا تھا۔ اگر اس عہدۂ جلیلہ پر اختشام کا تقرر ہوتا تو وہ صبر کر لیتا مگر یاقوت سے اسے کئی سال قبل دہلی کے

جوہری بازاری سے کدہوگئی تھی۔ اب اسے اپنا حاکم پاکر اس پر رشتہ کشی کا جنون سوار ہو گیا۔

اسی عالم میں التونیہ کو اپنی طلبی کے متعلق رضیہ کا مراسلہ ملا تو اس کی اگلی گستاخانہ موڈ شدت سے اس پر طاری ہو گئی۔ وہ بھی بھول گیا کہ رضیہ اب شہزادی نہیں ہے کہ بے ادبی کو معاف کر دینے کے بجائے اس پر جواباً لکھ بھیجا کہ دہلی آنے کی فرصت نہیں ہے۔ رہا تخت نشینی کے موقع پر میرا دہلی آنے کا سوال تو وہاں آپ کے کرم ہائے بیکراں کو سمیٹنے کے لیے یاقوت موجود تو ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس خط کو پڑھ کر رضیہ کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ یہ صریح باغیانہ جواب تھا۔ بہت دیر تک غم وغصہ سے پیچ وتاب کھاتی رہی مگر ضبط سے کام لیا کیونکہ خط کے مضمون کا انکشاف دوسرے امرا کے حوصلے بڑھا دیتا۔ آخر اپنے سب سے پرانے نمک خوار نظام الدین کو تخلیہ میں طلب کیا۔ نظام نے بچپن سے رضیہ کو گود میں کھلایا تھا۔ اس وقت اپنی آقازادی وملکہ کا چہرہ غصہ سے سرخ دیکھا تو وہ بھی ڈر گیا اور محبت سے بولا:

''کیا بات ہے میری ملکہ بیٹی؟''

''یہ خط پڑھو۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ابا حضور کے بھروسے کے آدمی بھی مجھ سے باغی ہو جائیں گے۔'' ملکہ نے خط اس کے سامنے غصے سے پھینک کر کہا۔

نظام نے جلدی سے خط اُٹھا کر پڑھا۔ ایک دفعہ اس کا جھری زدہ چہرہ متغیر ہوا پھر اصلی حالت پر آ گیا۔ بوڑھا جہاں دیدہ تھا اور کسی فوری جذبہ کے ماتحت ناعاقبت اندیشی سے قدم اُٹھانے کا روادار نہ تھا۔ اس لیے چپ ہو گیا۔

''میں نے تمھیں اس لیے نہیں بلایا کہ بت بن کر کھڑے ہو جاؤ۔'' ملکہ نے اسی غیظ کے عالم میں کہا۔

''میں آپ کو ملکہ ہند سمجھتے ہوئے اس کا جواب دوں یا اپنی آقا زادی تصور کرتے ہوئے کچھ کہوں؟'' آخر نظام نے پوچھا۔

"مجھے تمہارا مشورہ چاہیے خواہ کسی حیثیت سے دو۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"تو آپ مطلق العنان ملکۂ ہند ہیں جو چاہے کیجیے۔" نظام نے کہا۔ اپنے خیر خواہ بزرگ کے ان الفاظ سے رضیہ کا غصہ فرو ہو گیا اور اس نے ملائم لہجہ میں کہا۔

"نہیں اچھے چچا جان مجھے اپنی بچی سمجھ کر جواب دیجیے۔"

"تو سن میری بچی! التونیہ ہمارے تمام عساکر میں سب سے زیادہ بہادر و شجاع آدمی ہے چنانچہ کسی طرا اسے کے ماتحت اس سے بگاڑ کرنا اچھا نہیں۔"

"لیکن اس پر تنبیہ نہیں کی گئی تو اس کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے۔"

"حضور شہنشاہ جنت مکانی ایسے مواقع پر سرکشوں کو پہلے اپنے کرم سے رام کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔"

"میں اس پر کافی کرم کر چکی۔" رضیہ نے کہا اور خود بخود اس کے ضمیر نے دفعتاً ٹوکا کہ خبردار خود کو دھوکا نہ دے۔ "لہٰذا اب سختی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"سختی سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"یہ کہ اگر وہ فوراً حاضر نہ ہوا تو اس پر فوج کشی کر کے گرفتار کر لوں گی۔ پھر اس کو وہی سزا ملے گی جس کا مستحق ایک باغی ہوتا ہے۔" رضیہ نے کہا۔ نظام چپ ہو گیا۔

"سمجھے نا نظام چچا؟" رضیہ نے اسے خاموش پا کر کہا۔

"سمجھا، مگر نتیجے سے ڈرتا ہوں۔"

"نہیں تم التونیہ سے ڈرتے ہو۔ تم پر اس کی قوت کی ہیبت طاری معلوم ہوتی ہے۔" رضیہ نے کہا۔ نظام ہنسا۔

"کاش حضور بادشاہ سلامت زندہ ہوتے۔ وہی تمہارے خیال کی تردید کر سکتے تھے کہ میں کسی انسان سے نہیں ڈرتا۔"

"پھر تمہیں کس نتیجے کا خوف ہے۔"

"یہ کہ تم آپس کے جھگڑوں میں پھنسیں اور تمھارے بھائیوں اور امیروں نے دہلی پر قبضہ کیا۔"

"مجال ہے کسی کی۔" رضیہ نے جوش سے کہا۔

"خیر میں اپنا فرض ادا کر چکا۔ آگے تمھیں اختیار ہے۔" نظام نے کہا اور رضیہ کو خاموش پا کر چلا گیا۔

دوسرے روز اتمامِ حجت کے طور پر رضیہ نے ایک مراسلہ التونیہ کے پاس روانہ کیا، جس میں لکھا کہ اگر تم بیس روز کے اندر اندر دہلی حاضر نہ ہوئے تو سمجھا جائے گا کہ تم باغی ہو۔ اس کے بعد تمھیں باغی کی عبرت ناک سزا کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

چونکہ عادلہ و احتشام واپس بنگال جا چکے تھے اس لیے مشیروں اور تقویت بخش لوگوں کا جہاں تک تعلق تھا، رضیہ تنہا رہ گئی تھی۔ بہر حال التونیہ کو مراسلہ روانہ کرنے کے بعد اس نے افواج جمع کرنی شروع کیں اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔ پندرہ روز گزر گئے نہ تو التونیہ ہی آیا نہ اس نے جواب روانہ کیا۔ اب رضیہ کا غصہ بڑھنے لگا مگر اس کے تحت الشعور میں یہ آرزو جاگزیں تھی کہ کاش وہ کمبخت آ جائے مگر اُسے نہیں آنا تھا نہ آیا۔

بیس روز بھی ختم ہو گئے اور اُن پر مزید اڑتالیس گھنٹے گزر گئے لیکن بھٹنڈے کی راہ خاموش پڑی سسکتی رہی۔ اس طرف سے کوئی نہ آیا۔ اب تو ملکہ ہند کے وقار کو ٹھیس لگی۔ اس کمبخت نے تو شاہی پیغام کی بھی تذلیل کر کے رکھ دی۔ سرکش، باغی جائے گا کہاں بچ کر۔ رضیہ نے طیش کھاتے ہوئے دل میں کہا اور دوسرے ہی روز فوج لے کر بھٹنڈے پر چڑھ دوڑی۔ اس فوج کا سپہ سالار یاقوت تھا اور رضیہ روحِ رواں۔

التونیہ کو خبر لگی کہ ملکہ ہند فوج لے کر آ رہی ہے تو وہ بھی فوراً کیل کانٹے سے لیس ہو گیا۔ اطاعت کیسی۔ اس کا قصور یہی تو تھا کہ اس نے یاقوت کو اپنا سپہ سالار تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا مگر نہیں وہ قصوروار ضرور تھا۔ اُس نے ملکہ ہند کے حکم کو ٹھکرانے کی گستاخی کی تھی۔

یہ نہ صرف ڈسپلن اور ضابطہ کے خلاف تھا بلکہ ایک طرح بغاوت بھی تھی۔

چند ہی روز میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہو گیا اور جنگ چھڑ گئی۔ بڑا بھیانک معرکہ پڑا۔ ادھر رضیہ نے باغیوں کی فوج پر قیامت توڑ دی۔ ادھر کوہ پیکر التونیہ نے شاہی فوج کا صفایا کر دیا۔ دو روز تک یہ قیامت خیز جنگ جاری رہی۔ آخر تیسرے روز التونیہ نے یاقوت کا مقابلہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ قریب تھا کہ امیر لشکر کے قتل ہو جانے سے شاہی فوج کے پیر اکھڑ جائیں مگر رضیہ نے سب کو ڈانٹا پھر شیرنی کی طرح التونیہ کی فوج پر ٹوٹ پڑی۔

حق تو یہ ہے کہ التونیہ اپنے زمانہ کا بے مثل سپاہی تھا۔ اس کی شجاعت شکست اور ہار کو جانتی ہی نہ تھی۔ اس پہاڑ سے جو ٹکرایا چور چور ہو کر نسیاً منسیا ہو گیا۔ آخر خود رضیہ اس کے مقابلہ کو آئی مگر اس نے چند منٹ اس کو کھلا کر پھول کی طرح گھوڑے پر سے اٹھا لیا۔ اس طرح رضیہ بھی گرفتار ہو گئی۔ اپنی ملکہ کی گرفتاری پر شاہی لشکر کیا جم سکتا تھا۔ چنانچہ شکست فاش کھا کر بھاگا اور پناہ لینے کو جنگلوں میں جا چھپا۔

ملکہ ہند کی شکست پورے ہندوستان کی شکست تھی۔ جب اس کی اطلاع دہلی پہنچی تو وہاں آگ کی طرح بغاوت پھیل گئی اور دہلی کے تخت پر باغیوں نے قبضہ کر لیا۔ اس طرح وہ سلطنت جس کو باجبروت التمش نے پچیس سال تک اپنا خون پلا پلا کر مضبوط کیا تھا، خانہ جنگیوں سے چشم زدن میں پارہ پارہ ہو گئی۔ جس حکومت کے ارکین مفاد پرست ہوتے ہیں اور آپس کی ناچاقیوں میں اپنی قوت ضائع کرتے رہتے ہیں اس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ رضیہ کی حکومت کو بھی اس کے درباریوں اور امیروں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے تباہ کر ڈالا۔

۵۰

رضیہ گرفتار ہو کر بھٹنڈے کے قلعہ میں پہنچ گئی۔ التونیہ اس کے ساتھ نہایت ادب و احترام سے پیش آیا۔ اس کی تمام گستاخی و سرکشی مٹ گئی۔ اس کے بجائے وہ ہمہ تواضع و

ادب بن گیا اور خود کو اسی طرح پیش کرتا رہا گویا اب بھی رضیہ کا محکوم ہے۔ التونیہ نے یہ مقابلہ صرف اپنی مدافعت میں کیا تھا۔ ورنہ اس کا ارادہ نہ تو دہلی پر قبضہ کرنے کا تھا اور نہ رضیہ سے حکومت چھیننے کا۔

مگر رضیہ کو شکست دینے کے بعد جب اُسے معلوم ہوا کہ اپنی ملکہ کے زوال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے دشمنوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا ہے تو اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اُسے بہت رنج ہوا۔ کاش اس نے رضیہ کا مقابلہ نہ کیا ہوتا۔ اگر کیا تھا تو معمولی جھڑپ کے بعد خود کو ملکہ کے قبضہ میں دے دیتا۔ وہ غضب ناک ہو کر یہی تو کرتی کہ اسے جیل میں ڈال دیتی یا قتل کرا دیتی۔ اگر وہ مار دیا جاتا تو اچھا ہوتا کیونکہ اُمنگ کا لگایا ہوا شجر سوکھنے سے بچ جاتا۔ پچھتاوے کے ان تصورات کے بعد التونیہ شب و روز فکر مند رہنے لگا اور اس کا منہ رضیہ کے سامنے جانے کو نہیں ہوتا تھا۔

رضیہ قید نہیں کر دی گئی تھی بلکہ اُسے ایک پُرآسائش مقام پر نہایت ادب و احترام سے رکھا گیا تھا۔ اس کی خدمت کے لیے ہر دم باادب کنیزیں اور غلام حاضر رہتے تھے اور اس کی دل بستگی کی خاطر التونیہ نے آسائش کے سامان مہیا کر دیے تھے لیکن رضیہ کسی چیز میں دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ اس کو اپنی شکست کا بے انتہا صدمہ تھا اور اپنے قابل باپ کی حکومت کے اس طرح ختم ہو جانے کا اس کو اس قدر غم تھا کہ کئی روز تک وفورِ صدمہ سے اس نے کچھ نہیں کھایا۔

اب تو التونیہ بھی بڑا پریشان ہوا۔ کچھ نہ کھانے سے کہیں ملکہ کی قیمتی جان پر نہ آ بنے۔ جو حالات پیدا ہو گئے تھے ان میں وہ اس سے پیار اور محبت بھی نہیں جتا سکتا تھا۔ اس کے صریح معنی یہ ہوتے کہ ایک اقتدار باختہ و مغلوب حکمران عورت کے زوال و بیچارگی سے وہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس لیے اس نے اپنی محبت پر اس وقت جبر کیا اور کسی طرح رضیہ کی دلداری کا ارادہ کیا مگر کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ آخر بڑی مشکل سے ہمت

کر کے ایک روز غیر مقتدر ملکہ کی خدمت میں پہنچا اور مجرموں کی طرح اس کے حضور جا کھڑا ہوا۔ رضیہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

"میری زبان سے معذرت یا عفو طلبی کا لفظ سن کر آپ کو یہی بدگمانی ہو گی کہ میں منافقت سے پیش آ رہا ہوں مگر میں اپنی سپاہیانہ عزت اور آپ کے ملوکانہ وقار کو درمیان میں لاتے ہوئے عرض کروں گا کہ میری نیت نہ تو آپ کو زک دینے کی تھی نہ آپ سے حکومت چھیننے کی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس وقت دہلی کے تخت پر میرا قبضہ ہوتا۔" التونیہ نے آہستہ آہستہ مگر پروقار لہجہ میں کہا۔ رضیہ نے لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر چپ رہنے میں اپنی سبکی تصور کی اور درشت لہجہ میں بولی:

"جن دو چیزوں کے درمیان میں لانے کا بہانہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے جرم کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے، وہ دونوں قابل ذکر نہیں ہیں کیونکہ میں اب ملکہ نہیں ہوں بلکہ ایک قیدی ہوں اور آپ سپاہی نہیں ہیں بلکہ ایک باغی ہیں۔"

"اگر باغی خود کو قیدی کے سپرد کر دے؟" التونیہ نے سوال کیا۔

"بے معنی سوال ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"اچھا تو یجیے اور میرے ہاتھ زنجیروں سے کس دیجیے۔ اس کے بعد مجھے کہیں بھی لے جایئے۔" التونیہ نے کہا۔

"یہ شاطرانہ باتیں ہیں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ اب میرا کوئی ملک تو باقی رہا نہیں اور نہ حکومت....." رضیہ نے کہا۔ اس کا لہجہ اس قدر تلخ تھا کہ اس کی سمت کے متحمل اس کے حیات بخش لب نہیں ہو سکتے تھے۔

"لیکن میرے لیے آپ اب بھی ملکہ ہیں اور میں آپ کا ادنیٰ سپاہی۔" التونیہ نے کہا۔

"منہ سے۔ چلے جایئے تاکہ میں اس قسم کی باتیں نہ سنوں۔"

"میں بار خاطر نہیں ہونا چاہتا مگر مجھے اپنی فرد جرم معلوم کرنے کی تمنا ہے۔" التونیہ نے کہا۔ رضیہ نے برما دینے والی ترچھی نظروں سے اس کو دیکھا۔ یہ اس کی ادائے عتاب ہوتی تھی، پھر اس طرح زہر میں بجھے ہوئے لہجہ میں بولی:

"اچھا! آپ کا کوئی جرم نہیں؟ اس دیدہ دلیری کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔"

"سنیئے ملکہ ہند! اگر میرا کوئی جرم ہو سکتا ہے تو صرف اتنا کہ میں نے حکومت کا مقابلہ کیوں کیا لیکن یہ مقابلہ خود میں نے بڑھ کر نہیں کیا تھا بلکہ اس کے لیے مجھے مجبور کیا گیا تھا۔ میں نے آپ پر از خود کوئی فوج کشی نہیں کی تھی۔ پھر تمام سازشوں سے بھی میں پاک ہوں اور نہ مجھے حکومت پر قبضہ مقصود تھا۔ میں تو ایک گوشہ عافیت میں پڑا تھا۔ مجھ پر تو خود عذاب نازل کرنے کی پیش قدمی کی گئی تھی جس کی میں نے مدافعت کی۔ اب اتفاق سے جنگ کے دو ہی صریح نتیجے ہوا کرتے ہیں۔"

"آپ میرے بار بار طلب کرنے کے باوجود کیوں نہ دہلی حاضر ہوئے؟"

"کیونکہ میں اپنے قیام کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ راجپوتانہ سرکشی پر آمادہ ہے بلکہ راجہ دہلی پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"پھر آپ نے ان تمام باتوں سے مجھے باخبر کیوں نہیں کیا۔ میرے فرمانوں کے جواب میں خاموشی کیوں اختیار کی؟"

"اس کا جواب میں سر دست دینے سے قاصر ہوں البتہ کچھ عرصہ بعد دے سکوں گا۔"

"اگر اس کا کوئی آپ کے پاس جواب ہے تو میں اسی وقت مانگتی ہوں۔ میں اسے کچھ عرصہ کی طویل حیلوں میں گم کرنا نہیں چاہتی۔"

"بہتر ہے۔ آپ کی خدمت میں پہنچنے میں ہمیشہ آپ کی محبت مجھے روکتی رہی۔ محبت اور اس کی زائدہ رقابت۔ مجھے آپ کے بھائیوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آپ یاقوت پر بے حد مہربان ہیں۔ محبت میں بدگمانی کچھ لازم و ملزوم سی ہے۔ اس خبر سے میری غیرت محبت

کو سخت ٹھیس لگی۔ میں آپ سے بدگماں ہو گیا اور یاقوت کو اپنا رقیب سمجھنے لگا تھا۔ یہ اس وقت آپ کے اصرار پر امر واقعہ کے طور پر مجھے کہنا پڑا ورنہ موجودہ حالت میں آپ یہ کلمات میری زبان سے ہرگز نہیں سنتیں۔" التونیہ نے جواب دیا۔ رضیہ خاموش ہو گئی۔

"کیا آپ کو یہ ڈر نہیں تھا کہ میں آپ کو باغی سمجھ کر فوج کشی کر سکتی ہوں؟" آخر رضیہ نے کہا۔

"جی نہیں۔ اس کے برعکس میرا تو یہ خیال تھا کہ آپ مجھ سے کبھی بدگماں نہ ہوں گی۔" التونیہ نے جواب دیا۔

"شاہی احکام کی تعمیل نہ کرنا بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"بے شک یہ غلطی ہے مگر بغاوت نہیں، دوسرے ملک کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ کر کہیں چل دینا خود تباہی کو دعوت دینا ہے۔" التونیہ نے کہا۔

"جیسے میں دہلی کو چھوڑ کر اس طرف روانہ ہو گئی تھی۔ یہی مطلب ہوا نا؟"

"یا جیسے میں ٹھنڈے کو راجپوتوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر دہلی روانہ ہو جاتا۔" التونیہ نے کہا۔ اتنے میں کنیزیں خوان اور پھل لے کر حاضر ہوئیں۔ جن کی جانب رضیہ نے کوئی توجہ نہیں کی۔ آخر التونیہ نے رضیہ کے سامنے خود دستر خوان بچھایا اور ادب سے بولا۔

"یہ سب کچھ میرا نہیں ہے بلکہ آپ کی سلطنت کے ایک قصبے کی پیداوار ہے اور آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ میں تو یہاں کا صرف نگراں تھا۔ اس لیے آپ اپنی چیزوں سے عدم رغبت کا اظہار نہ فرمائیں۔" جب رضیہ پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلی تو وہ مؤدبانہ اس کا ہاتھ تھام کر دستر خوان پر لے آیا۔ اس کے بعد خود سلام کر کے رخصت ہوا۔ اس کے جانے کے بعد ملکہ نے کنیزوں کی منت و سماجت سے بڑی مشکل سے چند لقمے لیے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

باہر آ کر التونیہ بہت دیر تک کسی گہری فکر میں غرق ٹہلتا رہا۔ بار بار اس رضیہ کی [illegible] کہ [illegible] خیال آ[illegible] تھا۔ یہ چیز اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ رضیہ کا

پائے تخت چھوڑنا ہی غضب ہو جائے گا اور باغی اس پر قبضہ کر لیں گے۔ آخر التمش بھی تو مہینوں دہلی سے غائب رہتا تھا، وہ بھی فوج کے ساتھ، مگر اس کے زمانہ میں کسی امیر نے ذرا سر اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ رضیہ اس کی تو بیٹی تھی اور جائز وارثِ تاج و تخت۔ سوچتے سوچتے یہی اس کی سمجھ میں آیا کہ جب تک امرا اور جاگیرداروں کا زور نہ توڑا جائے گا حکومت میں یونہی ریشہ دوانیوں کا جال بچھا رہے گا۔

آخر ایک ہفتہ کے غور و خوض کے بعد التونیہ نے اپنے چیدہ چیدہ افسروں کو جمع کر کے تھوڑی سی فوج اکٹھی کی۔ وہ جانتا تھا کہ باغیوں میں اکثر جم کر مقابلہ کرنے کے دم خم کی کمی ہوا کرتی ہے۔ دوسرے رضیہ کی فوج تمام کی تمام اپنی ملکہ سے منحرف نہیں ہو گئی ہو گی۔ لہٰذا ایک روز تھوڑی سی جمعیت لے کر بغیر اعلان کیے چپ چاپ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

باغیوں کو غفلت کی حالت میں جالینے کی خاطر اس نے راتوں کو جلد جلد کوچ کیا اور لمبے لمبے پڑاؤ ڈالتا ہوا چند روز میں دہلی جا پہنچا۔ پھر چشم زدن میں طوفان کی طرح شہر کو گھیر لیا۔ باغیوں کو سان و گمان بھی نہ تھا کہ اب رضیہ کی حمایت کو اُٹھ کھڑا ہونے کی کوئی جرأت کرے گا۔ اس لیے وہ مطمئن تھے مگر ایکا ایکی یہ لشکرِ جرار سر پر آ پہنچا تو حیران رہ گئے۔ بہرصورت فوراً مقابلہ شروع ہو گیا۔

ایک تو التونیہ کا طریقۂ جنگ اور اس کی شجاعت کا یہاں کوئی مقابل نہ تھا۔ دوسرے فوج کا بڑا حصہ اپنی ملکہ کے طرف داروں سے جا ملا۔ چنانچہ التونیہ نے چند ہی گھنٹوں میں لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔ اس نے چُن چُن کر ایک ایک باغی کو قتل کیا اور شریر امرا کو موت سے گھاٹ اُتارا۔ جب اس سے فراغت ملی تو اپنی ملکہ کے لیے واپس تخت نشینی کا راستہ صاف کر کے بھٹنڈے کی طرف لوٹ گیا۔ کیا اس موقع پر وہ خود تخت پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا، اس کے لیے اس سے زیادہ قیمتی تخت والی تھی۔

۵۱

التونیہ دہلی کا عظیم الشان معرکہ مار کر اس طرح چپ چاپ واپس لوٹ آیا گویا کوئی اہم کام انجام دے کر نہیں آرہا ہے بلکہ یونہی سیر و شکار کو چلا گیا تھا۔ اس جنگ میں اس کے صرف ایک زخم آیا تھا۔ گردن پر آدھا انچ گہرا اور دو انچ لمبا گھاؤ آ گیا تھا، جس کی اس نے کوئی توضیح نہیں کی تھی بلکہ اُسے چھپانے کو ویسے ہی چھوٹا سا رومال گلے میں لپیٹ لیا تھا۔

دل میں لیکن وہ بہت مسرور تھا کہ اپنی سپاہی اور دل کی ملکہ کی خدمت انجام دینے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اسی طرح التونیہ کی سپاہ جس کو دراصل اب رضیہ ہی کی سپاہ سمجھنا چاہیے، بہت خوش تھی کہ اس نے جان کی بازی لگا کر اپنی ملکہ کا تخت بحال کر دیا تھا۔ اس طرح اپنے اپنے طور پر ملکہ ہند کی فتح سے ہر شخص مسرور تھا مگر خود ملکہ ہند کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ کیا ہو گیا۔ اس کا جاں نثار التونیہ کیا کارنمایاں انجام دے آیا اور یہ کہ کھوئی ہوئی سلطنت صرف اس مخلص تن سپاہی کی بدولت واپس ملی ہے۔ رضیہ کو ان میں سے کسی بات کا علم نہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنے ہجوم تفکرات میں نہ تو باہر نکلتی تھی اور نہ کسی سے بات کرتی تھی۔

التونیہ آخر اسی شام کو ملکہ ہند کی خدمت باز میں پہنچا۔ آج اسے دیکھ کر اس نے منہ نہیں پھیرا مگر متوجہ آج بھی نہیں ہوئی۔ آخر التونیہ آگے بڑھ کر مجرا بجالایا پھر مؤدبانہ سر جھکا کر اس طرح کھڑا ہو گیا گویا واقعی ملکہ کے دربار میں استادہ تھا۔ رضیہ نے ان تمام حرکات کا مطلب یہ لیا کہ اب گستاخ التونیہ اس کا مذاق اڑانے لگا ہے۔ چنانچہ درشتی سے بولی:

"کیا ہماری اتنی ہتک سے آپ کی سیری نہیں ہوئی کہ اب مزید تذلیل کے روادار ہو رہے ہیں۔"

"نہیں ملکہ عالم۔ میں اور حضور کی تذلیل کا روادار ہوں، میں تو اس قسم کے لوگوں کو قابل گردن زدنی سمجھتا ہوں۔"

"تو سب سے پہلے اپنی گردن آپ ماریے۔ کیونکہ آپ عرصہ سے ہماری اہانت کر رہے ہیں۔" رضیہ نے خفگی سے کہا۔

"کوشش تو کی تھی مگر خود اپنے ہاتھ سے اپنی گردن کاٹنا ہے ذرا مشکل۔" التونیہ نے کہا اور ازراہِ مزاح رومال کھول کر گردن کا زخم دکھایا۔ پھر بولا۔ "میں دراصل بڑا سخت جان واقع ہوا ہوں۔ ایک دفعہ حضور نے مجھے سزائے موت ٹھہرادی تھی اس سے نہ معلوم کس طرح بچ گیا۔ رتھمبور کے قلعہ پر حملہ کرتے وقت مرجانا چاہا مگر آپ پر نثار ہونے کی سعادت حاصل نہ ہو سکی۔ شیر سے حضور کے سامنے کشتی لڑی مگر وہ کمبخت مجھے چیر پھاڑ نہ سکا۔ اس لیے اب تو ملکۂ ہند ہی میری گردن پر شمشیر آزمائیں تو شاید بیڑا پار ہو۔"

رضیہ نے اس کی طویل بکواس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اس کی گردن کے زخم پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر منہ پھیر لیا۔ اسے خاموش پا کر التونیہ نے پھر کہنا شروع کیا۔

"دہلی کے مانوس نظارے، وہاں کی پیاری فضا اور سب سے زیادہ وہاں کا تخت جس کی زینت حضور سے تھی ملکۂ ہند کا عالم اضطراب میں انتظار کر رہا ہے۔" اس کے ان کلمات کو رضیہ نے صریح استہزا سمجھا۔ غصہ سے اس کا حسین چہرہ انگار ہو گیا اور سخت لہجہ میں بولی:

"التونیہ زیادہ نامعقولیت نہ برتو۔ تم جیسے بزدل باغی ہمیں کیا تخت دلائیں گے، اسے کبھی ہم ہی اپنی قوت بازو سے حاصل کریں گے۔" التونیہ نے ان تلخ کلمات کا مطلق برا نہ مانا اور بولا:

"ملکۂ عالم نے بجا ارشاد فرمایا۔ خیر میں حضور کو آزاد کرتا ہوں، اب آپ دہلی سدھاریں۔" یہ موذی تو چرکے پر چرکے لگائے جا رہا ہے۔ اگر دہلی جانا ممکن ہوتا تو اس گستاخ و بےادب کو یہ الفاظ ادا کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ رضیہ کھولنے لگی اور اس کا تنِ حسین کپکپانے لگا۔ جس پر التونیہ کو پیار آئے جا رہا تھا۔

"آپ میرے الفاظ کا مطلب غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اب حضور

کو دہلی چھوڑنا مبارک اور اپنی سلطنت کی زمام سنبھالنے کی تہنیت۔"

"آپ میرے پاس سے چلے جایئے۔ کیا ہمیں عذاب دینے کے آپ کے پاس دوسرے ذرائع نہیں۔" رضیہ نے غصّے سے کہا۔

"عذاب ہو اُن جنتی اور نامراد باغیوں کی جان پر جو دہلی میں حضور کی لطیف ہستی کو ہر دم ایذا پہنچانے میں لطف لیا کرتے تھے۔"

"اور اُن سب کے سرغنہ ایک تم یہاں موجود ہو۔"

"یہ تو میری ملکہ کی بدگمانی ہے۔ اچھا اب دہلی کی طرف بسم اللہ کر کے مراجعت فرما ہوں۔ کیا کروں میں ایک بے نوا سپاہی ہوں ورنہ حضور کو قیمتی تحفے تحائف پیش کر کے رخصت کرتا۔ پھر بھی چند تازہ پھل درختوں پر چڑھ کر اپنے خنجر سے کاٹ لایا ہوں۔ حضور انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔ باہر برآمدے میں دو صندوقوں میں بھرے رکھے ہیں۔ ذرا چل کر ملاحظہ فرما لیجیے۔" التونیہ نے ادب سے رضیہ کا بازو تھامنے کی جرأت کرتے ہوئے کہا۔

"دُور ہو جاؤ۔ خبردار میرے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤ۔" رضیہ نے غصّے سے اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"یہ ہاتھ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک خادم اپنے مخدوم کو سہارا دینے کے لیے لگاتا ہے اس لیے آپ دل میں کوئی بدگمانی نہ رکھیں۔ باہر تشریف لا کر پھل پسند فرما لیں۔" التونیہ نے مؤدبانہ عرض کیا۔

"ہمیں کوئی پھل وِل نہیں چاہئیں۔ کچھ نہیں چاہیے۔" رضیہ نے اسی طرح طنطنا کر کہا۔

"صندوق بھاری بہت ہیں ورنہ میں یہیں اُٹھا لاتا۔ آیئے آیئے انھیں دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ پسند نہ آئیں کوئی مضائقہ نہیں۔" التونیہ نے کہا۔ رضیہ اس کی حرکتوں سے تنگ آ گئی تھی۔ آخر اس نا شدنی سے پیچھا چھڑانے کو مجلے قدموں سے بدل ناخواستہ باہر

آئی۔ وہاں اُس نے واقعی دو بڑے صندوق رکھے دیکھے، جو لال ہو رہے تھے۔ رضیہ حیران حیران آ کھڑی ہوئی کہ ان میں یہ کمبخت مزید ستانے کو کیا بھر لایا ہے۔

التونیہ نے آگے بڑھ کر ایک صندوق کا ڈھکنا علیحدہ کیا اور اس میں سے یک بارگی کئی سر، جن میں اب تک خون ٹپک رہا تھا نکال کر رضیہ کے قدموں پر ڈال دیئے۔ رضیہ غیر متوقع طور پر خونچکاں انسانی سر دیکھ کر ایک دم خوف سے اُچھل پڑی اور سخت حیرت و خوف سے انھیں دیکھنے لگی۔

"ارے حضور تو انھیں دیکھ کر ڈر گئیں۔ میں تو بڑے بڑے اونچے درختوں پر سے انھیں کاٹ کر لایا تھا۔ ذرا پہچانیے تو یہ کس درخت کے مطلوبہ پھل ہیں۔" التونیہ نے ہنس کر کہا۔ رضیہ اسی طرح حیرت و خوف سے ان انسانی سروں کو دیکھتے جا رہی تھی۔ آخر اس نے پہچان لیا کہ یہ تو انھیں کمبخت امرا اور عظیم المرتبت درباریوں کے سر تھے جو اس کے بدترین دشمن تھے۔ جنھوں نے ہر معاملہ میں اس سے عدم تعاون کر کے سلطنت کو ضعیف کر دیا تھا اور جو اس کے خلاف ہمیشہ سازشیں کیا کرتے تھے۔

اس انبساط انگیز انکشاف کے بعد کہ اس کے تمام دشمن قتل کر دیئے گئے ہیں، رضیہ فرطِ مسرت سے گنگ ہو گئی، آخر لکنت زدہ لہجے میں بولی:

"یہ کیا ہے.... کیا.... ہے یہ التونیہ! کیا تم نے انھیں قتل کیا ہے؟" التونیہ جواب میں صرف کھڑا مسکراتا رہا۔ "بولو..... بولو یہ تمھارا کارنامہ ہے؟"

رضیہ اس بار اشتیاق و مہر سے دریافت کیا۔

دُور سے سپاہیوں نے رضیہ کو دیکھ لیا تھا چنانچہ وہ جوشِ مسرت سے احاطے میں گھس آئے اور مسرت سے نعرے لگانے لگے "ملکۂ ہند زندہ باد، دہلی کی فتح مبارک باد۔"

ان نعروں کو سن کر تو رضیہ سخت چکرائی۔ اس کے بعد اس کے فہم و دماغ میں دفعتاً تمام باتیں آ گئیں۔ اس نے فرطِ مسرت سے اپنے دستِ سیمیں اونچے کر کے سپاہیوں کے جوش کا

خیر مقدم کیا اور پھر التونیہ کا ہاتھ تھام کر مسکراتی ہوئی اسے اندر لے آئی۔

"خوب! تو اپنی اس حُسن کارگزاری کی وجہ سے تم مشیخت میں آ کر ہمیں اب تک سخت وست کہہ رہے تھے۔" رضیہ نے انتہائی مسرت سے غنچہ کی طرح کھل کر کہا۔

"یہ تو محض آپ کی بدگمانی ہے ورنہ میں نے اب تک جو الفاظ آپ سے کہے ہیں ان میں سے ایک بھی غلط یا اہانت آمیز ہو تو میرا سر بھی اُن بُریدہ سروں میں شامل کر دیجیے۔" التونیہ نے متانت سے کہا۔

"وہ تو ہمیں اب اپنے ہاتھ ہی سے کرنا پڑے گا۔ ارے لیکن تم کب چپ چاپ دہلی پر جا چڑھے اور میرے دشمنوں کو قتل کر کے مظفر و منصور کب چپ چاپ آ گئے۔ مجھے ذکر بھی نہیں کیا۔" رضیہ بحالیٔ تخت اور ذلتِ اعدا سے مارے خوشی کے جامے میں نہیں سما رہی تھی۔

"اگر میں آ کر اس فتح کا ذکر کرتا تو آپ یہی سمجھتیں کہ احسانِ عظیم جتانے آیا ہوں اور اس کے کسی صلہ کا طالب ہوں۔" التونیہ نے کہا۔

"کیا تم ہم سے کوئی صلہ اس کا طلب نہیں کرو گے؟" قدرے شوخ تبسم سے دریافت کیا۔

"آپ کے دینے والے ہاتھ تو بہت بڑے ہیں لیکن میرا دامن بہت کوتاہ ہے، اس لیے کیا مانگوں۔"

"تم تو دفعتاً عجیب سی باتیں کرنے لگے یا تو تھوڑی دیر پیشتر شوخ تبسم بنے ہوئے تھے یا اب اس فتح کے باوجود بھی افسردہ سے ہو رہے ہو۔"

"یہ تو انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے ملکۂ عالم کہ وہ کبھی ایک حال پر نہیں رہتی۔"

"کیا تم اب ہمارے حق میں بھی بدل گئے؟" رضیہ نے شیریں لہجے میں پوچھا۔

"بدقسمتی تو یہی ہے کہ اس امر میں کوشش کرنے پر بھی کامیاب نہیں ہوتا۔" التونیہ نے

[illegible] مراجعت کرنے کی تیاری فرمائیں۔ تاج و تخت

مبارک۔ میں آپ کی حفاظت کے لیے چیدہ چیدہ سپاہیوں کا ایک دستہ روانہ کردوں گا جو آرام سے آپ کو دہلی تک چھوڑ آئے گا۔"

"کیا تم ہمارے ہمراہ دہلی نہیں چلو گے؟" رضیہ نے اسے اپنی معیت کے لیے غیر آمادہ پا کر تعجب سے دریافت کیا۔

"میں بار خاطر ہونا نہیں چاہتا۔"

"لیکن دہلی تو تمہیں چلنا پڑے گا۔" رضیہ نے کہا۔

"نہیں ملکۂ ہند۔ بادشاہوں کے سامنے سے اور گھوڑے کے پچھاڑی سے ہمیشہ دور ہی رہنا چاہیے۔ پہلے باغی قرار دیا گیا۔ اب کے نامعلوم کیا مشہور کر دیا جاؤں۔ چور، ڈاکو، کچھ بھی۔" التونیہ نے کہا۔

رضیہ مسکرانے لگی اور پھر بولی:

"لاؤ تمہاری گردن کے زخم پر ہم خود پٹی باندھ دیں تاکہ تمہیں سفر میں تکلیف نہ ہو۔" یہ کہہ کر اس نے التونیہ کے گلے سے رومال کھول ڈالا۔ پھر اپنے پٹکے سے ایک لمبی دھجی پھاڑی اور اس طرح لپیٹنے لگی کہ اس کی مرمریں باہیں خوش نصیب التونیہ کی گردن میں حمائل ہو گئیں۔ پیار سے وحشی جانور بھی سیدھا ہو جاتا ہے۔ التونیہ کی وحشت بھی مٹنے لگی۔

"اس ذرہ نوازی کا شکریہ مگر مجھے دہلی چلنے کی فرمائش نہ کیجیے کیونکہ بڑے مجاہدہ کے بعد حسرت پرستی کی عادت پیدا کر سکا ہوں۔"

"لایعنی باتیں ہیں۔ حسرت پرستی کیا چیز ہوتی ہے۔" رضیہ نے منہ بنا کر کہا۔

"امید جب مر جاتی ہے تو اس کے لاشے کو لوگ حسرت کہتے ہیں۔" التونیہ نے جواب دیا۔

"یہ اور بھی مہمل۔" رضیہ شوخی سے بولی پھر کہا۔ "تم دہلی چلو تو سہی۔ بہت خوش ہو گے۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ بہت خوش ہو گے۔"

"اس سے انکار نہیں۔ بے شک حضور کو خوشی اور رنج بخشنے پر قدرت ہے۔"

"بس کافی ہذیان بک چکے۔ میں تمہیں ضرور اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ کیا تم اب بھی انکار کی جرأت کرو گے؟" رضیہ نے شاہانہ تمکنت کے بجائے محبوبانہ ادا سے کہا اور اس کی ساحر آنکھوں میں نشاط و سرور کے ہلکے ہلکے لال ڈورے نمودار ہو گئے۔ التونیہ کو آخر سر اطاعت جھکانا پڑا۔ آخر دوسرے روز رضیہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر دہلی روانہ ہو گئی۔ راہ میں کئی بار ان سحر اں و محبت نا آشنا آنکھوں نے اسے یقین دلایا کہ کسی ملکہ کے دل کو فتح کر لینا اس کی پوری قلمرو پر تسلط جما لینے کے برابر ہے۔

دہلی پہنچنے کے بعد تیسرے ہی روز ملکہ ہند اور دنیا کی حسین ترین لڑکی نے ہمیشہ کے لیے اپنا ہاتھ التونیہ کے ہاتھ میں دے دیا اور دونوں مسرت میں ایسے گم ہوئے کہ زمانہ انھیں نہ پا سکا۔

□□□
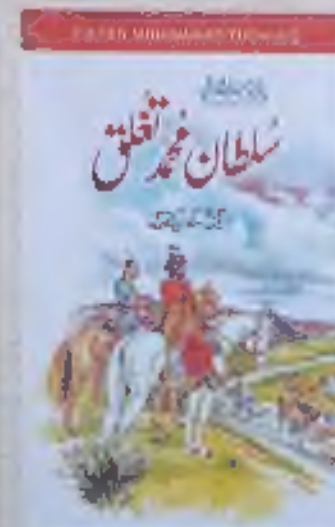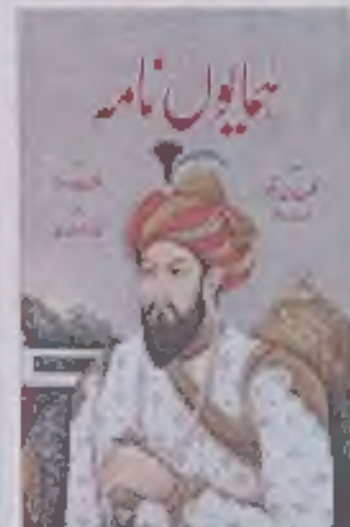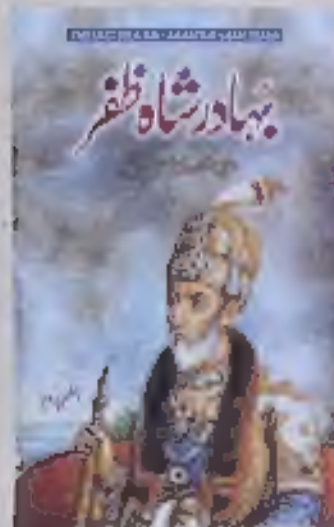
ہم نے بچپن میں اپنے نانا قیسی رامپوری کے تین ناول والدہ مرحومہ کے پاس دیکھے جن میں ''مسیح شہید''، ''فردوس'' اور ''چھٹکی چاندنی'' تھے۔ آج تک ان کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے اور یہ ہمارے کتب خانے کا حصہ ہیں۔ بعد میں ہم کو بقیہ ناول بھی مل گئے۔ تنقید نگاروں نے عام طور پر تاریخی ناول نگاروں کے ناولوں پر زیادہ نشتر چلائے ہیں، جب کہ قیسی صاحب نے ''رضیہ سلطانہ'' کے پیش لفظ میں یہ بات لکھ دی ہے کہ ''تاریخی ناول لکھنے سے بہتر تو یہ ہے کہ انسان تاریخ ہی لکھے۔'' تو ان تمام ناول نگاروں کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا کہ لوگوں کو پڑھنے کے لیے اچھا فکشن میسر آئے۔ قیسی صاحب کی زندگی کو ہم چار ادوار میں دیکھتے ہیں۔ جب وہ رامپور میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور 1924ء تک وہیں رہے۔ پھر 1924ء سے 1944ء تک اجمیر میں قیام پذیر ہوئے اور وہی دور افسانہ نگاری اور ناول نگاری میں ان کی پہچان بنا۔ پھر آخری ڈھائی تین سال دلی میں گزارے اور 1947ء میں پاکستان ہجرت کر آئے۔ پاکستان میں بھی انھوں نے بہت سے ناول لکھے۔ جب ہم نے قیسی صاحب کا تیسرا افسانوی مجموعہ ''غبار'' شائع کیا تو اپنے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ ''آسمان اُردو میں کتنے ہی ستارے کتنے ہی چاند ہر دور میں چمکتے رہے، وقت گزرتا رہا کچھ ستارے ادب کے افق پر سدا ہی چمکتے رہے، کچھ گہنا گئے، لیکن افق سے غروب نہیں ہوئے۔ کہکشاؤں کے جھرمٹ میں کتنے ہی نام ہیں۔ کن کن کو گنوائیں۔ ایم اسلم، شوکت تھانوی، رئیس احمد جعفری، نسیم حجازی، ابن انشا، ابراہیم جلیس، رفیقی اجمیری، قابل اجمیری، نہ جانے کتنے ان گنت نام کہ جن کے فن کی قدر شناسی دنیا کرتی آئی ہے۔ اس جھرمٹ میں وقت کی تہ میں دب جانے والے بے شمار نام، لائبریریوں میں مٹی کھاتی کتابوں کی دبیز تہوں میں دبے نام، دل چاہتا ہے کہ ان لکھنے والوں کا نام ان کی کتابیں، ان کے مضامین، ان کی شاعری جھاڑ پونچھ کر نکالی جائیں اور ایک بار پھر سے شائع کی جائیں۔ ان کے نام کو، ان کے کام کو، پھر سے جلا بخشی جائے۔ قیسی رامپوری ایسا ہی ایک نام ہے جو ایک زمانے میں اُردو ناولوں میں زبردست پذیرائی حاصل کرنے والا نام تھا۔'' بک کارنر جہلم کے برادران امر شاہد اور گگن شاہد کے کام کو ہم جب دیکھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے نئے ادب کے ساتھ پرانے ادب کو بھی جلا بخشی ہے اور کتنی ہی کتابیں دوبارہ ایسی شائع کی ہیں جو وقت کی تہ میں دب چکی تھیں۔ ان کی ادبی کاوشوں پر ہم ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

عادل حسن (کراچی)

BookCornerJlm
bookcornershowroom
bookcornerjhelum
bookcorner
0321-5440882
Jhelum (Pakistan)